

سیرت انبیاء علیہم السلام اور  
حیات صحابہ رضی عنہم کی روشنی میں



# خوشنماشات کا اسلامی تصور



ڈاکٹر تقصیل احمد ضمیم







سیرت انبیاء علیہم السلام اور

حیات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

# حیات صحابہ کا اسلامی تصور

ڈاکٹر حفیظ احمد عثمانی

مکتبہ اسلامیہ



297-992

ض 5816 خ

۱۲۷۹۵۰



# خوابشات کا اسلامی تصور



ڈاکٹر تفضل احمد مدنی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ..... مجید روبرو صاحب

اشاعت ..... 2015ء

مطبع

مکتبہ اسلامیہ پرنٹنگ پریس لاہور  
0300-8661763

ملنے کا پتہ

## مکتبہ اسلامیہ

لاہور ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور  
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد بیسمنٹ سٹ پینک بالقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد  
041-2631204 - 2641204

f /maktabaislamia1

www.maktabaislamiapk.com

maktabaislamiapk@gmail.com



## فہرست

- 8 ..... عرضِ ناشر
- 10 ..... اشکِ مؤلف
- 16 ..... خواہشات کی جانب سفر سے پہلے استخارہ
- حصہ اول: انسان کی چند بڑی خواہشات اور ان تک رسائی کے اسباب
- 1- ..... 21 ..... ولی طمانیت کی خواہش
- 2- ..... 27 ..... فتنوں اور پریشانیوں سے بچاؤ کی خواہش
- ☆ ..... 31 ..... فتنوں سے بچاؤ کے لیے تدابیر
- ☆ ..... 31 ..... جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی پناہ میں
- ☆ ..... 32 ..... نماز بھجی کی ادائیگی
- ☆ ..... 34 ..... چاشت کی چار رکعت سے دن بھر کے لیے اللہ کی مدد
- 3- ..... 35 ..... نقصانات سے بچاؤ کی خواہش
- ☆ ..... 36 ..... عزت میں کمی کا رجوع الی اللہ سے ازالہ
- 4- ..... 38 ..... حصول برکات کی خواہش
- ☆ ..... 38 ..... کاروبار میں برکت
- ☆ ..... 39 ..... وہ مٹی بھی خرید لیتے تو نفع ہوتا
- ☆ ..... 40 ..... چند سنجور جن سالوں ختم نہ ہوئیں
- ☆ ..... 41 ..... وہ اعمال جن سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے
- 5- ..... 44 ..... رحمت الہی کے حصول کی خواہش
- ☆ ..... 49 ..... وہ اعمال جن سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں
- ☆ ..... 52 ..... پہلی صف میں کھڑا ہونا
- ☆ ..... 53 ..... عصر سے پہلے چار رکعتیں
- ☆ ..... 53 ..... دینی معاملات میں میاں بیوی کا تعاون

09-09-2015

صفحہ نمبر ۱

۱



- ☆ آسمان والا تم پر رحم کرے گا ..... 54
- ۶۔ ادائیگی قرض کی خواہش ..... 58
- ☆ قرض سے نجات کے لیے اعمال ..... 61
- ☆ ادائیگی کے لیے کوشش ..... 61
- ☆ ہائیس لاکھ کی ادائیگی ..... 63
- ☆ لکڑی حکم کی پابند بن گئی ..... 66
- ☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قرض ..... 67
- ۷۔ حصول عزت کی خواہش ..... 70
- ☆ پہلا عمل ”اپنی عزت خود کیجیے“ ..... 70
- ☆ دوسرا عمل ”شرم و حیا“ ..... 76
- ☆ تیسرا عمل ”بیٹھا بول“ ..... 81
- ☆ چوتھا عمل ”اصول پسندی“ ..... 86
- ☆ پانچواں عمل ”جنس کا وقار برقرار رکھیے“ ..... 88
- ☆ چھٹا عمل ”دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرنا“ ..... 90
- ۸۔ پریشانیوں سے نجات کی خواہش ..... 93
- ۹۔ خوشیوں کی خواہش ہو تو زندگی سے پیار کیجیے ..... 89
- ۱۰۔ خواہشات کی تکمیل کے بعد ماضی کو نہ بھولیں ..... 102
- حصہ دوم: انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواہشات
- ۱۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خواہشات ..... 106
- ☆ ارض مقدس کے پاس دفن ہونے کی خواہش ..... 106
- ☆ اہل علم سے ملنے کی خواہش ..... 107
- ☆ دیدارِ الہی کی خواہش ..... 112
- ۲۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خواہشات ..... 115
- ☆ مردے کیسے زندہ ہوں گے؟ ..... 115



- ☆ اولاد کے نمازی ہونے کی خواہش ..... 118
- ☆ اولاد کے شکر گزار ہونے کی خواہش ..... 119
- ۳۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہشات ..... 124
- ☆ مقامِ محمود کی خواہش ..... 124
- ☆ کاش میں آنے والے امتیوں کو دیکھوں ..... 125
- ☆ میرے گھر والے تہجد پڑھیں ..... 127
- ☆ کون ہے جو حجرے والیوں کو بیدار کر دے ..... 128
- ☆ کیا تم میری خاطر ابو بکر رضی اللہ عنہما کو ستانا چھوڑ سکتے ہو؟ ..... 133
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام کی خواہشات ..... 135
- ☆ الوداعی تحریر لکھنے کی خواہش ..... 138
- ☆ امامت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی خواہش ..... 145
- ☆ دنیا کی بجائے آخرت کی خواہش ..... 147
- ☆ محبوب بیوی کے گھر قیام کی خواہش ..... 149
- ☆ موت کے قریب مسواک کی خواہش ..... 151
- ۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواہشات ..... 154
- ☆ آج ان کا خدمتگار رہوں گا ..... 155
- ☆ کاش مجھے بھی خواب آئے ..... 157
- ☆ وہ آئیں گھر ہمارے ..... 163
- ☆ مرنے سے پہلے دو رکعت کی خواہش ..... 167
- ☆ نیکیوں کے لیے مال کی خواہش ..... 172
- ☆ جنت کی خواہش میں کھجوریں پھینک دیں ..... 176
- ☆ میرے قدم بھی لکھے جائیں ..... 178
- ☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش ..... 178
- ☆ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی پیر کے دن فوت ہونے کی خواہش ..... 180
- ☆ دو تہائی مال صدقہ کرنے کی خواہش ..... 182



- ☆ عبادت کے لیے جگہ چاہتا ہوں ..... 184
- ☆ وہ رب مجھ سے محبت کرے ..... 188
- ☆ وحی کا نزول دیکھنے کی خواہش ..... 189
- ☆ سابقہ جرم کی تلافی کی خواہش ..... 195
- ☆ خدمت رسول اللہ ﷺ میں آخری سلام کی خواہش ..... 198
- ☆ سچ سے رضا کی خواہش ..... 201
- ☆ کاش میں اونٹنی کے پیچھے نہ جاتا ..... 211
- ☆ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں دخول کی خواہش ..... 213
- ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں ہدیہ بھیجنے کی خواہش ..... 216
- ☆ پہلی بحری جنگ میں شرکت کی خواہش ..... 219
- ☆ یہ چادر میرا کفن ہے ..... 222
- حصہ سوم: ناپسندیدہ خواہشات
- ☆ دنیا ہی میں گناہوں کی سزا پانے کی خواہش ..... 225
- ☆ عہدے کی خواہش ..... 226
- ☆ امیر کا غیر شرعی امر میں اطاعت کی خواہش کرنا ..... 228
- ☆ عبادت میں غیر شرعی خواہشات ..... 229
- ☆ رسی باندھ کر عبادت کرنا ..... 234
- ☆ کسی آدمی کو باندھ کر طواف کروانا ..... 234
- ☆ سواری ہونے کے باوجود پیدل حج کرنے جانا ..... 235
- ☆ عبادت میں لوگوں کو خوش کرنے کی خواہش ..... 237
- ☆ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی خواہش ..... 245
- ☆ کسی تکلیف کی بنا پر موت کی خواہش کرنا ..... 247
- ☆ خودکشی کی خواہش ..... 247
- ☆ مصائب میں دیندار اور دنیا دار کا کردار ..... 254



- ☆ کیا غربت کا علاج خودکشی ہے؟ ..... 262
- ☆ صبر و شکر پیدا کرنے والا نسخہ ..... 267
- ☆ کیا بیماریوں کا علاج خودکشی ہے؟ ..... 269

کچھ بیماریوں پر انعامات پیغمبر رحمت ﷺ کی زبان سے

- ☆ بینائی جاتی رہے تو ..... 373
- ☆ مرگی پر صبر کی جزاء ..... 373
- ☆ جو طاعون کی بیماری سے فوت ہو جائے ..... 374
- ☆ جس عورت کو بچوں کی وفات کے ساتھ آزمایا جائے ..... 375
- ☆ کیا بیٹیوں کے مسائل خودکشی سے حل ہو سکتے ہیں؟ ..... 377
- ☆ محبت میں ناکامی پر خودکشی ..... 380
- ☆ امتحان میں ناکامی پر خودکشی ..... 382
- ☆ خودکشیوں کا بڑھتا ہوا رجحان اور ہماری ذمہ داریاں ..... 385
- ☆ حکمرانوں کی ذمہ داریاں ..... 392
- ☆ غرباء کا حق، نواسے کے منہ سے چھین لیا ..... 393
- ☆ آل محمد ﷺ پر صدقہ حرام کیوں؟ ..... 394
- ☆ خودکشی کرنے والے کی سزا ..... 396
- ☆ بلا سوچے سمجھے بچوں کے لیے خواہشات کرنا ..... 398

وہ آرزوئیں جو کبھی پوری نہیں ہوں گی

- ☆ عذاب جہنم میں ایک دن کے لیے تخفیف کی خواہش ..... 302
- ☆ دنیا میں واپس جانے کی خواہش ..... 303
- ☆ روزِ محشر ایمان لانے کی خواہش ..... 307
- ☆ پانی کی چند بوندیں ..... 309
- ☆ اے اللہ قیامت کبھی قائم نہ کرنا ..... 309
- ☆ مصادر و مراجع ..... 314



## عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على رسوله الامين،

امابعد

کہا جاتا ہے کہ خواہشات انسان کو بے بس کر دیتی ہیں، انسان خواہشوں کے حصار میں اس طرح جکڑا جاتا ہے جس طرح شہد میں مکھی۔ یہ ایک ایسی دلدل ہے کہ اس میں گرنے والا بتدریج ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک خواہش دوسری خواہش سے متعارف کراتی ہے اور اس طرح سلسلہ در سلسلہ زنجیر بنتی چلی جاتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود خواہش کوئی بری چیز ہے اور اس سے اپنا دامن بچانا ضروری ہے، خواہش تو انسان کی فطرت میں شامل کر دی گئی ہے، البتہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو دین اسلام کے تابع بنائے، لغو اور بے مقصد خواہشوں کا دھارا بدل کر کتاب و سنت کے عین مطابق بنائے کیونکہ ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ ”کوئی جاندار یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔“ (لقمان ۳۴) اور وہ کل آئے گی بھی یا نہیں؟

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کئی لکیریں کھینچیں، پھر (ایک لکیر کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: ”(یہ انسان کی) خواہشیں ہیں اور (دوسری لکیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) یہ اس کی موت ہے۔ پس انسان اسی طرح آرزوؤں کے درمیان ہوتا ہے کہ سب سے قریب لکیر (موت) اس کے پاس آ پہنچتی ہے۔“ (صحیح البخاری: ۶۴۱۸) موت کا خط انسان کے سب سے قریب ہے، پھر بھی انسان اس سے غافل ہے اور حقیقت سے انحراف برتتے ہوئے بے مقصد آرزوؤں کے سراب کے پیچھے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔

قارئین کرام! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آرزوئیں سود مند ہوں، ہمیں اطمینان



قلب نصیب ہو تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کا دھارا بدل دیں، اقتدار کے بجائے جنت کی حرص، جھوٹی شہرت کے بجائے تقرب الی اللہ کے لیے تگ و دو اور اپنی زندگی کی تمام تر وابستگیوں دین حنیف کے ساتھ خاص کر دیں۔ اس سلسلے میں زیر نظر کتاب سیرت انبیاء علیہم السلام اور حیات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں، خواہشات کا صحیح اسلامی تصور مشعل راہ ثابت ہوگی۔

مولف کتاب فضیلتہ الشیخ ڈاکٹر تفضیل احمد ضنیعم رحمۃ اللہ علیہ بہترین قلم کار اور منجھے ہوئے مدرس ہیں جنہوں نے عام فہم انداز میں اپنے موضوع سے خوب وفا کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک راہ کا تعین ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ اگر کما حقہ اس راہ کو اختیار کر لیا جائے تو انسان کی زندگی میں ایک انقلاب آسکتا ہے، اس کی زندگی میں ایک تحریک پیدا ہو سکتی ہے جو اسے معصیت زدہ خواہشات سے نکال کر جنت اور دیدار الہی کا حریص بنا دے گی۔

مکتبہ اسلامیہ کے ریسرچ سیکشن نے فائل پروف کے ساتھ ساتھ اسے بہتر سے بہترین بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے جو یقیناً لائق تحسین ہے۔ محترم محمد یوسف صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب کے حوالہ جات از سر نو چیک کیے اور ان کی تصحیح بھی کی ہے۔ اسی طرح محمد فیصل مقبول نے بہترین کمپوزنگ کی اور عبدالواسع صاحب نے دیدہ زیب سرورق بنایا۔ جزاھم اللہ خیراً۔

قارئین کرام! مکتبہ اسلامیہ وہ ادارہ ہے جو ہمیشہ آپ کے لیے ایسی کتب کا انتخاب کرتا ہے جن کے ذریعے سے اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ میں نمایاں کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ جس پر ہم اللہ رب العزت کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ ہماری ان کاوشوں کو ثمر و ربنائے اور انھیں ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

محمد سرور بریلوی



## اشکِ مؤلف

انسان خواہشات میں جکڑا ہوا ہے اور اس کا دل آرزوں کا مسکن ہے۔ ہر دن نئی خواہشات لے کر طلوع ہوتا ہے اور اس کا اختتام بھی تکمیل خواہشات میں ناکام رہتا ہے۔ کبھی مال کی خواہش، کبھی اولاد کی خواہش، اچھے رشتوں کی تلاش، اعلیٰ عہدے اور منصب کی آرزو اور ایسی ہی ہزاروں آرزوئیں وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نکلے میرے ارمان مگر پھر بھی کم نکلے

بندہ لب مرگ ہوتا ہے، بڑھا پا قویٰ مضمحل کر چکا ہوتا ہے، جسم ناتواں ہوتا ہے مگر

خواہشات جوان ہوتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

(( لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًا فِي اثْنَتَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ

الْأَمَلِ ))<sup>①</sup>

”بوڑھے شخص کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، دنیا کی

محبت اور لمبی امیدیں۔“

اور اللہ کی طرف جھکنا یہی ہے کہ بندہ اپنی خواہشات کو شریعت کے دائرے میں لے

آئے۔ اللہ کا بندہ بن کر سوچے اور اصل <sup>مطمح</sup> نظر آخرت کو بنا لے۔ خواہشات ازل سے ہی

بندے کے دل میں سمائی ہوئی ہیں، جیسے دل میں گناہ کرنے، نیکی کرنے، رحم کھانے کے

جذبات یا خوش ہونے اور غم زدہ ہونے کے احساسات ہوتے ہیں۔ ایسے ہی خواہش بھی

① صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستين سنة فقد عذر الله اليه، رقم: ٦٤٢٠



ایک نہ دکھائی دینے والا احساس ہے۔ اس سے اٹھنے والی لہریں اپنی تسکین چاہتی ہیں اور ان کی تسکین خواہش کے مکمل ہونے میں ہے۔ اگر دنیاوی خواہشات حد اعتدال سے بڑھ جائیں تو یہ بھی ایک بیماری کا روپ دھار لیتی ہیں اور اس بیماری کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ بندہ خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور ان کو مکمل کرنے کے لیے شریعت کو بالائے طاق رکھ کے ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرنے لگتا ہے اور خواہشات اسے بھٹکا دیتی ہیں۔ قرآن حکیم نے ایسے شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿أَفْرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ

سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۗ

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١﴾

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔“

خواہش کو معبود بنانے کا مطلب خواہش کے اشاروں پر چلنا ہے کہ بندہ اس کی تکمیل میں عبادات کو بھول جائے، اسے پورا کرنے کے لیے حلال و حرام کے پیمانے توڑ کے ہر ناجائز ذریعے اور ہتھکنڈے کے سامنے اپنے سر کو جھکا دے۔ ایسا بندہ ہی درحقیقت بھٹکا ہوا انسان ہے۔

خواہش کا نیت و ارادہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ جب بندہ خواہش کرتا ہے تو اس خواہش کے پیچھے ایک ارادہ چھپا ہوتا ہے اور بندہ اپنے ارادہ کی تکمیل چاہتا ہے۔ پس ارادہ اگر نیک ہے تو تکمیل ارادہ کے لیے ذرائع بھی عموماً نیک ہی اختیار کیے جاتے ہیں اور ارادہ اگر برا ہے تو اس کی تکمیل کے لیے کبھی اچھے ذرائع اختیار نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے کہ ارادہ



وہ بیج ہے جس پر خواہش کا درخت ثمر آور ہوتا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بیج تو کیکر کے درخت کا ہو اور اس پر آم یا گلاب لگنے کی خواہش کی جائے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ برے ارادے سے اچھی خواہش کا خمیر پیدا ہو؟ مثبت اور منفی سوچ ایک ساتھ سفر نہیں کر سکتی اور اگر کبھی ایسا ہو بھی جائے تو یہ سفر زیادہ دور تک نہیں چلتا۔ بالکل اسی طرح برے ارادہ سے اچھی خواہش کی تکمیل کے لیے سفر نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی ایسے سفر کے لیے نکل کھڑا ہو تو زیادہ دور نہیں جاسکتا۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہماری عموماً ساری خواہشات دنیاوی امور کے گرد گھومتی ہیں اور ہم ان کی تکمیل میں دنیا کے بازار میں گھومتے گھومتے اس مقام تک جا پہنچتے ہیں جسے قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿الْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾<sup>①</sup>

”غفلت میں ڈالے رکھا تمہیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش نے یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم جان لو گے۔“

اور دوسری افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ ہم نے دنیاوی خواہشات اس قدر بڑھالی ہیں کہ موت آنے تک وہ ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ موت کا نیچرگ جاں کو دبوچ لیتا ہے اور خواہشات ہیں کہ ڈھیرون ابھی اور پڑی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسْطِ فَقَالَ: هَذَا الْإِنْسَانُ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطًا بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهَذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَحَشَهُ هَذَا))<sup>②</sup>

① التكاثر: ۱، ۲، ۳

② صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب في الامل وطوله، رقم: ۶۴۱۷



”نبی ﷺ نے ایک مربع شکل کا خط کھینچا اور ایک خط درمیان میں اس سے باہر نکلتا ہوا کھینچا اور درمیانی خط کے پہلو میں چند چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ خط اس کی موت کا ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ خط جو باہر نکل رہا ہے اس کی آرزوئیں ہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے خط جو پہلو میں ہیں انسان کو پیش آنے والے حوادث ہیں۔ اگر ایک حادثہ اس سے خطا کر جاتا ہے تو دوسرا سے آدبوچتا ہے اور اس سے جان چھوٹی ہے تو کوئی دوسرا سے آپکڑتا ہے۔“

انسان انہی حوادث و خواہشات کی جنگ لڑتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ دل میں اٹھنے والی ہر خواہش کی تکمیل کر لے۔ خواہشات دنیا کا غلام بننے کی بجائے اگر ہم نبی ﷺ کی سوچ اور فکر کو اپنالیں تو خواہشات ہماری غلام بن جائیں گی۔ جب بندہ دنیا کا سفر آخرت کے لیے کر رہا ہو اور دنیا اور سامان دنیا کا مقصد بھی آخرت کی تعمیر ہو تو سب خواہشات ایک آخرت بنانے کی خواہش میں سمٹ آتی ہیں اور پھر کیفیت یہ ہو جاتی ہے، جس کی طرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اشارہ فرمایا ہے:

((إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ  
وَأَخُذُ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ))<sup>①</sup>

”جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت سے اپنی بیماری کے لیے کچھ لے لے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے کچھ حاصل کر لے۔“

صحت کی حالت میں خواہشات کو اتنا منہ زور نہ چھوڑیں کہ بیماری کی حالت میں ان خواہشات کے لیے بے کل ہونا پڑے۔ جوانی کی خواہشات کے پیچھے بھاگنے سے پہلے بڑھا پانظر میں رکھیے کیونکہ

① صحیح البخاری، کتاب الرفاق، باب قول النبی ﷺ کن فی الدنيا كانك غریب، رقم: ۶۴۱۶



ہو رہی ہے عمر مثل برف کم  
سانس ہے ایک رہو ملک عدم  
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم  
دفعۃً اک روز یہ جائے گا تھم  
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اس کتاب میں صالحین کی چند خواہشات کو جمع کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر کہ ہمارے دل میں تعمیرِ آخرت کی سوچ پیدا ہو۔ ہم دنیا اور اس کی خواہشات میں اس قدر گم ہو چکے ہیں کہ ہمیں آخرت اور قبر کی یاد صرف اس وقت آتی ہے جب ہم کسی عزیز کو دفن کرنے کے لیے قبرستان جاتے ہیں اور یہ سوچ بھی چند لمحات کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر دنیا اور دنیا کا بازار، جس میں ہم گم ہو جاتے ہیں۔ ہم سے پہلے اربوں کھربوں لوگ مر چکے، دفن ہو چکے، ان کے نام مٹ گئے، ہواؤں اور بارشوں نے ان کی قبروں کے نشان تک دھو دیئے۔ وہ جو خود کو دنیا کے لیے ناگزیر سمجھتے تھے، دنیا نے انہیں بھلا دیا۔ آج ہماری کتنی خواہشات ناموری اور لوگوں میں نمایاں نظر آنے کے لیے ہوتی ہیں۔ جس کے لیے ہم سردھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ اس دنیا میں جو پھول بھی کھلتا ہے، مرجھا جانے کے لیے کھلتا ہے۔ ہر دن جو سورج طلوع ہوتا ہے، وہ نصف النہار پر پہنچ کے ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر غروب ہو جاتا ہے۔ ہم اگر دنیا میں نہیں تھے تو دنیا اسی طرح قائم تھی۔ ہم اگر نہ ہوں گے تو بھی دنیا کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دنیا کا یہی اصول ہے کہ اگر ایک آدمی یہاں سے رخصت ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے اور پہلے کو بھلا دیا جاتا ہے۔

ہم نہ ہوتے تو کسی اور کے چرچے ہوتے

خلقتِ شہر تو کہنے کو فسانے مانگے

عزت و وقار کے دنیاوی مراتب اور شہرت و ناموری کے لباس، سب یہاں عارضی ہیں۔ ایسی چیزوں کی خواہش کرنا اور پھر ان کے حصول کے لیے قبر و حشر کو بھول جانا کوئی دانشمندی نہیں، جوانی کا دور زندگی کا انتہائی قیمتی اثاثہ ہے اور قوت و ہمت والے ان دنوں کو عارضی خواہشات کے پیچھے دوڑتے ہوئے بتا دینا زندگی کی بہت بڑی بھول ہے۔ جوانی میں جسم میں قوت و جان اس کا ساتھ دیتی ہیں، عزم و ہمت جواں ہوتے ہیں، رگوں میں خون کی گردش تیز ہوتی ہے۔ وہ کوئی بھی کام کرنا چاہے جسم اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اگر یہ دور



لذت و تسکین کے پیچھے سفر میں گزر گیا تو پھر یہی جواں جسم ناتوانی کا بوجھ اٹھانے، زندگی کا کٹھن سفر کرنے پر مجبور ہوگا۔

بارہا دیکھا کہ کیسے تھے جو خورشید و قمر  
چند دن گزرے تھے کہ آئے خمیدہ سی کمر  
آہ جن آنکھوں سے شربت روح افزاء تھا عیاں  
چند دن گزرے کہ ان آنکھوں سے اٹھتا تھا دھواں

یہ زندگی کی تلخ حقیقت ہے کہ جسم و جاں کا عروج سدا برقرار نہ رہے گا۔ زندگی کو فضول خواہشات کے پیچھے مت ضائع کیجیے۔ یہ زندگی بہت قیمتی ہے۔ اس کا وقت ہمیں گن کے دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے تو لمحات تک شمار کیے گئے ہیں۔ جو چیز قیمتی ہوتی ہے اس کو گن کے اور پوری طرح شمار کر کے دیا جاتا ہے۔ جیسے سونا بیچنے والا تولے، ماشے اور رتی تک کا حساب کرتا ہے۔ جبکہ گھاس بیچنے والا تنکے شمار نہیں کرتا۔ بہت سے تنکے پاؤں تلے روندھ دیئے جاتے ہیں۔ کچھ کو اٹھایا بھی نہیں جاتا۔ اس لیے کہ وہ سونے کی مانند قیمتی نہیں ہوتے۔ زندگی کے لمحات کو سونا سمجھ کے استعمال کریں کہ کہیں کوئی لمحہ ضائع نہ ہو جائے۔ گھاس کے تنکے سمجھ کے ضائع نہ کریں۔ زندگی وہ قیمتی چیز ہے کہ جب پوری ہوگئی قضاء و قدر سے ایک رتی بھر لمحہ بھی زیادہ نہیں ملے گا اور یہ ایسا سفر ہے جو صرف ایک کنارے سے ہی شروع ہوتا ہے اور دوسرے کنارے پر پہنچ کے ختم ہو جاتا ہے۔ پھر وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں اور دوران سفر ہم نے جو کچھ بھی جمع کیا وہی ہمارا سرمایہ ہے اور اس سرمائے پر آخرت کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہوگا، یاد رکھیے! بُری خواہشات کے ساتھ کانٹے اور پتھر تو جمع کیے جاسکتے ہیں، پھول اور ہیرے جمع نہیں کیے جاسکتے۔ ہم اپنی خواہشات میں نیکی اور اچھی سوچ کا رنگ بھر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی کو سمیٹ سکتے ہیں اور حقیقت میں کامیاب آدمی بھی وہی ہے جس نے دنیا اور آخرت دونوں کو اچھا بنا لیا۔

تفضیل احمد ضیغم



## خواہشات کی جانب سفر سے پہلے استخارہ

خواہشات کی تکمیل کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں اور بعض دفعہ بندہ متذبذب ہوتا ہے کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں۔ فوائد و نقصانات دونوں اس کے سامنے ہوتے ہیں، کبھی دل مانتا ہے تو کبھی اس کی نفی کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں بندے کو چاہیے کہ وہ استخارہ کر لے۔ استخارہ دراصل باری تعالیٰ سے مشورہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اچھا مشورہ کوئی نہیں دے سکتا۔ ہم کسی بھی کام کے ظاہری فوائد و نقصانات کو تو کسی حد تک جانتے ہیں، لیکن اس کے باطنی فوائد و نقصانات کا علم نہیں رکھتے۔ ہم کسی امر کو اچھا سمجھتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہیں، لیکن بعد میں جب اس کے نقصانات اور شر کے پہلو سامنے آتے ہیں تو گھبراہٹ اور گھٹن ہوتی ہے اور بعض دفعہ کسی کام کو تنگی والا سمجھتے ہوئے بوجھل قدموں سے اس کی جانب بڑھتے ہیں، لیکن وہی کام ہمارے لیے خوشی و مسرت اور آسانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ہم کسی بھی کام کے باطنی فوائد و نقصانات سے ناواقف ہوتے ہیں اور استخارہ کے ذریعہ ہم اس کام کے حوالہ سے اپنے رب سے مشورہ لیتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ! اگر یہ کام اچھا ہے تو میرے لیے آسانی کے راستے کھول دے کہ میں اس تک پہنچ جاؤں۔ اگر میرے حق میں اچھا نہیں ہے تو میرے اور اس کام میں کوئی ایسی رکاوٹ جائل کر دے کہ میں اس سے رُک جاؤں۔

خواہشات بھی ایسے ہی کاموں سے متعلق ہوتی ہیں، جن کی تکمیل سے یا جن تک رسائی سے بندے کو ذہنی اور جسمانی تسکین ہوتی ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ خواہش اپنی تکمیل کے ساتھ ذہنی طمانیت لانے کی بجائے پریشانی کا پیش خیمہ بن جائے۔ پس ہمیں خواہش کی جانب سفر سے پہلے استخارہ کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرنے والا کبھی ناکام و نامراد نہیں ہو سکتا۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:



﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾<sup>①</sup>

”اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔“

جب ہم اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کا سوال کریں گے تو تاریک راستوں پر ہمیں سفر نہیں کرنا پڑے گا۔ بلکہ روشنیاں ہماری ہم رکاب ہوں گی۔  
استخارہ کا طریقہ:

استخارہ کے لیے بندہ وضو کر کے فرضی نماز کے علاوہ دو رکعت ادا کرے اور پھر یہ دُعا پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَأَقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ

اس دُعا میں جس جگہ اَنَّ هَذَا الْأَمْرَ کا کلمہ ہے وہاں اپنی حاجت کا نام لے یا پھر اپنی اس حاجت یا خواہش کو ذہن میں رکھے اور دُعا کے بعد اللہ سے پُر امید رہے۔ اگر وہ کام واقعی بندے کے حق میں اچھا ہوگا تو راستے میں حائل رکاوٹیں ہٹ جائیں گی اور اس تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے گا اور بندے کا دل اس بارے میں مطمئن ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ کام اس کے حق میں مفید نہ ہو تو دلی طمانیت حاصل نہیں ہوگی اور ممکن ہے راستے میں کوئی ایسی رکاوٹ بھی کھڑی ہو جائے جو اس تک پہنچنے کا راستہ مشکل کر دے۔

استخارہ کے لیے جس مذکورہ دُعا کا ذکر کیا گیا ہے یہ نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو



بطورِ خاص استخارہ کے لیے یاد کروائی تھی۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ: ((إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي، فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي- أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي- وَآجِلِهِ، فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي، فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي- أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي- وَآجِلِهِ، فَأَصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ- قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ))<sup>(1)</sup>

”رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام کاموں کے لیے استخارہ کی ایسے تعلیم فرمایا کرتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی سورت سکھلایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت پڑھے پھر یوں کہے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی بدولت طاقت چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے تیرا فضل عظیم چاہتا ہوں، بے شک تو ہی قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا ہوں اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین و دنیا میں اور میرے کام کے آغاز و انجام میں بہتر ہے، تو اس کو میرے لیے مقدر فرما دے اور اس کو میرے لیے آسان کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین و دنیا میں اور میرے کام

(1) صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، رقم: ۱۱۶۲



کے آغاز و انجام میں نقصان دہ ہے تو اس کو مجھ سے الگ کر دے اور مجھے اس سے علیحدہ کر دے اور اس کے ذریعے سے مجھے خوش کر دے۔ آپ نے فرمایا:

پھر اپنی ضرورت کا نام لے۔“

واضح رہے کہ استخارہ کے بعد خواب میں کسی قسم کا اشارہ ہونا جیسا کہ لوگوں میں معروف ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں اس لیے ضروری نہیں کہ سونے سے پہلے استخارہ کیا جائے کہ کوئی خواب وغیرہ آئے گا۔ استخارہ دن اور رات کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے اور بندہ اس وقت تک استخارہ کرتا رہے جب تک وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ جائے اور استخارہ ایسی خواہشات پر نہیں کیا جاسکتا جن میں حرام کا پہلو نکلتا ہو، جن سے شریعت نے منع کیا ہو یا انہیں ناپسند کیا ہو، بلکہ ان امور میں کیا جائے جو شرعی طور پر جائز ہوں اور بندہ ان کے کرنے یا نہ کرنے میں متذبذب ہو۔



انسان کی چند

بڑی خواہشات

اوزان تک رسائی کے اسباب



## دلی طمانیت کی خواہش

دل کیا ہے.....؟ گوشت کا ایسا ٹکڑا جو نہ صرف پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے بلکہ انسانی خیالات اور جذبات پر بھی اس کا بہت کنٹرول ہے اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ بعض دفعہ پریشان خیالات ہی بندے کو بے چین کر دیتے ہیں۔ جذبات کے ہاتھوں بندہ پریشانیوں اور مسائل میں الجھ جاتا ہے، جبکہ ان چیزوں کے پیدا ہونے کا مرکز دل ہے۔ وہ خیالات جن میں بندے کی پریشانیوں کا انبار ہے، ان کا مرکز بھی دل ہے اور وہ خیالات جن پر بندے کے سکون اور کامیابی کا دار و مدار ہے، ان کا مرکز بھی دل ہے۔ نبی ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ: الْقَلْبُ))<sup>①</sup>

”بلاشبہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست

رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے۔“

یوں سمجھ لیں کہ اگر دل درست ہے تو سارا جسم درست ہے۔ اگر دل پر سکون ہے تو سارا جسم پر سکون ہے۔ اگر دل دکھی ہے تو سارا جسم دکھی ہے۔ اگر دل غم زدہ اور رنجیدہ ہے تو سارا جسم غم زدہ ہے۔ اگر دل میں بے چینی اور اضطراب ہے تو سارے جسم کی یہی کیفیت ہوگی۔ یقیناً ہمیں دل کے لیے ایسے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے جو اس کی تشنگیوں اور ویرانیوں کو ختم کر دے اور اسے سکون کی دولت سے مالا مال کر دے۔ یہ مضبوط سہارا ہمیں مذہب فراہم کرتا ہے۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں کو سکون و اطمینان کا سامان فراہم کرتا ہے۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

① صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه، رقم: ۵۲



﴿الَا يَذْكُرُ اللهُ تَطْمِينُ الْقُلُوبِ ۝﴾<sup>①</sup>

”خبردار اللہ کے ذکر سے دل طمانیت پاتے ہیں۔“

اللہ کا ذکر دلوں کو طمانیت اس لیے بخشتا ہے کہ اس کے اندر زبردست روحانی قوت موجود ہے۔ ایسی روحانی قوت جو روح کی پیاس کو ختم کر دیتی ہے۔ چونکہ قرآن حکیم کی تلاوت سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور فرشتوں کی موجودگی روحانی سکون کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دل کی کثافتیں دھلنا شروع ہو جائیں تو ہمیں قرآن پاک کی تلاوت باقاعدگی سے کرنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کی تنہائیوں میں قرآن کی تلاوت سے اپنے دلوں کو آباد کرتے تھے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے، ان کا گھوڑا جو قریب ہی بندھا ہوا تھا بدکنے لگا، وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا، وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بدکنے لگا، وہ پھر خاموش ہوئے تو وہ بھی ٹھہر گیا، وہ پھر تلاوت کرنے لگے تو گھوڑا پھر بدکا۔ اس کے بعد حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے پڑھنا چھوڑ دیا چونکہ ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا، انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں گھوڑا اسے کچل نہ ڈالے۔ انہوں نے سلام پھیر کر اپنے بیٹے کو اپنے پاس کھینچ لیا، انہوں نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو آسمان نظر نہ آیا (بلکہ ایک ابرسا نظر آیا جس پر چراغ جل رہے تھے) صبح کے وقت انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے، اے ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اپنے بیٹے یحییٰ کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کہیں گھوڑا اسے کچل ہی نہ ڈالے کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے بالکل قریب تھا، اس لیے میں نے ادھر خیال کیا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک عجیب قسم کی چھتری ہے جس میں بہت سے چراغ روشن ہیں، پس میں باہر آ گیا تو وہ سایہ ابر نہ دیکھ سکا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

۱۲۷۹۵۵



((وَتَدْرِي مَا ذَاكَ؟)) قُلْتُ: لَا، قَالَ: ((تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِيصَوْتِكَ،

وَلَوْ قَرَأْتَ لَا صَبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ))<sup>①</sup>

”تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟“ (حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے) کہا: نہیں۔ آپ نے

فرمایا: ”وہ فرشتے تھے جو تیری آواز سن کر تیرے قریب آگئے تھے اور اگر تم

پڑھتے رہتے تو صبح کے وقت لوگ انہیں دیکھتے اور وہ ان کی نظروں سے اوجھل

نہ ہو پاتے۔“

معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو روحانیت کا باعث ہے۔

روحانیت کی موجودگی شیطانیّت کو ختم کر دیتی ہے اور شیطانیّت کے ختم ہونے میں ہی ہماری

روح کا سکون ہے۔ وہ بندہ دنیا و آخرت میں نامراد ہے جس کا دوست شیطان ہو۔ اس

کے برعکس جس کے ہم نشین فرشتے ہوں اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی اور طمانیت ہی

طمانیت ہے۔ قرآن حکیم کی تلاوت سے فرشتوں کے نازل ہونے کی دلیل صحیح بخاری کی یہ

روایت بھی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا

وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَيَّ حَاجَتِكُمْ)) قَالَ:

((فِيحْفُونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا)) قَالَ: ((فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ،

وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، مَا يَقُولُ غِيَابِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ: يُسَبِّحُونَكَ

وَيُكَبِّرُونَكَ وَيُحْمَدُونَكَ وَيُجَدِّدُونَكَ)) قَالَ: ((فَيَقُولُ: هَلْ

رَأُونِي؟)) قَالَ: ((فَيَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ)) قَالَ: ((فَيَقُولُ:

وَكَيْفَ لَوْ رَأُونِي؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً،

وَأَشَدَّ لَكَ تَمَجِيدًا، وَتَحْمِيدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا)) قَالَ: ((يَقُولُ:

فَمَا يَسْأَلُونَنِي؟)) قَالَ: ((يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ)) قَالَ: ((يَقُولُ: وَهَلْ

① صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزول السکينة والملائكة عند قراءة القرآن، رقم: ۵۰۱۸



رَأَوْهَا؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا)) قَالَ: ((يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ)) قَالَ: يَقُولُ: ((وَهَلْ رَأَوْهَا؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا)) قَالَ: ((يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟)) قَالَ: ((يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً)) قَالَ: ((فَيَقُولُ: فَأَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ)) قَالَ: ((يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ - قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ))<sup>①</sup>

”اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو گلی کوچوں میں گشت کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں۔ جب انہیں ذکر الہی میں مصروف لوگ ملتے ہیں تو وہ اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہیں، ادھر آؤ تمہارا مطلوب حاصل ہو گیا۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ فرشتے جمع ہو کر ان لوگوں کو اپنے پروں سے آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”پھر ان کا پروردگار ان سے دریافت کرتا ہے، حالانکہ وہ خود ان سے زیادہ واقف ہے، میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح و تکبیر اور حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ اللہ ان سے فرماتا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں، اللہ کی قسم! انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ تیری عبادت کرتے، تیری حمد و ثنا اور تیری تسبیح و تقدیس نہایت لگن سے کرتے۔“ آپ نے فرمایا: ”پھر اللہ فرماتا ہے: انے فرشتو! وہ مجھ سے کس چیز

① صحیح البخاری، کتاب الدعوات باب، فضل ذکر اللہ عزوجل، رقم: ۶۴۰۸۔



کا سوال کرتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں، نہیں، انہوں نے نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ دیکھ لیتے تو اسے حاصل کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ اس کی خواہش کرتے اس میں رغبت کرتے ہوئے اس کے حصول کے لیے مزید کمر بستہ ہو جاتے، پھر اللہ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: تیری ذات کی قسم! انہوں نے جہنم کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر جہنم دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جہنم دیکھ لیتے تو اس سے بھاگتے، بے انتہا ڈرتے، پھر ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ان لوگوں کو میں نے معاف کر دیا ہے۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: ان ذکر کرنے والے لوگوں میں ایک شخص ذکر کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر وہاں گیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد نصیب نہیں ہوتا۔“

اس روایت میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ لائق توجہ ہے کہ ”فرشتے ان لوگوں کو جمع ہو کر آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں“ یعنی ایسی مجلس فرشتوں کے سایوں میں ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ ))<sup>①</sup>

① صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، رقم: ۲۷۰۰



”جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر طمانیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے پاس موجود لوگوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔“

غور فرمائیے! جس مجلس اور جن لوگوں پر خود رب تعالیٰ طمانیت اور رحمت کا نزول فرمائیں وہاں بے سکونی، اضطراب اور بے قراری کا وجود کیونکر رہ پائے گا؟ رحمت کے اندر ایک لطافت ہے۔ جب کہ گناہ کے اندر کثافت ہے، لطافت دل کے اندر بھی پاکیزگی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ ایسی پاکیزگی جو بے چینی کے نام و نشان کو مٹا دیتی ہے اور جب دل میں پاکیزگی ہو تو خیالات اور سوچ میں بھی پاکیزگی آ جاتی ہے۔ اس کی وضاحت نبی ﷺ نے بڑی پیاری مثال دے کر فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَأَلَّا تَرْجَحَ طَعْمُهَا طَيْبٌ وَرِيحُهَا طَيْبٌ وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيْبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيْبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا))<sup>①</sup>

”جو مومن قرآن کا قاری ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے اور جو مومن قرآن کا قاری نہیں، اس کی مثال کھجور کی سی ہے جس کا مزہ عمدہ ہے، لیکن اس کی خوشبو نہیں اور جو شخص گنہگار ہے لیکن قرآن کا قاری ہے اس کی مثال ریحان کی سی ہے کہ خوشبو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے اور جو شخص گنہگار ہے اور قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کے پھل جیسی ہے کہ مزہ بھی کڑوا ہے اور خوشبو بھی نہیں۔“

① صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب: فضل القرآن علی سائر الکلام، رقم: ۵۰۲۰



## فتنوں اور پریشانیوں سے بچاؤ کی خواہش

فتنے کا دوسرا نام آزمائش ہے۔ آزمائش میں ثابت قدمی بندے کو کندن بنا دیتی ہے۔ لیکن آزمائش میں بندے کے ڈمگانے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ فتنہ کیا ہے؟ بندے کا بیٹھے بٹھائے کسی مسئلے میں گرفتار ہو جانا اور جب بندہ کسی ایک مسئلے میں گرفتار ہوتا ہے تو اس سے کئی قسم کی مزید الجھنیں جنم لے لیتی ہیں اور ان الجھنوں اور پریشانیوں کی وجہ سے بعض دفعہ بندے کا دین بھی سلامت نہیں رہتا، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعْفَ الْجِبَالِ  
وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ))<sup>①</sup>

”وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات کی طرف نکل جائے گا اور فتنوں سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے دین کو بچالے گا۔“

یہاں فتنہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان گمراہ ہو کر اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے غافل ہو جائے۔ اس دور میں ایسے فتنوں کا ہجوم ہے جو دین سے بے زاری اور گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ایسے فتنوں سے بچاؤ کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ بندہ نماز روزہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ حلال روزی کا اہتمام کرے۔ اگر انسان میں ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کی علمی، عملی اور اخلاقی قوت ہو تو ان کی روک تھام میں کوشش کرنا افضل کام ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ زمانہ جیسے جیسے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ترقی کی منازل کو چھو رہا ہے، روشنی نما جہالت اور فتنے بھی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خود اس کی نشاندہی فرمائی ہے:

① صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، رقم: ۱۹



((يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيُظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتْنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ فَحَرَفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ))<sup>①</sup>

”آئندہ زمانے میں علم اٹھالیا جائے گا، جہالت اور فتنے غالب ہوں گے اور ”ہرج“ زیادہ ہوگا“ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح ترچھا اشارہ فرمایا، گویا آپ کی مراد قتل تھی۔“

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آئندہ زمانے میں مزید فتنے ہوں گے، یعنی مسائل بڑھتے چلے جائیں گے، علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت بڑھتی جائے گی۔ جبکہ آج اگر ہم دنیا میں نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ موجودہ دور ترقی اور روشن خیالی کا دور ہے۔ سائنس ترقی کی بلندیوں کو چھو رہی ہے اور آئندہ اور بھی ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کا زمانہ ہوگا۔ پھر آپ ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوا؟ درحقیقت علم کے اٹھ جانے سے مراد دین و شریعت کا علم اٹھ جانا ہے۔ جب یہ علم اٹھ جائے گا تو روشنی نما جہالت بڑھتی جائے گی۔ اس لیے کہ شریعت کا علم بندے کے دل میں ایمان کی شمع روشن کرتا ہے۔ ایمانی حرارت سے روحانیت ترقی پاتی ہے اور روحانیت بڑھنے سے بندے کا رشتہ نماز، قرآن اور مسجد سے مضبوط ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ سے تعلق میں بیضوبی آتی ہے اور سب کا رشتہ جب معبود سے استوار ہوتا ہے تو فتنے اور آزمائشیں یا تو ویسے ہی ختم ہو جاتی ہیں یا پھر رب تعالیٰ بندے کو آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور جب دینی علم بندے کے پاس نہ ہو، شریعت سے اس کا رشتہ کمزور ہو تو ڈاکٹریا انجینئر یا اور کسی فن میں ممتاز ہونے کے باوجود اس کا سینہ ایمانی روشنی سے محروم اور جہالت کا گھر بنا رہتا ہے۔ بندہ باہر سے اپنے فن میں یکتا اور ممتاز ہوتا ہے اور اندر سے دینی روشنی سے محروم ہونے کے باعث جاہل ہوتا ہے۔ اسی جہالت کی بدولت وہ دین کو لایعنی چیز خیال کرتے ہوئے اپنی دھن میں مگن رہتا ہے۔ جیسے بے پردگی، موسیقی، فلم بنی وغیرہ اور خود کو روشن خیال کہتا ہے، جبکہ اندر سے گھن زدہ اور

① صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما اجاب الفقیہا باشارة الراس والید، رقم: ۸۵



کھوکھلا ہوتا ہے، وہ شیطانی کام کرتا ہے اور اسے جدت پسندی کا نام دیتا ہے۔ اسے علم نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس کے لیے فتنوں کے دروازے کھول رہی ہیں۔ پس فتنوں سے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ بندے کا رشتہ رب تعالیٰ سے جڑا رہے اور وہ فتنوں سے باری تعالیٰ کی پناہ کا طلبگار رہے۔ نبی ﷺ اور آپ کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ کے خواستگار رہتے۔ جیسا کہ ذیل کی روایت سے واضح ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمًا حَتَّى أَتَى ذِكْرَ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَرَأَاهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: ((وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ)) قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ. ①

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر کرنے لگے کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمار کو دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمانے لگے: ”عمار کو ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ انہیں جہنم کی دعوت دیں گے۔“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق آئندہ آنے والی مصیبت کا پتہ تھا۔ انہوں نے اس آنے والی پریشانی کو فتنہ سے تعبیر کیا۔ ہر وہ پریشانی جو بندے کے لیے دین کے اعتبار سے امتحان بن جائے وہ فتنہ ہے۔ تو فتنہ سے بچاؤ کی درخواست رب تعالیٰ کے حضور کرتے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ابتلاء و آزمائش بندے کو بعض دفعہ کفر تک پہنچا

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب: التعاون فی بناء المسجد، رقم: ۴۴۷



دیتی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتْنٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بِعَرَضِ الدُّنْيَا))<sup>①</sup>

”قیامت کے قریب ایسے فتنے واقع ہوں گے جو اندھیری رات کی طرح ہوں گے۔ ان میں انسان صبح مومن ہوگا تو شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر ہو جائے گا اور لوگ تھوڑے سے مال کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالیں گے۔“

آدمی کے کافر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کفریہ کاموں کا ارتکاب کرے گا اور اللہ کی حرمت کو پامال کرے گا۔ جیسا کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا قَالَ يُصْبِحُ مُحَرَّمًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعَرَضِهِ وَمَالِهِ وَيُمْسِي مُسْتَحِلًّا لَهُ وَيُمْسِي مُحَرَّمًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعَرَضِهِ وَمَالِهِ وَيُصْبِحُ مُسْتَحِلًّا لَهُ<sup>②</sup>

”صبح مومن ہوگا، شام کو کافر ہو جائے گا کہ صبح کو اپنے بھائی کی جان، مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا، لیکن شام کو حلال سمجھنے لگے گا اور اسی طرح شام کو حرام سمجھتا ہوگا تو صبح حلال سمجھنے لگے گا۔“

جان و مال اور عزت کے اعتبار سے یہ فتنے ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔ حلال و حرام کے پیمانے اپنے ہی وضع کیے جا رہے ہیں۔ طاقت کا نشہ حرص و ہوس کی خواہشات کو بڑھا رہا ہے۔ غربت کا احساس چوری، ڈکیتی اور رہزنی جیسی برائیوں کو جنم دے رہا ہے۔ ایسے میں عبادات و مذہب سے رشتہ جوڑنا بندے کے لیے سب سے بڑا تحفظ ہے۔

① (صحیح) جامع الترمذی، ابواب الفتنہ، باب ما جاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم، رقم:

۲۱۹۷ ② جامع الترمذی، ابواب الفتن باب مذکور، رقم: ۲۱۹۸



فتنے بندے کے اعمال کا نتیجہ ہی ہوتے ہیں، جو گھروں میں غیر محسوس طریقہ سے داخل ہو کر آزمائش بن جاتے ہیں۔ نیکی کی قوتیں اگر بندے کے ہم رکاب ہوں تو ان فتنوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيَّ عَلَى أَطْمِ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: ((هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟، إِنِّي لَأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ))<sup>①</sup>

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے کسی ٹیلے پر چڑھے تو فرمایا: ”کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ بے شک میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے مقامات اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کا قطرہ گرنے کی جگہ نظر آتی ہے۔“

فتنے غیر محسوس طریقہ سے ایک نہ دکھائی دینے والے وجود کی طرح گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بیماریاں نہ دکھائی دینے والے وجود ہیں کہ جب بیماریاں حملہ آور ہوتی ہیں تو جسم میں شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب بیماری کے اسباب ڈھونڈے جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ بیماری آدمی کی اپنی کوتاہیوں اور بد پرہیزیوں کا نتیجہ تھی، بالکل ایسے ہی فتنے بھی بندے کی اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں کی کمائی ہوتے ہیں۔

### فتنوں سے بچاؤ کے لیے تدابیر

الجھنوں اور فتنوں سے نجات کے لیے ہمارے لیے مذہب کے دامن میں وسیع راہنمائی موجود ہے۔ فتنوں سے بچاؤ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی پیاری راہنمائی فرمائی ہے۔ اس ضمن میں چند روایات درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی پناہ میں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینة، باب: آطام المدینة، رقم: ۱۸۷۸



(( مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا يَتَّبِعُنَّكَ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذِمَّتِهِ ))<sup>①</sup>

”جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی پناہ میں ہے۔ لہذا ایسا نہ ہو کہ اللہ کی پناہ توڑنے کے جرم میں وہ تمہارا مواخذہ کرے۔“

فجر کی نماز ادا کرے سے جہاں بندے کو دن بھر کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مل جاتی ہیں وہاں بہت حد تک شیطانی اثرات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور بندے کی طبیعت پر بھی اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( يَعْقُدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ ثَلَاثَ عُقَدٍ إِذَا نَامَ بِكُلِّ عُقْدَةٍ يَضْرِبُ عَلَيْكَ لَيْلًا طَوِيلًا فَإِذَا اسْتَقَيْظَ فَذَكَرَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَإِذَا تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عَنْهُ عُقْدَتَانِ فَإِذَا صَلَّى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسَلَانًا ))<sup>②</sup>

”تم میں سے جب کوئی سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گردن پر تین گرہیں لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر پھونک مارتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے۔ پھر جب کوئی بیدار ہوا اور اس نے اللہ کو یاد کیا تو ایک گرہ کھل گئی اور جب وضو کیا تو دو گرہیں کھل گئیں اور جب نماز پڑھی تو سب گرہیں کھل گئیں۔ پھر وہ صبح کو ہشاش بشاش خوش مزاج اٹھتا ہے، ورنہ گندہ دل سست ہو کر اٹھتا ہے۔“

## ۲۔ نماز تہجد کی ادائیگی

تہجد کے وقت دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ خود اعلان فرماتے ہیں

① (صحیح) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب من صلی الصبح فهو فی ذمۃ اللہ عزوجل: ۲۱۶۴

② صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب فیمن نام اللیل أجمع حتی أصبح، رقم ۷۷۶



کہ بندو! میں تمہاری فریادری کے لیے اس وقت آسمان دنیا پر موجود ہوں، کون ہے جو اپنی جھولی کو رحمتوں سے بھرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے دامن کو پھیلائے تہجد کی ادائیگی فتنوں سے بچاؤ میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کا ثبوت صحیح بخاری کی یہ روایت ہے:

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: (سُبْحَانَ

اللَّهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَيْقَظُوا صَوَاحِبَ

الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ))<sup>①</sup>

”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک رات

بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل کیے گئے اور کتنے

خزانے کھولے گئے ہیں۔ ان حجروں میں سونے والیوں کو جگاؤ کیونکہ دنیا میں

بہت سی کپڑے پہننے والی ایسی ہیں جو آخرت میں برہنہ ہوں گی۔“

نبی ﷺ نے اس روایت میں دو چیزوں کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا۔ ایک فتنوں

کے نزول کا اور دوسرا خزانوں کے نازل ہونے کا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”ان حجروں

میں سونے والیوں کو جگاؤ“۔ کیا مطلب.....؟ اگر کوئی رب تعالیٰ کی جانب سے نازل

ہونے والے خزانوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس وقت بیدار ہو اور رب کے

سامنے پیشانی رگڑے، اس کے حضور آنسو بہائے اور تہجد کی ادائیگی کرے اور اگر کوئی فتنوں

سے بچنا چاہے تو اسے بھی چاہیے کہ اس وقت اٹھ کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و انکساری

کے ساتھ جھکے اور گڑگڑائے، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اس کے وجود پر جھوم کر برس

اٹھے گی اور اس کی کوتاہیوں اور اعمال کی سیاہیوں کو دھو دے گی۔ یہ جو پاپ ہوتے ہیں

ہمارے دل کو سیاہ اور سینے کو اندھیرا کر دیتے ہیں اور ہم سے عبادات کی لذت اور دعائے نیم

شبی کا شوق چھین لیتے ہیں، ہمیں مسجد و محراب سے دور کر کے شیطانی گمراہیوں کے قریب

کر دیتے ہیں اور یہی گمراہیاں ہمارے لیے فتنہ بن جاتی ہیں۔ ان سب چیزوں کا علاج

① صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: العلم والعظة باللیل، رقم ۱۱۵



انابت الی اللہ میں ہے اور اللہ سے تعلق جوڑنے کے لیے ہمیں اللہ کے سامنے جھک کر ندامت کے آنسو گرانا ہوں گے اور یہی ندامت کے آنسو حقیقت میں رحمت الہی کے لیے اپیل اور مضبوط درخواست بن جاتے ہیں۔

### چاشت کی چار رکعتوں سے دن بھر کے لیے اللہ کی مدد

حضرت ابو درداء اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(( يَا ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِي مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَرْبَعَ رُكُوعَاتٍ أَكْفِيكَ آخِرَةَ ))<sup>①</sup>

”اے ابن آدم تو میرے لیے شروع دن میں چار رکعت ادا کر لے میں اس

دن کے آخر تک تیرے لیے کفایت کروں گا۔“

غور کیجیے! جب صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کے شامل حال ہو تو

شیطان اس کے دین و ایمان کا نقصان نہیں کر سکتا اور نہ وہ بندہ دنیاوی معاملات میں

نقصان اٹھا سکتا ہے۔

① (صحیح) سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الضحی، رقم: ۴۷۵؛ ارواء الغلیل



## نقصانات سے بچاؤ کی خواہش

نقصان کا لغوی معنی کمی ہے۔ مال کا کم ہو جانا، مال کا نقصان ہے۔ عزیزوں کا فوت ہو جانا، جان کا نقصان ہے۔ دشمنوں کا مسلط ہو جانا امن کا نقصان ہے۔ امراض کا لاحق ہو جانا صحت کا نقصان ہے۔ غرض کسی بھی چیز کے کم ہونے کو نقصان کہتے ہیں۔ بندے کو نقصانات کا ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا ہے۔ جب سے نسل انسانی کا آغاز ہوا ہے، تب سے یہ نقصانات و فوائد انسانی زندگی کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ فوائد کے حصول اور نقصانات سے بچاؤ کی تدابیر میں لگا رہتا ہے اور یہی تدابیر کرتے کرتے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور پھر دنیا کی کمائی پر آخرت کے فوائد و نقصانات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے نقصان کا علاج مالک کی رضا میں ڈھونڈا۔ سیدنا یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں قید ہوئے تو آزادی جاتی رہی، بیوی بچوں سے دور ہو گئے، انسانوں سے دور پانی کی تاریکیوں میں بے یار و مددگار تھے، تو اس کا علاج انہوں نے اللہ کے ذکر میں ڈھونڈا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مچھلی والے پیغمبر کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں ان الفاظ سے مانگی:

((لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ))<sup>①</sup>

”اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے تھا۔“

جو بندہ بھی ان کلمات کے ساتھ اللہ سے دعا کرے گا اللہ اسے پورا کر دے گا۔“

حضرت یونس علیہ السلام نے جب ان الفاظ کے ساتھ رب تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام نقصانات کی تلافی فرمادی۔ انسان کو نقصان پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک نقصان

① (صحیح) جامع الترمذی، ابواب الدعوات، باب فی دعوة ذی النون..... رقم: ۳۵۰۰



ایسا ہے جو بندے کے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے، یعنی اس کے برے اعمال کی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ اس سے نجات کا طریقہ تو یہی ہے کہ اعمال بد سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے اور دوسرا نقصان بندے کے ایمان کو جانچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور امتحان ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ

الشَّرَاتِ ط وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۝﴾<sup>①</sup>

”اور ہم ضرور کسی قدر خوف، بھوک، جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو۔“

ایسے نقصانات بندے کے ایمان کا امتحان ہوتے ہیں، اگر آدمی عبادات سے رشتہ جوڑے رکھے اور اس تنگی میں بھی خالق حقیقی کی محبت کا دم بھرتا رہے تو جلد ہی یہ امتحان ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا و خوشنودی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اور عبادات میں سستی کرنے لگے تو نہ صرف نقصان کا دائرہ مزید بڑھ جاتا ہے بلکہ وہ اللہ کی نظر رحمت سے بھی دور ہو جاتا ہے۔

عزت میں کمی کا رجوع الی اللہ سے ازالہ

اس کی ایک مثال وہ روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے پہلی اُمتوں میں سے ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا جس کا نام جریج تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ جُرَيْجٌ، كَانَ يُصَلِّي جَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ، فَقَالَ: أُجِيبُهَا أَوْ أَصَلِّي، فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ لَا تُمِتَّهُ حَتَّى تَرِيَهُ وَجُوهَ الْمُؤْمِسَاتِ، وَكَانَ جُرَيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ أُمْرَأَةٌ

① البقرة: ۱۵۵



وَكَلَّمَتْهُ فَابْي فَآتَتْ رَاعِيًا فَأَمُكِّنْتُهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقَالَتْ:  
مِنْ جُرَيْجٍ فَآتَوْهُ فَكَسَرُوا صَوْمِعَتَهُ وَأَنْزَلُوهُ وَسَبُّوهُ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى ثُمَّ  
أَتَى الْغُلَامَ فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ يَا غُلَامُ؟ قَالَ الرَّاعِي، قَالُوا: نَبِيُّ  
صَوْمِعَتِكَ مِنْ ذَهَبٍ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ طِينٍ))<sup>①</sup>

’بنی اسرائیل میں جرج نامی ایک شخص تھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ  
آئیں اور اسے بلایا جرج نے دل میں سوچا کہ نماز پڑھوں یا والدہ کو جواب  
دوں (آخر اس نے جواب نہ دیا) اس کی ماں نے بددعا دی اور کہا اے اللہ!  
یہ اس وقت تک نہ مرے جب تک تو اسے زنا کار عورتوں کی صورت نہ دکھا  
دے۔ پھر ایسا ہوا کہ جرج اپنے عبادت خانہ میں تھا۔ ایک فاحشہ عورت آئی  
اور اس نے بدکاری کے متعلق گفتگو کی لیکن جرج نے انکار کر دیا۔ وہ ایک  
چرواہے کے پاس گئی اس سے منہ کالا کیا اور ایک بچہ جنا اور یہ کہہ دیا کہ بچہ  
جرج کا ہے۔ لوگ جرج کے پاس آئے اور اس کے عبادت خانہ کو توڑ پھوڑ  
دیا۔ اسے نیچے اتارا اور خوب گالیاں دیں۔ جرج نے وضو کیا، نماز پڑھی پھر  
اس بچے کے پاس آ کر کہا: تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا ”چرواہا“ یہ حال  
دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ہم تیرا عبادت خانہ سونے کی اینٹوں سے بنا دیتے  
ہیں۔ اس نے کہا نہیں مٹی سے ہی بنا دو۔“

اس واقعہ میں ہمارے لیے ایک درس موجود ہے کہ جب بھی بندہ عزت و وقار میں کمی  
محسوس کرے تو جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور اس امتحان سے  
نکلنے کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے اور اس راستے تک رسائی صرف اسے  
حاصل ہوگی جو تلملانے کی بجائے صبر و ضبط اور رجوع الی اللہ سے کام لے گا۔

① صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: قول اللہ واذکر فی الكتاب مریم اذا تبتذت من

اہلہا، رقم: ۳۴۳۶۔



## حصولِ برکات کی خواہش

برکت ایک نہ دکھائی دینے والی قوت ہے جو نفع بخش چیزوں کے فوائد کو مزید بڑھا دیتی ہے۔ اس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ برکت کے معنی و مفہوم سے کوئی آدمی آشنا ہو یا نہ ہو، لیکن اتنا ضرور جانتا ہے کہ برکت ایک نفع بخش چیز ہے۔ اسی لیے تقریباً ہر آدمی مال و جان اور اولاد میں برکت چاہتا ہے اور ان چیزوں میں برکت کے لیے دعائیں بھی مانگتا ہے۔ جب ہمیں اس بات کا علم ہے کہ برکات کا نزول رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں پر برکتوں کا نزول فرماتے ہیں اور کون سے اعمال ان برکتوں کے نزول کا سبب بنتے ہیں اور یقیناً ایسے اعمال انتہائی قیمتی ہیں جن کی وجہ سے رحمت الہی کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور انسان کی تمام محتاجگیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ان اعمال کی معرفت سے پہلے برکت کے مفہوم سے آشنائی کے لیے چند ایسی مثالیں درج کی جا رہی ہیں جن سے برکتوں کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

### کاروبار میں برکت:

اس ضمن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الشریکۃ“ میں یہ روایت نقل کی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هِشَامٍ رضی اللہ عنہ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايِعْهُ، فَقَالَ: (هُوَ صَغِيرٌ) فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ۔ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ، فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَيَقُولَانِ لَهُ أَشْرِكْنَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيَشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبِعْتُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ))<sup>①</sup>

① صحیح البخاری، کتاب الشریکۃ، باب الشریکۃ فی الطعام وغیرہ، رقم: ۲۵۰۱



”حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے، ان کی والدہ زینب بنت حمید رضی اللہ عنہا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اس سے بیعت لیجیے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ابھی یہ چھوٹا بچہ ہے، آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی وہ اکثر بازار جا کر غلہ خریدا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما ان سے ملتے تو کہتے کہ ہمیں بھی شریک کر لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے برکت کی دعا کی ہے چنانچہ وہ ان کو شریک کر لیتے اکثر اوقات پورا پورا اونٹ حصہ میں آتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ہشام کے لیے برکت کی دعا کی تھی اس لیے کاروبار میں ان کا نفع دوچند ہو گیا۔ اگرچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا، لیکن اس سے برکت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے کہ کاروبار کے اندر نفع کی شرح کا بڑھ جانا بھی برکت ہے۔

وہ مٹی بھی خرید لیتے تو نفع ہوتا

حضرت عروہ بارتی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِهَا شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوْ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ ①

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک اشرفی دی تاکہ وہ اس سے آپ کے لیے بکری خریدیں۔ انہوں نے اس کے عوض آپ کے لیے دو بکریاں خرید لیں۔ پھر ایک بکری ایک اشرفی میں فروخت کر دی اور آپ کے پاس ایک بکری اور ایک

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: ۲۸، رقم: ۳۶۴۲



اشرفی لے آئے۔ آپ نے ان کے لیے ان کی خرید و فروخت میں برکت کی دعا کی۔ چنانچہ پھر وہ اگر مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی انہیں نفع ہوتا۔“

یہ بھی کاروبار میں برکت کی مثال ہے کہ عروہ بارتی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا دی تو ان کے لیے تمام کاروبار موم ہو گئے اور عروہ بارتی رضی اللہ عنہ نے کوشش اور عمل کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت کی دعا لی۔ غور فرمائیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اشرفی دی تھی کہ اس سے بکری خرید لاؤ۔ وہ ایک بکری خرید لاتے تو تمیل حکم کا تقاضہ پورا ہو جاتا، لیکن انہوں نے اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لیے کوشش سے ایک ایسا عمل کیا جو لائق توجہ تھا اور بالآخر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کر لی اور برکتوں کے تمام خزانے رب تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اگر بندہ ان خزانوں سے خود پر بارش چاہتا ہے تو اسے کوشش و جہد سے رب تعالیٰ کو راضی کرنا ہوگا۔ اگر محبوب حقیقی راضی ہو گیا تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

چند کھجوریں سالوں ختم نہ ہوئیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اتيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم بتمرات فقلت يا رسول الله ادع الله فيهن بالبركة فضمهن ثم دعالي فيهن بالبركة فقال لي: ((خذهن فاجعلهن في مزودك هذا اوفى هذا المزود كلما اردت ان تاخذ منه شيئا فادخل يدك فيه فخذة ولا تنثره نثرا فقد حملت من ذلك التمر كذا وكذا من وسقي في سبيل الله وكنا ناكل منه ونطعم وكان لا يفارق حقوي حتى كان يوم قتل عثمان فانه انقطع))<sup>①</sup>

”ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لایا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع کر کے میرے لیے دعا کی اور فرمایا: لو پکڑو اور اسے اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جب تم لینا چاہو تو

① (حسن) جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب: مناقب ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۸۳۹



ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور اسے جھاڑنا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں سے کتنے ہی ٹوکے اللہ کی راہ میں خرچ کیے پھر خود بھی اس سے ہم کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے اور وہ تھیلی کبھی میری کمر سے جدا نہیں ہوتی تھی۔ لیکن جس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اس روز وہ گر گئی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۲۵ سال تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس تھیلے سے کھجوریں کھاتے بھی رہے، کھلاتے بھی رہے اور صدقہ بھی کرتے رہے۔ یہ برکت ہے کہ چھوٹا سا تھیلا ہزاروں من کھجوروں پر محیط ہو گیا۔ ثابت ہوا کہ کاروبار میں نفع کا بڑھ جانا، کھانے کا کثیر ہو جانا یا کوئی نقصان دیئے بغیر ہضم ہو کر جزو بدن بن جانا سب برکات کی قسمیں ہیں۔

### وہ اعمال جن سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے

وہ اعمال جو برکتوں کے نزول کا سبب بنتے ہیں، انہیں اختیار کر کے ہم اپنے لیے آسانیوں کے دروازے کھول سکتے ہیں۔ ذیل میں مختصر طور پر ایسے اعمال کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

### تقویٰ:

برکات کے حصول میں سب سے بڑا عمل تقویٰ ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے

زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١﴾

”اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و

زمین سے برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے

کاموں کی وجہ سے پکڑ لیا۔“



تقویٰ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

(( لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ ))<sup>①</sup>

”بندہ اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ہر اس کام کو نہ چھوڑ دے جو اس کے سینے میں کھٹکتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تقویٰ کے حوالہ سے درحقیقت نبی ﷺ کے اس فرمان کی تفسیر کی ہے جس میں ہے:

(( وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ ))<sup>②</sup>

”اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو تو ناپسند کرے۔“

یعنی تقویٰ سینے میں کھٹکنے والے ہر گناہ کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے اس کی حرام کردہ چیزوں اور شبہ والے کاموں کو چھوڑنا ہی تقویٰ کا حسن ہے۔ اس ضمن میں نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی کس قدر واضح ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(( الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتَرَكَ، وَمَنْ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشْكُ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ أَوْ شَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِي حِمَى اللَّهِ، مَنْ يَرْتَعِ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ ))<sup>③</sup>

”حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ شبہ کی چیزیں ہیں جس شخص نے اس چیز کو ترک کر دیا جس میں گناہ کا شبہ ہو تو وہ اس چیز کو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دے گا جس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اور جس نے شبہ کی چیز پر

① صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: بنی الاسلام علی خمس، تعلیقا، قبل الحدیث رقم: ۸

② صحیح مسلم، کتاب البر والصلاة والآداب، باب: تفسیر البر والایثم، رقم: ۲۰۵۳

③ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب: الحلال بین والحرام بین و بینہما مشبہات، رقم: ۲۰۵۱



جرات کی تو وہ جلد ہی ایسی بات میں مبتلا ہو سکتا ہے جس کا گناہ ہونا ظاہر ہے، گناہ گویا اللہ کی چراگاہ ہیں جو اپنے جانور چراگاہ کے ارد گرد چرائے گا جلد ہی اس کا چراگاہ میں پہنچنا ممکن ہوگا۔“

یوں سمجھ لیں کہ تقویٰ دنیا کے بازار سے اپنے دامن کو گناہوں سے یوں سمیٹ کر گزرنے کا نام ہے جس طرح ایک بندہ خاردار جھاڑیوں میں گزرنا چاہے تو اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر گزرتا ہے کہ کہیں کوئی کانٹا اس کے کپڑوں کو خراب نہ کر دے۔ صرف زبان سے کلمہ طیبہ کا اقرار کر کے بندہ متقین میں شمار نہیں ہو سکتا، جب تک سارے جسم کو مسلمان نہ کر لے، بقول اقبال۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل  
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور جب دل و نگاہ مسلمان ہو جائیں تو اللہ کی برکات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے ہر مصیبت اور پریشانی سے نکلنے کا راستہ بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾<sup>①</sup>

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ بعض جگہوں کا تو آدمی کو پتہ ہوتا ہے کہ وہاں سے اسے رزق ملے گا، یعنی اسے اپنے تمام ذرائع آمدن کا پتہ ہے اور جب بندہ تقویٰ اختیار کر لیتا ہے تو رب تعالیٰ اپنی برکتوں کا نزول اس انداز سے فرماتے ہیں کہ بندے کے لیے اس کے معلوم و متعین مقامات کے علاوہ نامعلوم ذرائع سے بھی رزق کی فراہمی کا انتظام فرمادیتے ہیں۔

① الطلاق: ۲، ۳



## رحمت الہی کے حصول کی خواہش

رحمت ایک ایسا جوہر ہے جو محبت و شفقت اور نرم دلی و مہربانی سے مرکب ہے اور اس کا نزول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جرائم کو نظر انداز کر کے عنایات کے دامن کو وسیع کر دیا گیا ہے۔ غلطیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں سے صرف نظر کر دیا گیا ہے، برکت اور رحمت میں ایک لطیف سا فرق یہ بھی ہے کہ برکت کے معنی میں فائدہ بخش قوت کے بڑھ جانے کا مفہوم شامل ہے۔ جبکہ رحمت میں کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کا مفہوم شامل ہے تو اس اعتبار سے رحمت و برکت کے نزول کا مطلب یہ ہوگا کہ بندے کے سابقہ گناہوں اور جرائم کو معاف کرتے ہوئے اس کے لیے نفع بخش قوتوں کے فوائد کو مزید بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے دنیا کے سب سے پہلے انسان نے اپنی پہلی لغزش پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی اپیل کی تو ساتھ رحم کرنے کی درخواست بھی ان الفاظ میں کی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ۖ وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾<sup>①</sup>

”اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم

پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

آدم علیہ السلام کا معافی مانگنے کے ساتھ رحم کی التجا کرنا اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ

معافی کے ساتھ رحمت کو ایک خاص مناسبت ہے۔ یہی مناسبت درج ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾<sup>②</sup>

② الزمر: ۵۳

① العراف: ۱۲



”(اے نبی!) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔“

یعنی جن لوگوں نے گناہ کیے، اپنی جانوں پر زیادتی کی وہ رحمت الہی سے مایوس نہ ہوں، اس کی رحمت کا ظہور ہو تو سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں بطور خاص نبی ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ بارگاہ الہی میں رحم کی اپیل کرتے رہا کریں اور اس آیت میں آپ کے ذریعہ سے تعلیم درحقیقت پوری امت مسلمہ کو دی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ۝﴾<sup>①</sup>

”اور کہیے کہ اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔“

اللہ اپنی رحمت میں کیسا ہے، اس ضمن میں درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِنَّ لِلَّهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلَى وَلَدِهَا وَآخَرَ اللَّهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))<sup>②</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک رحمت جنوں، آدمیوں اور جانوروں میں نازل فرمائی ہے۔ اسی ایک رحمت کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے سے شفقت کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی شفقت کی وجہ سے جانور اپنے بچے سے محبت کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر

① المؤمنون: ۱۱۸ ② صحیح مسلم، کتاب التوبۃ وقبولہا وسعة رحمة الله عزوجل، باب: فی سعة

رحمة الله وانها تغلب غضبه، رقم: ۲۷۵۲



رکھیں ہیں جن کے ساتھ قیامت کے روز وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔“  
 دنیا میں محبت و شفقت کا جو بھی مادہ نظر آتا ہے اس کے پس پردہ رب تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والا صرف ایک حصہ کار فرما ہے۔ حالانکہ وہ حصہ ساری نسل انسانی اور تمام مخلوقات پر تقسیم کیا گیا ہے اور اندازہ کیجیے وہ رب اپنی رحمت میں کیسا ہوگا جس کے پاس ننانوے درجے رحمت کے ہیں۔ اگر کافر کو بھی اس رحمت کا اندازہ ہو جائے تو وہ بھی جنت کی امید لگا بیٹھے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمَعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ وَلَوْ

يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ))<sup>①</sup>

”اگر مومن کو معلوم ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی

جنت کی امید نہ رکھے اور اگر کافر کو معلوم ہو جو اللہ کے پاس رحمت ہے تو اس کی

جنت سے کوئی بھی نا امید نہ ہو۔“

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس چیز کو اپنے ذہن میں رکھے کہ رب تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اس کی پکڑ بھی شدید ہے۔ اللہ کی وسیع رحمت کو گناہ کے لیے بہانہ نہ بنائے، بلکہ رب تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس کی رحمت کا انتہائی امیدوار رہنا چاہیے۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یقیناً لامحدود ہے۔ لیکن یہ ان کے حصہ میں آتی ہے جو اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ آدمی اپنے اعمال سے رب تعالیٰ کی رحمتوں کا حقدار بنتا ہے۔ عمل نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں۔ وہ زندگی جس میں بندگی نہ ہو وہ شرمندگی ہے۔ بندے کی شخصیت کا حسن بھی اعمال ہی ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کا تاریک پہلو بھی اس کے اعمال ہی ہیں۔ اس ضمن میں صحیح بخاری کی یہ روایت کس قدر واضح ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

① صحیح مسلم، کتاب التوبة و قبولها وسعة رحمة الله عزوجل، باب: فی سعة رحمة الله تعالیٰ

وانها سبقت غضبه، رقم: ۲۷۵۵



((أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانٍ فَابْتَعَثَانِي، فَانْتَهَيْتَنِي إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبْنِ ذَهَبٍ  
وَلَبْنِ فِضَّةٍ، فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ: شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ، كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَأَيْتَ،  
وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَأَيْتَ، قَالَا لَهُمْ: إِذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهْرِ،  
فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا، قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي  
أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَا لِي: هَذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ، وَهَذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَا: أَمَّا الْقَوْمُ  
الَّذِينَ كَانُوا شَطْرًا مِنْهُمْ حَسَنًا، وَشَطْرًا مِنْهُمْ قَبِيحًا، فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا  
صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا، تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهُمْ))<sup>①</sup>

”آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے اور مجھے ایک مکان میں لے گئے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ وہاں ہمیں کئی ایسے آدمی ملے جن کا آدھا بدن تو نہایت خوبصورت اور باقی آدھا انتہائی بدصورت تھا۔ پھر ان فرشتوں نے ان سے کہا اس ندی میں گھس جاؤ تو وہ اس میں گھس گئے۔ پھر وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور انتہائی خوبصورت ہو گئے۔ ان فرشتوں نے مجھ سے کہا یہ جنت عدن ہے اور تمہارا مسکن بھی یہیں ہے۔ پھر کہنے لگے کہ آپ نے جن کا آدھا بدن خوبصورت اور باقی آدھا بدصورت دیکھا وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں) اچھے اور برے سب طرح کے کام کیے۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں معاف کر دیا۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھے یا برے اعمال کا بندے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔ اس کا اچھا یا برا عمل رب تعالیٰ کے قرب میں بھی فرق ڈالتا ہے اور اعمال کا جہاں میزانِ عمل میں وزن ہوگا وہاں بندے کی شخصیت میں بھی اعمال کا وزن ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت صحیح بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

① صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب: قوله تعالى وء اخرون اعترفوا بذنوبهم، رقم: ۴۶۷۴



((إِنَّهُ كَيِّتِي بِالرَّجُلِ الْعَظِيمِ السَّمِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، وَقَالَ: اقْرُؤُوا إِن شِئْتُمْ: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ ①))  
 ”قیامت کے دن ایک بہت فربہ شخص لایا جائے گا اور ایک مچھر کے پر برابر اس کی قدر نہ ہوگی اور فرمایا اگر چاہو تو پڑھ لو ”قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو کچھ وزن نہیں دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ اعمال کا بندے کی شخصیت کے حسن سے بھی تعلق ہے اور اس کے وزن سے بھی اور اعمال اگر برے ہیں تو اس کی شخصیت میں حسن بھی نہیں ہے اور وزن بھی نہیں۔ اس ساری بحث کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت گھنگھور گھٹا بن کے اسی کے وجود پر برستی ہے جس کے اعمال اچھے ہیں۔ فرمایا:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ②

”بلاشبہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔“

آج اللہ کی رحمتیں ہم سے اس لیے روٹھ گئی ہیں کہ ہمارا نیکی سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ اگر ٹوٹا نہیں تو کمزور ضرور پڑ گیا ہے۔ مسجد اور نماز سے رشتہ کمزور ہو گیا ہے، دل میں گناہ کی محبت سما گئی ہے اور کیفیت وہی ہو گئی ہے کہ ۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم رحمت کا حصول چاہتے ہیں لیکن وہ اعمال نہیں کرنا چاہتے جو رحمتوں کا باعث ہیں۔ بالکل اس آدمی کی طرح جو دریا کنارے کھڑا ہے اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے چاہتا ہے کہ پانی خود ہی اس کی پیاس کو بجھا دے۔ یاد رکھیے! خواہش کی تکمیل کے لیے عمل ضروری ہے اگر عمل کے لیے قدم نہ بڑھایا تو خواہش کبھی پوری نہ ہوگی بلکہ وہ حسرت میں بدل جائے گی۔

① صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب: قوله تعالى اولئك الذين كفروا بايات ربهم ولقاءه، رقم: ۴۷۲۹

② الاعراف: ۵۶



## وہ اعمال جن سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں

اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مسجد سے رشتہ استوار کر لینے پر اللہ کی رحمتیں بندے کے وجود کو گھیر لیتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ بلکہ مسجد سے رشتہ جس قدر مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہی قرب رحمتِ الہی کا باعث ہے۔ اس ضمن میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی رحمتوں والے کتنے ہی اعمال کا تعلق مسجد سے ہے۔

### نماز کا منتظر:

اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے نماز کا انتظار کرنا رحمتِ الہی کا باعث ہے۔ دلوں میں چین و سکون کی دولت کو بھرنے کے لیے اگر کبھی فارغ وقت ہو تو اذان سے بھی پہلے مسجد میں آ جانا چاہیے۔ محبت اور خشوع و خضوع سے قرآن پاک کی تلاوت یا اذکار کرتا رہے یا نبی ﷺ پر درود پڑھتا رہے۔ اس عمل سے جہاں نفس کی پاکیزگی اور شیطانی اثرات سے بچاؤ حاصل ہوگا وہاں اللہ کی رحمت بھی بندے کا احاطہ کر لے گی۔ اگر اذان سے پہلے نہیں تو اذان کی آواز سننے پر تو ضرور مسجد میں چلا جانا چاہیے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( أَحَدُكُمْ مَا قَعَدَ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فِي الصَّلَاةِ مَا لَمْ يُحَدِثْ، تَدْعُوهُ الْمَلَائِكَةُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ ))<sup>①</sup>

”تم میں سے جو شخص جب تک با وضو نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے وہ نماز ہی میں ہے جب تک بے وضو نہ ہو، اس کے لیے فرشتے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس کو معاف فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔“

① صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب: فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة، رقم: ۲۷۶



دنیا میں انتظار کی بڑی قسمیں ہوں گی۔ مختلف اعتبار سے مختلف چیزوں کا انتظار کیا جاتا ہے۔ لیکن اپنے نفع کے اعتبار سے بہترین انتظار نماز کا انتظار ہے اور جو اس کی لذت سے آشنا ہو جائے، اس کے لیے پھر کسی اور چیز کے انتظار میں لطف نہیں رہتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ مَا لَمْ يُحَدِّثْ تَقْوُلًا: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ))<sup>①</sup>

”فرشتے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں جہاں اس نے (مسجد میں) نماز پڑھی بیٹھا ہے جب تک وہ بے وضو نہ ہو فرشتے کہتے رہتے ہیں، اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔“

یعنی نماز سے پہلے نماز کے انتظار میں بیٹھنے پر بھی رحمت کی دعائیں ہیں اور نماز کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ کر اذکار کرنے میں بھی یہی دعائیں ہیں اور جس بندے کے لیے پانچوں وقت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فرشتے رحمت کی اپیل کرتے ہوں اسے بھلا اللہ تعالیٰ کی رحمت گرنے دیتی ہوگی؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت بھی شامل حال ہو اور بندہ شیطانی اثرات کا شکار ہو جائے؟ رحمت بھی ہو اور بندہ زحمت کا شکار ہو جائے؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نمازیں پڑھنے کے باوجود ہم بعض دفعہ تکالیف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم اعمالِ صالحہ کے ذریعے رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کوششیں بھی کر رہے ہوتے ہیں اور کسی مصیبت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟

اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے پہلے ہمیں ماضی میں آنے والی مصیبتوں کے نتائج کو دیکھنا ہوگا۔ غور کرنے پر پتہ چلے گا کہ کچھ مصیبتوں کے نتائج مصیبت کے اختتام پر اچھے برآمد ہوئے اور کچھ کے نتائج ایسے نکلے کہ مزید پریشانیاں اور الجھنیں پیدا ہوئیں۔ اگر زندگی کے اندر صرف راحت ہی راحت ہو تو زندگی اپنی لذت کو کھودے گی۔ یہاں یہ

① صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الحدیث فی المسجد، رقم: ۴۴۵



نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ مومن اور نافرمان کو پہنچنے والی تکلیف میں فرق ہے۔ مومن کو تکلیف آتی ہے اس کی اصلاح کے لیے۔ جیسے طالب علم یا بیٹا کوئی ایسا کام کرے جو غلط ہو اس میں اس کے لیے نقصان ہو تو باپ فوراً اس کو ڈانٹ پلاتا ہے۔ یہ ڈانٹ بچے کے لیے یقیناً تکلیف کا باعث ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں اس کا فائدہ ہے۔ مومن کے لیے تکلیف آتی بھی ہے تو اس کے لیے کامیابیوں کے دروازے کھولنے کے لیے جیسے سونے پر بھٹی کی آگ سے گزرنے اور کٹالی میں پگھلنے کا مرحلہ نہ آتا تو اسے چمک نصیب نہ ہوتی۔ لکڑی کے سینہ پر آرا نہ چلتا تو دیدہ زیب فرنیچر وجود میں نہ آتا۔ ہیرے کے کونے نہ تراشے جاتے تو اس کی آب و تاب نہ نکھر سکتی۔ ایسے ہی مومن پر تکلیف آتی ہے تو اس کی تربیت کے لیے اور اسے نکھارنے کے لیے اور تکلیف کا یہ دور جیسے ہی ختم ہوتا ہے، اس کے لیے آسانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾<sup>①</sup>

”اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ حقیقتاً تمہارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ حقیقتاً تمہارے لیے بری ہو۔“

اس لیے بندے کو چاہیے کہ رحمت الہی کے حصول کے لیے عمل کو جاری رکھے اور تنگی میں بھی اچھے دنوں کی امید رکھتے ہوئے اپنے محبوب رب کی محبت کا دم بھرتا رہے۔ تنگی ہو یا آسانی ہم دونوں حالتوں میں اس کی رحمت کے محتاج ہیں اور مومن کے لیے تو یہ دونوں حالتیں ہی خیر کا باعث ہوتی ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ  
إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ  
خَيْرًا لَهُ))<sup>②</sup>

”مومن کا بھی عجب حال ہے، اس کے ہر معاملے میں بھلائی ہی بھلائی ہے

① البقرہ: ۲۱۶ ② صحیح مسلم، کتاب الزهد والرفائق، باب: المؤمن امره خیر کله، رقم: ۲۹۹۹



اور یہ بات سوائے مومن کے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر ادا کیا، تو اس میں بھی ثواب ہے اور جو اس کو نقصان پہنچا اور اس پر صبر کیا، تو اس میں بھی ثواب ہے۔“

پہلی صف میں کھڑا ہونا:

مسجد حقیقت میں ایک ایسا مقام ہے جہاں رب تعالیٰ کی جانب سے رحمتیں اور برکتیں تقسیم ہوتی ہیں تو بندہ جس قدر کوشش کرتا ہے اتنی رحمتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

(( اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى الصَّفِّ الْاَوَّلِ ))<sup>①</sup>

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف کے نمازیوں کیلئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔“

اور اگر وہ صف کی دائیں جانب کھڑا ہو تو مزید ایسی دُعاؤں کو سمیٹ لیتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مِيَامِنِ الصُّفُوْفِ ))<sup>②</sup>

”صف کے دائیں طرف کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے جہاں دائیں ہاتھ میں قوت اور برکت رکھی ہے، وہاں صف کی دائیں جانب کو بھی اعزاز و شرف سے نوازا ہے اور عزت و شرف والے مقام پر کھڑا ہو کر بندہ بذاتِ خود بھی معزز ہو جاتا ہے۔ پس اگر بندہ اپنا شمار معززین میں کروانا چاہتا ہے اور اللہ کی رحمت کو جھولی بھر کے سمیٹنا چاہتا ہے تو اسے کوشش و جہد سے پہلی صف میں اور پھر خصوصاً دائیں جانب کھڑا ہونے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

① (صحیح) سنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیہا، باب فضل الصف المقدم، رقم: ۹۹۷

② (حسن) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما تستحب ان یلی الامام فی الصف، رقم: ۶۷۶



عصر سے پہلے چار رکعتیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رَحِمَ اللَّهُ إِمْرًا صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا))<sup>①</sup>

”اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں ادا کرے۔“

یہ نبی ﷺ کی دعا ہے اس بندے کے لیے جو عصر سے پہلے رب تعالیٰ کے حضور چار رکعات خشوع و خضوع سے ادا کرتا ہے۔ جس بندے کے شامل حال پیغمبر کائنات ﷺ کی دعائیں ہوں اس کے گھر میں پریشانیاں کیسے آسکتی ہیں؟ اس عمل کو مستقل طور پر اپنالینا چاہیے۔ پھر دیکھیں رحمت عالم ﷺ کی دعاؤں سے گھر میں رحمتوں کا نزول کیسے ہوتا ہے۔ نماز عصر کے وقت مارکیٹ میں گاہک کا رش ہوتا ہے، کاروبار کا زور ہوتا ہے، کاروبار کی محبت بندے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور مسجد کی محبت اپنی طرف اور مسجد یہ نہیں کہتی کہ کاروبار نہ کر، بلکہ مسجد اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد اس کی رحمتوں کو سمیٹتا ہوا کاروبار کی جانب چل اس سے اللہ تعالیٰ کاروبار میں حائل ہونے والی پریشانیوں کو دور فرمادیں گے۔

دینی معاملات میں میاں بیوی کا تعاون:

گھر کے اندر اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے دینی امور میں تعاون کریں تو گھر میں صبر و شکر کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اس گھر سے لڑائی جھگڑے اور الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دینی معاملات میں تعاون یہ ہے کہ بچوں کی دینی تربیت میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ نماز کا وقت ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے مل کر کوشش کریں۔ اگر کوئی فریق غافل ہے تو اسے ایک محبت والے انداز سے متنبہ کر دے۔ ایسے میاں بیوی کے لیے نبی ﷺ نے رحم کی دعا فرمائی ہے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے:

① (حسن) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب: الصلاة قبل العصر، رقم: ۱۲۷۱



(( رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَآيَقَطَ إِمْرَأَتَهُ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللَّهُ إِمْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَآيَقَطَتْ زَوْجَهَا فَإِنْ أَبِي نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ))<sup>①</sup>

”اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھا اور نماز (تہجد) پڑھی پھر اپنی بیوی کو جگایا اگر اس نے انکار کیا تو پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر مارے اور اللہ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھی نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو جگایا اگر اس نے انکار کیا تو پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر مارے۔“

یاد رکھیے! اگر میاں بیوی برائی میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے تو رحمت کی بجائے گھر کے اندر شیطانیت داخل ہو جائے گی اور اس کا اولاد پر انتہائی برا اثر پڑے گا۔ والدین اولاد کے لیے آئیڈیل شخصیت ہوتے ہیں اور والدین کی اچھائیاں یا برائیاں لاشعوری طور پر اولاد میں داخل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اولاد جیسے خزانے کو مزید قیمتی بنانے کے لیے گھریلو ماحول میں دینی تعاون جیسی فضا پیدا کیجیے۔ پھر دیکھیں اللہ کی رحمتیں گھر پر کس طرح سایہ فگن ہوتی ہیں۔ ہمارے گھروں سے الجھنوں کے سارے کانٹے محبت کے گلدستوں میں بدل جائیں گے اور گھر کے ماحول میں اپنائیت اور محبت درآئے گی۔

آسمان والاتم پر رحم کرے گا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ إِنَّ رَحْمَتَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ الرَّحِيمُ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ))<sup>②</sup>

”رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والاتم

① (حسن صحیح) صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب: قیام اللیل، رقم: ۱۳۰۸ ② (صحیح)

سنن الترمذی للالبانی، ابواب: البر والصلة باب: ما جاء فی رحمة الناس، رقم الحدیث: ۱۹۲۴



پر رحم کرے گا۔ رحم بھی رحمن کی شاخ ہے جس نے اس کو جوڑا اللہ تعالیٰ بھی اس سے رشتہ جوڑ لیں گے اور جو اسے قطع کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس سے قطع تعلق کر لیں گے۔“

مذکورہ بالا حدیث سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ اگر بندہ معاشرتی طور پر رحم کرنے والا بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ اگر قطع رحمی کرے گا تو رب تعالیٰ کی رحمتیں بھی اس سے منہ موڑ لیں گی۔ عظیم وہ آدمی نہیں ہے جو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والا ہے، بلکہ عظیم وہ ہے جو پتھر کا جواب پھول سے دے۔ جس کے چہرے پر مسکراہٹ رہے، جو دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونے کی بجائے درد محسوس کرے، جس کی کیفیت یہ ہو

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہم ہیں میر

معلوم نہیں سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایسے بندے کی لوگ خواہ قدر کریں نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی ضرور کرتے ہیں اور مذکورہ حدیث کے مطابق اس پر رحم فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ تو اس قدر نوازنے والے ہیں کہ اگر کوئی انسان کتے پر بھی رحم کرے تو اس کی رحمتیں جھوم کے اس کے لیے برس پڑتی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ بِي، فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ ثُمَّ رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَهُ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنَّا لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: ((فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ))<sup>①</sup>

”ایک شخص چلا جا رہا تھا، اسے جب شدت کی پیاس لگی تو وہ کنویں میں اترا اور پانی پیا، وہاں سے نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے ہانپ رہا ہے اور نم دار

① صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب: فضل سقى الماء، رقم: ۲۳۶۳



زمین چاٹ رہا ہے، اس شخص نے اپنے دل میں کہا آخرا سے بھی وہی تکلیف ہوگی جو مجھے تھی، اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا پھر دانتوں سے پکڑ کر اوپر چڑھا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ فعل پسند فرمایا اور اسے بخش دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا جانوروں کی خدمت سے ہمیں اجر ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہر جاندار کی خدمت میں ثواب ہے۔“

اگر کتے کو پانی پلانے پر بخشش ہو سکتی ہے تو کسی مسلمان پر رحم کرنا کس قدر ثواب کا باعث ہوگا۔ اگر رحم دلی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی شفقت و محبت کو پالیتا ہے تو قطع رحمی کرنے والا اللہ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے اور کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ نماز کسوف پڑھانے کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

((قَدْ دَنْتُ مِنْنِي الْجَنَّةَ، حَتَّى لَوْ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا، لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا، وَدَنْتُ مِنْنِي النَّارِ حَتَّى قُلْتُ أَيُّ رَبِّ، أَوْ أَنَا مَعَهُمْ؟ فَإِذَا امْرَأَةٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ هَذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، لَا أَطْعَمْتَهَا، وَلَا أُرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ۔ قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مِنْ خَشِيشٍ۔ أَوْ خَشَاشِ الْأَرْضِ))<sup>①</sup>

”جنت میرے اتنی (قریب) ہو چکی تھی کہ اگر میں ہمت کرتا تو اس کے خوشیوں میں سے کوئی خوشہ تمہارے پاس لے آتا اور جہنم بھی میرے اتنے قریب ہو گئی کہ میں کہنے لگا اے مالک! کیا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گا؟ اتنے میں ایک عورت دیکھی راوی کا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اس عورت کو ایک بلی پنچہ مار رہی تھی میں نے پوچھا اس عورت کا کیا حال (قصور) ہے؟ فرشتوں نے کہا اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی

① صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب: ما يقول بعد التكبير، رقم: ۷۴۵



کیونکہ نہ تو وہ اسے خود کھلاتی اور نہ اسے کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ خود حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لے۔“

جب حیوانات پر ظلم سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے تو انسانوں پر ظلم کرنے اور رحمدلی کا ہاتھ کھینچ لینے سے اللہ تعالیٰ کس قدر ناراض ہوتے ہوں گے اور آج صورتحال یہ ہے کہ رشتہ داروں بلکہ ماں باپ تک سے تعلق و نا طے توڑے جا چکے ہیں۔ بھائیوں سے قطع رحمی ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بندہ رحمت کا امیدوار بھی ہے۔ دلوں سے رحمدلی کے جذبات رخصت ہو گئے اور دل کی زمین کب کی سنگلاخ ہو چکی۔ لیکن خواہشات ہیں کہ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ بھلا سنگلاخ چٹانوں پہ گلاب کھلا کرتے ہیں؟



## ادا نیگی قرض کی خواہش

انسانی پریشانیوں میں ایک بہت بڑی پریشانی بندے کا مقروض ہونا ہے۔ قرض بندے کے لیے رات کی بے چینی اور دن کی شرمندگی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ قرض سے بہت زیادہ پناہ مانگا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا، وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْتَمِ وَالْمَغْرَمِ)۔ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيدُ مِنَ الْمَغْرَمِ؟ فَقَالَ: (إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ، حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ) <sup>①</sup>

”اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور فتنہ دجال سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔ آپ سے ایک شخص نے کہا آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”انسان جب قرض دار ہوتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“

دنیا کی پریشانی کے ساتھ ساتھ قرض بندے کے لیے آخرت کی پریشانی بھی ہے۔ نبی ﷺ نے ایسے بندے کا جنازہ پڑھانے سے اپنے قدموں کو روک لیا تھا جس پر صرف دو دینار قرض تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

① صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب: الدعاء قبل السلام، رقم: ۸۳۲



تُوْفِي رَجُلٌ فَعَسَلْنَاهُ وَحَنَطْنَاهُ وَكَفَّنَاهُ ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقُلْنَا: تَصَلِّيْ عَلَيْهِ؟ فَحَطَا حُطْيً، ثُمَّ قَالَ: ((أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) قُلْنَا: دِينَارَانِ فَأَنْصَرَفَ فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: الدِّينَارَانِ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((حَقَّ الْغَرِيمِ وَبَرِيءٌ مِنْهُمَا الْمَيِّتُ؟)) قَالَ: نَعَمْ فَصَلِّيْ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ بَعْدَ ذَلِكَ بِيَوْمٍ: مَا فَعَلَ الدِّينَارَانِ؟ قُلْتُ: إِنَّمَا مَاتَ أُمْسٍ قَالَ: فَعَادَ إِلَيْهِ مِنَ الْغَدِ؟ فَقَالَ: قَدْ قَضَيْتُهُمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((الآنَ بَرَدَتْ جِلْدَتُهُ))<sup>①</sup>

ایک شخص کا انتقال ہوا، ہم لوگوں نے اسے نہلایا، کفنایا اور خوشبول گائی اور پھر ہم نمازِ جنازہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ سے نماز کی درخواست کی۔ آپ ﷺ ایک قدم چلے اور پوچھا: ”اس کے ذمہ کچھ قرض ہے؟“ ہم نے کہا اس کے ذمہ دو دینار ہیں۔ آپ واپس لوٹ گئے۔ تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان اشرافیوں کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی، ہم لوگ (دوبارہ) آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ دو دینار میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”قرض خواہ کا حق ادا کر دیا گیا اور مرنے والا ان دو دیناروں سے بری الذمہ ہو گیا؟“ ابو قتادہ نے آپ کو یقین دلایا تب آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس سے اگلے دن آپ نے پھر پوچھا: ”وہ دیناروں کا معاملہ کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا کل ہی اس کا انتقال ہوا ہے (آج کل میں ادا ہو جائیں گے) آپ نے اگلے روز پھر پوچھا تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے وہ ادا کر دیئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یوں سمجھو کہ اس کے جسم کو اب ٹھنڈک ملی ہے۔“

① مسند أحمد: ۱۴۵۳۶



اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ قرض کی ذمہ داری اگر کوئی اٹھالے تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔ لیکن میت کا معاملہ اتنی دیر تک اللہ کے ہاں اٹکا رہتا ہے جب تک قرض ادا نہ ہو جائے۔ اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اب میت کو سکون پہنچا ہے تو رسم سمجھ کر اعلان کر دینا کہ اس آدمی کے قرض کی ذمہ داری مجھ پر ہے، پھر اس معاملے کو سالوں لٹکائے رکھنا کسی طور بھی درست نہیں۔ قرض کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ کسی کا شہید ہونا بھی اسے قرض کے بوجھ سے نجات نہیں دلا سکتا۔ حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَاعِدًا حَيْثُ تُوَضَّعُ الْجَنَائِزُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ ثُمَّ خَفَضَ بَصَرَهُ فَوَضَّعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ فَقَالَ: ((سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا أَنْزَلَ مِنَ التَّشْدِيدِ)) قَالَ: فَعَرَفْنَا وَسَكَنَّا حَتَّى إِذَا كَانَ الْغَدَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْنَا: مَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نَزَلَ؟ قَالَ: ((فِي الدِّينِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ قُتِلَ رَجُلٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُقْضَى دَيْنُهُ))<sup>①</sup>

رسول اللہ ﷺ (مسجد نبوی کے اس صحن میں) تھے جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے تھے۔ اچانک آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی، پھر اپنی نظر جھکا لی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر (انتہائی تعجب کے عالم میں) فرمایا: ”سبحان اللہ سبحان اللہ! کس قدر سختی نازل ہوئی ہے؟“ راوی کہتا ہے کہ ہم سمجھ گئے (کہ کوئی خاص بات پیش آئی ہے) اور خاموش ہو گئے (یہاں تک کہ پورا ایک دن گزار کر) جب دوسرا دن ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا وہ کیا سختی ہے جو نازل ہوئی ہے؟ ارشاد فرمایا: ”قرض کے بارے میں وہ سختی نازل ہوئی ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے

① المستدرک للحاکم: ۲/۲۹، رقم: ۲۲۱۲۔



اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے (یعنی اگر کوئی قرض دار بار بار بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے تو یہ بار بار کی شہادت بھی اس کے قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی)۔“

### قرض سے نجات کے لیے اعمال

مقروض آدمی کو چاہیے کہ وہ قرض سے نجات کے لیے دو کام کرے۔ ایک اس کی ادائیگی کے لیے کوشش اور دوسرا یہ کہ وہ ان دعاؤں کا کثرت سے ذکر کرے جو نبی ﷺ نے ادائیگی قرض کے حوالہ سے ذکر فرمائی ہیں۔

### ادائیگی کے لیے کوشش

اللہ تعالیٰ نے خود ایسے بندے کی مدد کا ذمہ اٹھایا ہے جو قرض، ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے کوشش کرتا ہے۔ چند روایات اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاءَ هَا أَدَى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ))<sup>①</sup>

”جس نے لوگوں کا مال لیا اور اس کا ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرا دیتا ہے اور جس نے لوگوں کا مال لیا اور وہ اسے ضائع کر دینا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسی کو تباہ کر دیتا ہے۔“

یعنی جس کی نیت قرض ادا کرنے کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی میں مدد فرماتا ہے اور حالات کو سازگار بنا دیتا ہے اور جس کی نیت ہی میں فتور ہو ایسے آدمی کا نہ کاروبار ترقی کر سکتا ہے اور نہ خود اسے خوش حال اور پرسکون زندگی میسر آتی ہے۔

① صحیح البخاری، کتاب الاستقراض، باب: من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها: ۲۳۸۷،

وقبل الحديث تعليقا: ۱۴۲۶۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 ((مَنْ حَمَلَ مِنْ أُمَّتِي دَيْنًا، ثُمَّ جَهَدَ فِي قَضَائِهِ، ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ  
 يَقْضِيَهُ فَأَنَا وَلِيُّهُ))<sup>①</sup>

”میری امت میں سے جس شخص نے قرض لیا پھر اسے ادا کرنے کی کوشش کی  
 مگر ادا کرنے سے پہلے موت آگئی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں (یعنی میں ادا  
 کر دوں گا)۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 ((ثَلَاثَةٌ حَقُّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمْ: الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالْمَكَاتِبُ  
 الَّذِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ، وَالنَّاسِكُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَا))<sup>②</sup>

”تین قسم کے لوگ ہیں جن کی مدد اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ (۱) اللہ کی  
 راہ میں جہاد کرنے والا (۲) وہ غلام جس کو اس کے آقا نے کچھ مقررہ پیسے ادا  
 کر کے آزاد کرنے کا کہہ دیا ہو اور وہ ان پیسوں کی ادائیگی چاہتا ہو (تاکہ  
 آزاد ہو جائے اللہ تعالیٰ ادائیگی رقم میں اس کی مدد کرتا ہے۔) (۳) وہ شخص جو  
 نکاح کر کے پاکدامنی اور عفت چاہتا ہو۔“

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَدَايِنُ، فَقِيلَ لَهَا: مَا لَكَ  
 وَلِلدَّيْنِ؟ وَلَكَ عَنْهُ مَنُذُوحَةٌ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:  
 ((مَا مِنْ عَبْدٍ كَانَتْ لَهُ نِيَّةٌ فِي آدَاءِ دَيْنِهِ إِلَّا كَانَ لَهُ مِنَ اللَّهِ عَوْنٌ فَأَنَا  
 أَلْتَمِسُ ذَلِكَ الْعَوْنَ))<sup>③</sup>

① صحیح مسند احمد: ۲۰۲۱۱ ② حسن جامع ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب

ما جاء في المجاهد والمكاتب والناسك وعون الله اياهم، رقم: ۱۶۵۵ ③ (حسن) مسند احمد:



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرض لیا کرتی تھیں ان سے عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت و فراخی دے رکھی آپ کو قرض کی کیا ضرورت؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: ”جس کسی بندے کی نیت قرض کی ادائیگی کی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ایک مددگار ہوتا ہے۔“

مذکورہ تمام روایات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لیے مدد کا وعدہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرتے ہیں اور جو بندہ قرض لیتا ہے لیکن اس کی ادائیگی کی نیت نہیں اور نہ ہی اس بارے میں کوشش کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ یہ چیز اس کے لیے رب تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

### چند مثالیں

احادیث میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں ادائیگی کی کوشش کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے امداد کا ذکر ہے۔ ہم ان میں سے صرف تین مثالیں یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

### بائیس لاکھ کی ادائیگی

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو ان پر ۲۲ لاکھ کا قرض تھا اور انہوں نے شہادت سے پہلے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً اس کی ادائیگی کا حکم دیا تھا کہ ان کی تمام جائیداد کو بیچ کر قرض ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جائیداد میں ایسی برکت ڈالی کہ قرض کی ادائیگی کے بعد بھی بہت کچھ بچ رہا۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب میدان میں کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا۔ میں ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو انہوں نے کہا: آج کے دن جو مارا جائے گا وہ یا ظالم ہوگا یا مظلوم اور میں سمجھتا ہوں کہ میں



آج مارا جاؤں گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرض کی ہے۔ میرا مال بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا۔ پھر انہوں نے تہائی مال کی عبداللہ کے بیٹوں کے لیے وصیت کی، اس لیے کہ عبداللہ کثیر الاولاد تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ قرض ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی اپنی اولاد کو دے دینا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹے زبیر کے بیٹوں یعنی اپنے چچاؤں کے ہم عمر تھے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مجھے اپنا قرض ادا کرنے کی وصیت کرنے لگے اور کہنے لگے بیٹا اگر تو قرض ادا کرنے سے عاجز آ جائے تو میرے مالک کی مدد چاہنا۔ عبداللہ نے کہا: میں سمجھ نہ پایا میں نے پوچھا: مالک کون؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میں جب بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کرنے میں کسی مشکل کا شکار ہوا میں نے یوں ہی دعا کی: ”زبیر رضی اللہ عنہ کے مالک اس کا قرض ادا کر دے۔“ اللہ نے ادا کر دیا پھر ایسا ہی ہوا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس دن شہید کر دیے گئے اور انہوں نے نقدی کی صورت میں کچھ نہیں چھوڑا تھا، البتہ زمینیں چھوڑیں ایک زمین غابہ (جنگل) کی تھی اور گیارہ گھرمدینہ میں، دو گھربصرہ میں، ایک گھر کوفہ میں اور ایک گھر مصر میں تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پر جو قرض تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے پاس کوئی شخص اپنا مال امانت رکھواتا تو وہ کہتے یہ امانت نہیں بلکہ بطور قرض کے ہوگا اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں تیرا مال تلف نہ ہو جائے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر حکومت قبول نہیں کی اور نہ تحصیلدار ہونا منظور کیا، البتہ یہ تھا کہ جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہے جو مال ان کے ہاتھ آیا وہ غنیمت کا مال تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان کی وفات کے بعد ان کے قرض کا حساب کیا تو ۲۲ لاکھ تھا۔ پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے کہا بھتیجے! میرے بھائی (زبیر رضی اللہ عنہ) پر کتنا قرض ہے؟ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اظہار مناسب نہ سمجھا اور کہا ایک لاکھ، حکیم نے فرمایا: نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم اتنا قرض ادا کر سکو گے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر



۲۲ لاکھ قرض ہوا تب کیا ہوگا؟ حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اتنا قرض ادا نہیں ہو سکے گا خیر، اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد لے لینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی سر زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں لی تھی عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سولہ لاکھ پر اس کو بیچا اور کھڑے ہو کر کہا: دیکھو جن جن لوگوں کا قرض زبیر رضی اللہ عنہ پر ہو وہ غابہ میں آ کر ہم سے ملیں۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ وہاں آئے ان کے چار لاکھ زبیر رضی اللہ عنہ پر قرض تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ قرض معاف کیے دیتا ہوں (عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بے حد سختی تھے) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم معاف کرانا نہیں چاہتے۔ عبداللہ بن جعفر نے کہا: اچھا اگر چاہو تو میں مہلت دیتا ہوں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا: میں یہ بھی نہیں چاہتا: تب عبداللہ بن زبیر نے کہا: اچھا میرے قرض کے بدلے میں غابہ کی کچھ زمین مجھ کو دے دو۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا اتنی زمین یہاں سے وہاں تک لے لو۔ خیر عبداللہ نے غابہ کی زمین اور سب گھر بیچے اور پورا قرض ادا کر دیا۔ ساڑھے چار حصے غابہ کی جائیداد میں سے بچ رہے اس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ معاویہ کے پاس گئے ان کے پاس عمرو بن عثمان، منذر بن زبیر اور عبداللہ بن زمعہ بیٹھے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: غابہ کی کیا قیمت آئی؟ عبداللہ نے کہا: ہر حصے کی ایک لاکھ۔ انہوں نے پوچھا اب کتنے حصے باقی ہیں؟ عبداللہ نے کہا ساڑھے چار حصے۔ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک حصہ لاکھ روپے کو میں لیتا ہوں۔ عمرو بن عثمان نے کہا: ایک حصہ میں لیتا ہوں ایک لاکھ میں، عبداللہ بن زمعہ نے کہا: ایک میں لیتا ہوں لاکھ میں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اب کیا باقی رہا؟ عبداللہ نے کہا: ڈیڑھ حصہ گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ڈیڑھ لاکھ کا وہ میں نے لیا، عبداللہ بن جعفر نے جو حصہ لیا تھا وہ معاویہ کے ہاتھ چھ لاکھ کو بیچا۔ غرض جب عبداللہ بن زبیر نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سارا قرض ادا کر دیا تو اب زبیر کے بیٹے ان سے کہنے لگے: ہمارا ترکہ تقسیم کرو۔ عبداللہ نے کہا: خدا کی قسم! ابھی تو میں تقسیم نہیں کروں گا جب تک حج کے چار موسم نہ گزر جائیں اور میں ہر موسم میں یہ منادی نہ کر لوں کہ زبیر پر جس کا قرضہ ہو وہ ہمارے پاس آئے اور ہر سال عبداللہ (حج



کے موسم پر) ایسے ہی منادی کرتے رہے جب چار برس گزر گئے (اور کوئی قرض خواہ نہ آیا تو عبد اللہ نے ترکہ تقسیم کر دیا زبیر کی چار بیویاں تھی، جبکہ تیسرا حصہ وصیت کا نکالا گیا جب بھی ہر بیوی کو بارہ بارہ لاکھ ہاتھ آئے اور کل جائیداد زبیر رضی اللہ عنہ کی پانچ کروڑ دو لاکھ ہوئی۔<sup>①</sup>

لکڑی حکم کی پابند بن گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے بنی اسرائیل ہی کے ایک شخص سے ایک ہزار اشرفیاں قرض مانگیں، اس نے کہا کہ کچھ لوگوں کو لے آؤ جنہیں میں اس معاملہ کا گواہ بنا سکوں۔ قرض مانگنے والے نے کہا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے، اس نے کہا کوئی ضامن لاؤ، اس نے کہا: اللہ کی ضمانت کافی ہے، دینے والے نے کہا: تم سچ کہتے ہو اور ایک مقررہ تاریخ کے وعدے پر اس نے وہ رقم اس کے حوالے کر دی (یہ رقم لے کر) وہ سمندری راستے سے کہیں گیا اور جو اس کا کام تھا وہ پورا کیا۔ فارغ ہونے کے بعد سواری (یعنی بحری جہاز) کی تلاش میں نکلتا کہ سوار ہو کر مقررہ مدت کے اندر اندر اس (قرض دینے والے) کے پاس پہنچ جائے مگر سواری نہیں ملی، (اس نے مقررہ تاریخ پر قرض ادا کرنے کی جب کوئی صورت نہ دیکھی تو آخر مجبور ہو کر یہ کیا کہ) اس نے ایک (موٹی سی) لکڑی لی اور اس کو اندر سے تراشا اور اس میں ایک ہزار دینار اور اپنا ایک پرچہ مالک کے نام پر لکھ کر رکھ دیا اور اس کا منہ بند کر دیا اور اسے لے کر سمندر کے پاس پہنچا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار اشرفیاں قرض لی تھیں، اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے، تو وہ تیرے نام پر راضی ہو گیا۔ اس نے مجھ سے گواہ مانگے، میں نے کہا: اللہ کی گواہی کافی ہے وہ (اس پر بھی) تیرے نام پر راضی ہو گیا اور میں سواری کے لیے کوشش کر چکا ہوں تاکہ اس کی امانت اسے پہنچا سکتا مگر مجھے کامیابی نہ ہو سکی۔ اب میں اس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اسے سمندر میں زور سے پھینکا کہ وہ خوب

① صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب: بركة الغازی فی مالہ حیا و میتامع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۱۲۹



اندر (کنارے سے دور) جا پڑی، پھر وہاں (ساحل سے) واپس ہوا اور اس نے سواری کی تلاش برابر جاری رکھی۔ (ادھر) وہ قرض دینے والا شخص (ساحل پر) آنکلا کہ دیکھوں شاید کوئی جہاز اس کا مال لے کر آئے، اتنے میں اسے وہی اشرفیوں والی لکڑی نظر آئی اس نے (یونہی) اپنے گھر کے لیے ایندھن کے طور پر وہ لی (گھر لے جا کر) جب اسے چیرا تو دیکھا کہ اس میں اشرفیاں ہیں اور ایک پرچہ رکھا ہوا ہے (پرچہ سے ساری بات واضح ہو گئی اور اس نے اپنی امانت وصول کر لی پھر کچھ دن بعد) وہ شخص آیا جس نے قرض لیا تھا اور ایک ہزار اشرفیاں لے کر اس کے پاس پہنچا اور (تاخیر کے لیے معذرت کرتے ہوئے) کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں برابر سواری تلاش کرتا رہا تا کہ تمہارا مال (مقررہ تاریخ پر) پہنچا دوں مگر اب سے پہلے مجھے کوئی سواری نہیں ملی۔ اس نے پوچھا: کیا تم نے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟ وہ بولا! کہہ تو رہا ہوں مجھے اب سے قبل کوئی سواری ہی نہیں ملی۔ اشرفیوں کے مالک نے کہا: (تم اسے لے جاؤ) اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے وہ اشرفیاں مجھے پہنچا دیں جو تم نے لکڑی میں رکھ کر بھیجی تھیں۔ جاؤ ان ہزار اشرفیوں کو لے کر خوشی خوشی واپس چلے جاؤ۔<sup>①</sup>

اس واقعہ سے صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ اگر آدمی اللہ پر بھروسہ کر کے نیک نیتی سے کاروبار کرتا ہے تو خلاف توقع راستوں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنی غیبی مدد بھیجتا ہے اور اسے نقصان نہیں ہونے دیتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو اس طرح قرض کا لین دین کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

### بلال رضی اللہ عنہ کا قرض

حضرت عبداللہ اھوزنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بلال رضی اللہ عنہ سے حلب کے مقام پر میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: اے بلال! مجھے بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اخراجات کس طرح ہوتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اس وقت سے لے کر آپ کی وفات تک آپ کے تمام مال و متاع کو

① صحیح البخاری، کتاب الحوالات، باب: الكفالة فی القرض والديون بالابدان وغيرها، رقم: ۲۲۹۱



خرچ کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد تھی۔ جب کوئی مسلمان آپ کے پاس آتا اور آپ دیکھتے کہ اس کے پاس کپڑے نہیں ہیں تو آپ مجھے حکم فرماتے تو میں جاتا اور قرض لے کر اس کے لیے چادر خریدتا، پس آپ اسے کپڑا پہناتے اور کھانا کھلاتے حتیٰ کہ ایک مشرک شخص مجھے ملا تو اس نے کہا: اے بلال! میرے پاس بہت سامان ہے، اس لیے تم میرے سوا کسی اور سے قرض نہ لیا کرو، پس میں ایسے ہی کرتا رہا۔ ایک دن ایسے ہوا کہ میں نے وضو کیا پھر نماز کے لیے اذان دینے کھڑا ہوا تو وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت لے کر آ گیا پس جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا: اے حبشی! میں نے کہا: ہاں، کیا بات ہے؟ اس نے مجھے گھورتے ہوئے سخت اور تند و تیز جملے کہے، پھر کہنے لگا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مہینے میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟ میں نے کہا: بس قریب ہی ہے۔ اس (مشرک) نے کہا: چار دن باقی رہ گئے ہیں۔ پس میں تجھ سے وہ قرض واپس لوں گا (اگر قرض واپس نہ کیا) تو تمہیں تمہاری پہلی حالت کی طرح بکریوں کا چرواہا بنادوں گا۔ پس اس سے عام لوگوں کی طرح مجھے بھی بہت دکھ ہوا۔ جب میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی تو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، میں نے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دے دی میں نے (حاضر خدمت ہو کر) عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والدین آپ پر قربان ہوں، جس مشرک سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے مجھے ایسے ایسے برا بھلا کہا ہے اور آپ کے پاس اتنا مال ہے نہ میرے پاس جس سے ادائیگی ہو سکے اور وہ تو مجھے ذلیل کر چھوڑے گا۔ آپ مجھے مسلمان قبائل کے پاس بھاگ جانے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس قدر مال عطا کر دے کہ میرا قرض ادا ہو جائے تو میں لوٹ آؤں گا۔ پس میں آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر آ گیا اور میں نے اپنی تلوار، میان، جوتے اور ڈھال اپنے سر ہانے رکھ لیے اور صبح کاذب کے وقت ہی نکل جانے کا ارادہ کر لیا اتنے میں ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا: اے بلال! رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں ان کے پاس آؤ۔ پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کے پاس چار



سواریاں بیٹھی ہوئی ہیں اور ان پر سامان لدا ہوا ہے۔ میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ کیا تم نے چار اونٹنیاں لدی ہوئی نہیں دیکھیں۔“ میں نے کہا: جی ہاں، دیکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا ”وہ اونٹنیاں اور وہ سارا مال جو ان کے اوپر ہے اب تمہارا ہے“ ان پر کپڑے اور اناج لدا ہوا ہے جو فدک کے حاکم نے مجھے بطور ہدیہ بھیجا ہے، پس یہ لے لو اور اپنا قرض ادا کرو۔“ پس میں نے ایسے ہی کیا۔ پھر میں مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں، پس میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ”جو مال تیرے پاس تھا اس نے کوئی کام دکھایا۔“ میں نے عرض کی: رسول اللہ ﷺ کے ذمہ جتنا بھی قرض تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے اتار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا کچھ باقی بھی بچا ہے؟“ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اسے خرچ کرنے کے اسباب تلاش کرو تا کہ تم اسے خرچ کر کے مجھے راحت پہنچاؤ کیونکہ جب تک تم اسے خرچ کر کے مجھے راحت نہیں پہنچاؤ گے میں اپنی کسی زوجہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔“ پس جب رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی تو فرمایا: ”تمہارے پاس جو مال تھا اس نے کیا کیا؟“ میں نے عرض کی کہ وہ تو میرے پاس ہی ہے اسے لینے ہمارے پاس کوئی آیا ہی نہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے وہ رات مسجد میں ہی گزاری حتیٰ کہ جب آپ نے اگلے دن عشاء کی نماز پڑھی تو مجھے بلایا، فرمایا: ”جو تیرے پاس مال تھا اس کا کیا بنا؟“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے راحت نصیب فرمادی ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور کبریائی بیان کی اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے، پس میں آپ کے پیچھے پیچھے چلتا گیا حتیٰ کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، پس آپ نے فرداً فرداً ہر زوجہ محترمہ کو سلام کہا پھر آپ اپنی خواب گاہ (جہاں رات بسر کرنی تھی) تشریف لے گئے۔<sup>①</sup>

① صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارة والفیء، باب: فی الامام یقبل ہدایا المشرکین

وقال الشیخ الالبانی، صحیح الاسناد، رقم الحدیث: ۳۰۵۵



## حصول عزت کی خواہش

انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ عزت و وقار کے حصول کے لیے سرگرداں رہتا ہے۔ مال و اولاد سب کچھ اس کے پاس موجود ہو تو بھی اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں معزز سمجھا جائے، لیکن عزت کے خزانے چونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے نوازتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۗ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾<sup>①</sup>

”فرمادیجیے! اے اللہ، اے بادشاہت کے مالک! دیتا ہے تو بادشاہت جس کو چاہے اور چھین لیتا ہے بادشاہت جس سے چاہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے اور تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے، تحقیق تو اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ نے عمل کرنے والوں کے لیے اپنے دیگر خزانوں مثلاً رحمت، برکت اور رزق وغیرہ تک رسائی رکھی ہے، عزت کے خزانوں تک رسائی کے لیے بھی کچھ اعمال متعین کیے ہیں۔ ان میں سے چند اعمال ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

### حصول عزت کے لیے پہلا عمل ”اپنی عزت خود کیجیے“

معزز بننے میں سب سے پہلا عمل یہ ہے کہ بندہ اپنی عزت خود کرے۔ جب تک بندہ اپنی عزت خود نہیں کرے گا، لوگ بھی اس کی عزت نہیں کریں گے۔ اپنی عزت کرنے سے کیا مراد ہے؟ بندہ اپنی شخصیت، اپنا منصب اور عہدہ دیکھے، پھر سوچے کہ اس عہدے کا مجھ

① آل عمران: ۲۶



سے تقاضہ کیا ہے۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے، یہی کوشش اپنی عزت آپ کرنا ہے۔ مثال سے آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بندہ عالم دین ہے، لوگوں کی راہنمائی کا فریضہ اس کے کندھوں پر ہے اور لوگ اس کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔ اب عالم دین کا اپنے منصب کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا درحقیقت اپنی عزت نہ کرنے والا عمل ہوگا۔ مثلاً اگر وہ خود نماز نہ پڑھے جو اس منصب کا تقاضا اور فرض ہے تو لوگ اس کی عزت نہیں کریں گے۔ اس کے گھر میں بے پردگی کا دور دورہ ہو تو لوگوں کی نظروں میں اس کا مقام گر جائے گا۔ ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسا بندہ ہے جو اپنی عزت خود نہیں کر رہا تو لوگ اس کی عزت کیا کریں گے؟ ایسے ہی تمام شعبوں میں مثلاً ڈاکٹر، انجینئر، تاجر، معلم، پروفیسر، پرنسپل یا گھر کا سربراہ ہونے کے اعتبار سے اسے اپنے منصب کو دیکھنا چاہیے اور اس کے تقاضوں کو ایک ورق پر لکھ لینا چاہیے۔ پھر ان تقاضوں کو پورا کرے تو وہ اپنے شعبہ میں ایک فرض شناس اور ایماندار آدمی بن جائے گا۔ یہی چیز اس کا قد بڑھا دے گی اور رب تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت ڈال دیں گے۔ ذیل کی روایت اس مسئلہ کو مزید واضح کر دیتی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَخْبِرِينِي بِخُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ: كَانَ خُلُقَهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ، قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقِ عَظِيمٍ))<sup>①</sup>

حضرت سعد بن ہشام بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق بتائیے۔ تو انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”(اے پیغمبر!) بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“

① مسند احمد: ۱/۲۴۶، تعلیق شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح



”آپ ﷺ کا خلق قرآن ہے“ کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کی عادات و اطوار اور آپ ﷺ کی سیرت عین قرآن کے مطابق تھی۔ آپ ﷺ نے خود کو قرآنی تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ آپ ﷺ چونکہ صاحب قرآن تھے، تو آپ ﷺ کے منصب کا یہی تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی قرآن کی تفسیر نظر آئے۔

پس اپنی عزت آپ کرنے سے مراد اپنے منصب کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اپنی شخصیت کی خود حفاظت کرنا ہے۔ ایک پر وقار مقام تک پہنچتے ہوئے زمانہ لگ جاتا ہے۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر اپنی شخصیت کی حفاظت نہ کی جائے تو عزت لمحوں میں کم ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ اپنی شخصیت اور مقام کی خود حفاظت کرنے والے اور پھونک پھونک کے قدم رکھنے کے کس قدر عادی تھے۔ ذیل کی روایت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

عَنْ صَفِيَّةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَضِيَ عَنْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مَعَهَا يَقْلِبُهَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ ((عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حَيٍّ)) فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا))<sup>①</sup>

نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں معتکف تھے تو وہ آپ کی زیارت کے لیے آئیں اور کچھ دیر آپ سے گفتگو کی، پھر اٹھ کر جانے لگیں تو نبی ﷺ بھی انہیں دروازے تک چھوڑنے کے لیے ساتھ ہی اٹھے، جب وہ

① صحیح البخاری کتاب الاعتکاف، باب: هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد، رقم: ۲۰۳۵



مسجد کے دروازے کے قریب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے کے پاس پہنچے تو انصار کے دو آدمی ادھر سے گزرے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ”کھہر جاؤ یہ صفیہ بنت حی (رضی اللہ عنہا) ہیں۔“ ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا ہم آپ پر بدگمان ہیں؟) اور انہیں یہ چیز بہت شاق گزری تو آپ نے فرمایا: ”شیطان خون کی طرح انسان میں گردش کرتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈال دے۔“

یہ کہنا کہ کوئی نہیں یہ میرے بھائی ہی ہیں، دوست احباب ہیں، ان کے سامنے اخلاق کے منافی کوئی حرکت کر بھی لوں تو کیا ہے یا خاندان کے لوگ ہی جمع ہیں یا یہ وہ دوست ہیں جو میرے ہم مشرب و ہم نوالہ ہیں۔ انہوں نے مجھے کسی ایسی ویسی جگہ دیکھ لیا تو کیا ہے۔ یاد رکھیے! پُر وقار شخصیت وہی ہے جو گھر اور خاندان والوں میں بھی پُر وقار ہو، دوست و احباب کے ہاں بھی، وہ صاحب کردار ہو، گھر ہو یا بازار اس کی شخصیت میں اس کے منصب کا جلال نظر آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دونوں جوانوں سے کہا تھا کہ ”میری بیوی ہے اب جاؤ“ وہ دونوں انصاری صحابی تھے اور انصار اپنی جانوں سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے۔ خود بھوکے رہ کے آپ کے مہمانوں کو کھانا کھلانے والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود انصار سے کس قدر محبت تھی، صحیح بخاری کی چند روایات اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے

فرمایا:

((لَوْلَا الْهَجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأًا مِّنَ الْأَنْصَارِ))<sup>①</sup>

”اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک شخص ہوتا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ

① صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْلَا الْهَجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأًا مِّنَ الْأَنْصَارِ، رقم: ۳۷۷۹



أَحَبُّهُ اللَّهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ) ①

”انصار سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور ان سے وہی دشمنی رکھے گا جو منافق ہوگا۔ اس بناء پر جو شخص ان سے محبت رکھے گا اس سے اللہ بھی دوستی رکھے گا اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھے گا۔“

جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا ، فَكَلَّمَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ) مَرَّتَيْنِ- ②

ایک انصاری خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جس کے ہمراہ ایک بچہ تھا تو رسول اللہ ﷺ اس سے باتیں کرنے لگے پھر آپ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، آپ نے دو مرتبہ فرمایا۔“

انصار کی آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی انصار سے اتنی گہری محبت ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے ایک ایسے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جس میں آپ کی عزت و ناموس پر حرف آسکتا تھا۔ دوست و احباب ہوں یا غیر ہر جگہ اپنی شخصیت کی حفاظت کرنا اپنی زبان اور چال ڈھال کو پروا رکھنا آپ ﷺ کا طریقہ ہے اور ہم بھی اس طریقہ پر چل کر عزت و مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے کہیں بھی اپنے منصب و مقام کے منافی کام نہیں کیا۔ جیسے آپ ﷺ کے منصب کا تقاضہ تھا کہ آپ ﷺ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں تو آپ نے اس تقاضہ کو ہر اعتبار سے پورا کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَنَّ رَجُلًا اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَأَاهُ قَالَ: بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ وَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ)) فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ للانصار انتم احب الناس الی، رقم: ۳۷۸۳

② صحیح البخاری، کتاب و باب مذکورہ، رقم: ۳۷۸۶



إِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ قَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! حِينَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا عَائِشَةُ مَتَى عَهْدُتَنِي فَحَاشَا إِنْ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءً شَرِّهِ))<sup>①</sup>

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اپنے قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے اور بہت برے قبیلے کا بیٹا ہے۔“ جب وہ آ کے بیٹھ گیا تو آپ ﷺ اس سے خندہ پیشانی سے ملے جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! جس وقت آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا تھا کہ یہ ایسا اور ایسا آدمی ہے پھر آپ اس سے مسکرا کے خندہ پیشانی سے ملے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”عائشہ! تو نے کب مجھے بد زبان پایا ہے؟ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بُرا آدمی وہ ہوگا جس کے شر سے ڈرتے ہوئے لوگ اسے چھوڑ دیں گے۔“

جب نبی ﷺ نے یہ فرما دیا تھا کہ یہ بندہ اچھا نہیں تو یقیناً وہ بُرا ہی تھا۔ لیکن آپ ﷺ جس منصب پر تھے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ ہر کسی سے مسکراتے چہرے سے ملیں۔ ہاں دل سے عزت کرنا اور چیز ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے منصب کا خیال کرتے ہوئے اس سے بد خلقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بس یوں ہی سمجھ لیں بچھو کا کام دسنا ہے، لیکن پھول کا کام خوشبو لٹانا، زہر کا کام جان سے مارنا ہے، لیکن شہد کا کام مٹھاس بانٹنا۔ اگر شہد بھی زہر بن جائے، لوگ شہد سے نفرت کریں گے۔ اپنے منصب کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال لینا شیوہ پیغمبری ہے اور اسی طریقہ پر چل کے ہم اپنی شخصیت کو مکمل بنا سکتے ہیں اور مکمل شخصیت ہی قابل احترام ہوتی ہے۔ جب شخصیت نامکمل ہوتی ہے تو احترام میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے کہ نامکمل اور کٹی پھٹی شخصیت پر اس کی ذمہ داریوں کا نقشہ

① صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لمن یکن النبی ﷺ، فاحشا ولا متفحشا، رقم: ۶۰۳۲



پورا نہیں آتا۔ ایک صاحب اپنے گھر کے اندر مطالعہ میں مصروف تھے، جبکہ ان کا چھوٹا بچہ بار بار ان کے مطالعہ میں مغل ہو رہا تھا۔ آخر انہوں نے اسے مصروف کرنے کی یہ ترکیب سوچی کہ اسے ایک ورق دیا، جس پر دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اس ورق کے کئی پرزے کر دیے اور کہا کہ یہ نقشہ مجھے دوبارہ اسی طرح ترتیب سے جوڑ کر دو اور وہ سوچ رہے تھے کہ تین چار گھنٹوں کے لیے فراغت ہوگئی۔ مگر بچہ آدھے گھنٹے بعد ہی اس نقشہ کو درست کر کے لے آیا۔ سب مقامات اپنی ٹھیک جگہ پر تھے۔ وہ بچے کی ذہانت پر حیران ہوئے اور حیرت سے پوچھنے لگے تم نے یہ نقشہ اتنی جلدی کیسے درست کر لیا۔ بچے نے معصومیت سے بتایا کہ ابو! جب آپ نقشے کے ٹکڑے کر رہے تھے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کے پیچھے ایک آدمی کی بڑی سی تصویر بنی ہوئی ہے۔ میں نے اس تصویر کو درست کر دیا تو دنیا کا نقشہ خود بخود درست ہو گیا۔ پس ہر آدمی کی تصویر اور شخصیت پر اس کے ماحول کا نقشہ ہے۔ وہ اپنی شخصیت کو درست کر لے نقشہ خود بخود درست ہو جائے گا۔ اگر اس کی گھر میں عزت نہیں ہے تو وہ اپنی شخصیت کو دیکھے، کیا وہ ایک مکمل شوہر ہے؟ اگر نہیں ہے تو گھر کا نقشہ بگڑ جائے گا۔ ایسے ہی معاشرہ میں، دفتر میں، یا جہاں وہ کام کرتا ہے وہاں اسے اپنی شخصیت کی خامیوں کو دور کر لینا چاہیے۔ وہاں کا نقشہ خود بخود درست ہو جائے گا۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہر بندہ دوسرے کی اصلاح میں لگا ہوا ہے اور اسے ہی سب سے بڑا ثواب سمجھتا ہے۔ جبکہ اس کی اپنی تصویر پھٹی ہوئی ہے۔ اس کو جوڑنے کی کوشش کبھی نہیں کرتا۔

### دوسرا عمل ”شرم و حیا“

عزت و احترام میں اضافہ کرنے والی دوسری بڑی چیز حیا ہے۔ یعنی بندے کی گفتگو، نظر اور چال ڈھال میں حیا ہو۔ حیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حیا وہ ہے جو پسندیدہ نہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو مطلوب و محمود ہے۔ حیا کی وہ قسم جو نا پسندیدہ ہے وہ ہے کہ بندے کا حیا کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر بیان نہ کر سکا۔ علمی مسائل میں وہ حیا کی وجہ سے بول نہ سکے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



((إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجْرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ؟)) فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ ((هِيَ النَّخْلَةُ))<sup>①</sup>

درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کے مشابہ ہے۔ مجھے بتلائیے وہ کون سا درخت ہے؟“ اس پر لوگوں نے صحرائی درختوں کا خیال کیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن (بزرگوں کے ہوتے ہوئے) مجھے شرم آئی۔ آخر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ ہی بتا دیجیے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت ہے۔“

معلوم ہوا کہ دین سمجھنے اور علم حاصل کرنے میں حیاء کرنا پسندیدہ عمل نہیں۔ حیاء کی دوسری قسم جو عزت و مرتبہ کا باعث ہے اور بندے کو معزز و محترم بنا دیتی ہے وہ ہے جسے ایمان کا حصہ کہا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

((الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسِتُونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ))<sup>②</sup>

”ایمان کی ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں ہیں اور حیاء بھی ایمان کی ایک (اہم) شاخ ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ وَالْإِيمَانُ قُرْنَاءُ جَمِيعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ))<sup>③</sup>

”حیاء اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ اکٹھے ہی رہتے ہیں جب ان میں سے کوئی

① صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: طرح الامام المسألة علی اصحابہ لیختبر ما عندهم من العلم، رقم: ۶۲

② صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان، رقم: ۹ ③ (صحیح الاسناد) المستدرک

للحاکم: ۱/۷۳، رقم: ۵۸۔



ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔“

فرمائیے جو بندہ ایمان و حیا سے ہاتھ دھو بیٹھے وہ معزز کیسے رہ سکتا ہے؟

شرم و حیا عزت کا باعث کیسے؟

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(( مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ ))<sup>①</sup>

”بے حیائی جس چیز میں بھی آ جائے اسے عیب دار کر کے رہے گی اور حیا

جس چیز میں بھی ہوگی اسے مزین کر دے گی۔“

جب شخصیت عیب دار ہو جائے تو عزت میں فرق پڑتا ہے اور جب شخصیت خوبیوں سے مزین ہو تو عزت بڑھ جاتی ہے۔ حیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی چال ڈھال اور گفتگو میں وقار پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی روحانیت بڑھ جاتی ہے اور اس کی شخصیت میں ایک طرح سے روحانی جلال آ جاتا ہے۔ جبکہ بے حیائی خواہ بندہ سات پردوں میں بھی چھپ کر کرے اس کے گندے اثرات ایمانی حرارت کو کم کر دیتے ہیں اور یوں اس کی شخصیت مردہ ہو جاتی ہے۔ حیا دار لوگوں کی قدر و منزلت لوگوں کے ہاں کس طرح بلند ہوتی ہے اس کی مثال درج ذیل روایت ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار باغ (بیرار لیس) میں داخل ہوئے اور مجھے حکم دیا کہ میں دروازے پر پہرہ دوں۔ اتنے میں ایک آدمی آیا اس نے اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے اجازت دو اور اسے جنت کی خوشخبری دے دو۔“ میں نے دروازہ کھولا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ایک اور آدمی نے آ کے اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے بھی اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری دے دو۔“ میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اجازت مانگنے لگا۔ آپ ﷺ

① سنن الترمذی، او اب البرو الصلة، باب: ماجاء فی الفحش و التفحش: ۱۹۷۴



تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا: ”اسے اجازت دے دو اور اسے جنت کی خوشخبری دے دو مگر ایک آزمائش کے ساتھ جو اسے پہنچے گی۔“ میں نے دروازہ کھولا دیکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ قَاعِدًا فِي مَكَانٍ فِيهِ مَاءٌ قَدِ انْكَشَفَ عَنْ رُكْبَتَيْهِ  
أَوْ رُكْبَتِهِ فَلَمَّا دَخَلَ عُثْمَانُ غَطَّاهَا<sup>①</sup>

نبی ﷺ پانی کی جگہ اپنے گھٹنے یا گھٹنا کھولے بیٹھے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا گھٹنا ڈھانک لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شرم و حیا کا خیال کرتے ہوئے نبی ﷺ نے گھٹنا ڈھانک لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہت بڑے شرف کی بات ہے کہ ان کے شرم و حیا کی وجہ سے نبی ﷺ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔

شرم و حیا کی وجہ سے عزت میں اضافہ سے متعلق ایک اور مثال درج ذیل ہے:

ایک دن رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک نوجوان نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کی رسول ﷺ! مجھے زنا کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ دربار نبوی میں موجود صحابہ نے جب نوجوان کی گفتگو سنی تو سخت ناراض ہوئے، غصے سے ان کی رگوں میں خون تیز ہو گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور خود نوجوان کو اپنے قریب کیا اور اس سے فرمایا: ”بتاؤ! تم کیا چاہتے ہو؟“ نوجوان کہتا ہے: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”نوجوان! جس کام کی اجازت تو مانگ رہا ہے کیا تو چاہے گا کہ تیری ماں کے ساتھ یہی کیا جائے؟“ نوجوان نے کہا: قربان جاؤں، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہرگز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ کام نہیں چاہتے۔ کیا تو پسند کرے گا کہ تیری بیٹی کے ساتھ یہ کام ہو؟ نوجوان نے کہا: ”نہیں! اللہ کے رسول! اللہ کی قسم میں ایسا نہیں چاہتا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۶۹۵



نے فرمایا: ”لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے یہ کام نہیں چاہتے۔ کیا تو اپنی بہن کے ساتھ اس کام سے راضی ہے؟“ اس طرح آپ نے پھوپھی اور خالہ کا بھی نام لیا۔ نوجوان ہر ایک کے جواب میں کہتا رہا: قربان جاؤں، ہرگز نہیں! پھر نبی کریم ﷺ نے نوجوان کو سمجھایا کہ بالکل اسی طرح کوئی بھی آدمی اسے گوارا نہیں کرے گا کیونکہ جب کسی بھی عورت سے زنا کا ارتکاب کیا جائے تو وہ کسی کی ماں، بہن، بیٹی اور پھوپھی یا خالہ ہی ہوگی۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کے لیے تین دعائیں فرمائیں:

((اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ))

”الہی! اس کی مغفرت فرما دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔“

راوی کا بیان ہے:

((فَلَمْ يَكُنْ بَعْدَ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ))<sup>①</sup>

”اس کے بعد نوجوان کسی برائی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہ تھا۔“

اس نوجوان نے جب زنا کی اجازت مانگی تب اس میں حیا کی صفت کم تھی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی عزت کرنے کی بجائے اسے پیٹنا چاہا، لیکن جب وہی نوجوان شرم و حیا کی صفت سے مزین ہو گیا تو لوگ اس کی عزت کرتے ہوئے اس کی تعریف کرنے لگے۔ حیا ہمیشہ خیر و برکات کا باعث ہی بنتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ))<sup>②</sup>

”حیا صرف خیر ہی لاتی ہے۔“

یعنی شرم و حیا کے نتیجے میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے۔ کبھی عزت کم نہیں ہوتی، بلکہ بڑھتی ہی ہے۔

① (صحیح) مسند احمد: ۲۲۲۱۱ ② صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب: الحياء: ۶۱۱۷؛

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: شعب الایمان: ۳۷۔



## تیسرا عمل ”میٹھا بول“

عزت میں اضافے کے لیے زبان کی مٹھاس اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زبان کی مٹھاس اور چہرے کی مسکراہٹ دوسرے کے دل میں اتر جاتی ہے اور چند ہی بار کی گفتگو دوسرے بندے کو اپنا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ جیسے چہرے کی مسکراہٹ اور زبان کی شیرینی جادو اثر دکھاتی ہے، ویسے ہی زبان کی تلخی اور چہرے کے شکن دوسرے آدمی کے دل میں نفرت کے نقطے لگا دیتے ہیں۔ اگر کسی شخصیت میں زبان کا صحیح استعمال اور شرم و حیا دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ بندہ نہ صرف لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاتا ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں بھی معزز ہو جاتا ہے اور یہی چیز اسے جنتی بنا دیتی ہے۔ اس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يَضْمَنُ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ))<sup>①</sup>

”جو شخص مجھے اپنے جبروں کے درمیان زبان اور اپنی ٹانگوں کے درمیان شرم

گاہ کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔“

ایک موقع پر نبی ﷺ نے حفاظت زبان کو اللہ اور آخرت پر ایمان کی علامت قرار دیا

ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ كَانَ

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُقِلْ خَيْرًا

أَوْ لِيَضْمَنْ))<sup>②</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے

① صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب: حفظ اللسان ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا، رقم: ۶۴۷۴

② صحیح البخاری، کتاب الادب، باب: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، رقم: ۶۰۱۸



فرمایا: ”جو اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیے جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہیے اور جس کا اللہ اور قیامت پر ایمان ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“

یعنی اس کا اچھی بات کہنا یا پھر خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

یہاں یہ نقطہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک دل میں ایمان نہ ہو، بندے کے دل میں مسجد اور ایمان والوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ اسے مسجد بری لگتی ہے، اہل ایمان سے نفرت محسوس ہوتی ہے، اس کے دل کو فحش گانوں سے سکون ملتا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت سے وہ دور بھاگتا ہے۔ اس کے پاس فارغ وقت ہو تو اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ ناول پڑھ لے، تاش سے دل بہلا لے، لیکن اللہ کے ذکر سے اسے گھٹن ہوتی ہے۔ مگر جیسے ہی ایمان کی مٹھاس دل میں داخل ہوتی ہے یہ سارے ہی پیمانے بدل جاتے ہیں۔ جیسے ثمامہ بن اثال کو وہی چہرہ جو اچھا نہیں لگتا تھا۔ محبوب دکھائی دیتا ہے وہی شہر جو دنیا کے تمام شہروں سے بُرا لگتا تھا وہی پرکشش بن جاتا ہے۔ اسی کیفیت کا اظہار ہند بنت عقبہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔ چنانچہ روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ قَالَتْ:  
يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ مِنْ أَهْلِ خِבَاءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ  
يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ  
خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ ①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہند بنت عقبہ رضی اللہ عنہا  
آئیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک وقت دنیا میں کسی خاندان

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: ذکر ہند بنت عقبہ، رقم: ۳۸۲۵



کی ذلت مجھے آپ کے خاندان کی ذلت سے زیادہ پسند نہیں تھی لیکن اب روئے زمین پر کسی خاندان کی عزت مجھے آپ کے خاندان کی عزت سے زیادہ محبوب نہیں۔

نبی ﷺ کی شخصیت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے آئیڈیل اور کامل و اکمل شخصیت ہے۔ جتنی خوبیاں آپ ﷺ کی ذات میں موجود تھیں، دنیا کے کسی انسان میں اتنی خوبیاں نہ تھیں، نہ ہوں گی۔ بلکہ ہر خوبی کا نقطہ عروج اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اسے صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات میں ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود آپ ﷺ کو نرمی کا حکم دیا گیا اور فرمایا کہ آپ اگر سخت دل ہوتے تو لوگ کبھی آپ کی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھاتے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾<sup>①</sup>

”اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔“

باوجود دیگر اعلیٰ ترین خوبیوں کے، صرف ایک دل کی نرمی اور زبان کی مٹھاس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ارد گرد جمع ہو جانے والوں کا حلقہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ زبان کی مٹھاس کا تلخی میں بدل جانا دوست احباب کے حلقہ کو کم کر دیتا ہے۔ لوگوں کی محبتوں میں بال آ جاتا ہے اور یہی چیز عزت و مرتبہ کو گھٹا دیتی ہے۔ یقین کر لیں جو بندہ اپنی شخصیت کو تکبر، غصہ اور تلخی کا پانی پلائے گا وہ اس کڑوے درخت کی مانند ہو جائے گا جس سے جانور بھی دور بھاگتے ہیں اور جو خندہ پیشانی، نرمی اور مٹھاس کے پانی سے خود کو سیراب کرے گا وہ اس درخت کی مانند ہو جائے گا جس کی شاخیں پھلوں سے جھکی پڑی ہیں اور وہ اپنے شیریں پھل کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں سما یا ہوا ہے۔ پس مٹھاس والا درخت لوگوں کی نظروں میں معزز ہے اور کڑوا لوگوں کی نظروں سے دور ہے۔ یہی حال انسان کا

① آل عمران: ۱۰۹



ہے۔ ایک مال کی وجہ سے عزت ہوتی ہے اور ایک اخلاق کی وجہ سے۔ اگر مال و اخلاق دونوں مل جائیں تو بندہ لوگوں کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے۔ اگر مال نہ ہو اور اخلاق ہو تو اخلاق بہت حد تک مال کی کمی کو پورا کر دیتا ہے۔ اگر مال ہو اور اخلاق نہ ہو تو مال کبھی بھی اخلاق کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔ مال کا اچھا استعمال نیک نامی اور عزت کا باعث ہے اور برا استعمال ہے تو بدنامی ہے۔ ذیل کی روایت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، فَقَالَ: ((إِنِّي مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقِيلَ لَهُ مَا شَأْنُكَ تُكَلِّمُ النَّبِيَّ ﷺ وَلَا يُكَلِّمُكَ؟ فَرَأَيْنَا أَنَّهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرَّحْضَاءُ، فَقَالَ: ((أَيْنَ السَّائِلُ؟)) وَكَأَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ: ((إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنْ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ إِلَّا أَكَلَةَ الْخَضِرَاءِ، أَكَلْتُ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا، اسْتَقْبَلْتُ عَيْنَ الشَّمْسِ فَتَلَطَّتْ وَبَالَتْ وَرَتَعَتْ وَإِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ مَا أُعْطِيَ مِنْهُ الْمَسْكِينُ وَالْيَتِيمَ وَابْنَ السَّبِيلِ أَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((وَإِنَّهُ مَنْ يَأْخُذْهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ، كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَيَكُونُ شَهِيدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))<sup>①</sup>

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے جب ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: ”میں اپنے بعد تمہارے حق میں دنیا کی شادابی اور اس کی زیبائش سے ڈرتا ہوں جس کا دروازہ تمہارے لیے کھول دیا جائے گا۔“ اس پر ایک

① صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب: الصدقة علی الیتامی، رقم: ۱۴۶۵



شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اچھی چیز بھی برائی پیدا کرے گی؟ آپ خاموش ہو گئے اس شخص سے کہا گیا کہ کیا معاملہ ہے تو لب کشائی کیے جا رہا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ تجھ سے گفتگو نہیں فرماتے۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے چہرہ مبارک سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا: ”سائل کہاں ہے؟“ گویا آپ نے اس کی تحسین فرمائی، پھر فرمایا: ”بات یہ ہے کہ اچھی چیز برائی تو پیدا نہیں کرتی لیکن فصل ربیع ایسی گھاس بھی پیدا کرتی ہے جو جانور کو مار ڈالتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے۔ مگر اس سبزہ خور جانور کو جو یہاں تک کھائے کہ اس کی دونوں کوکھ بھر جائیں پھر وہ دھوپ میں آ کر لیٹ جائے اور لید اور پیشاب کرے اور پھر چرنے لگے۔ بلاشبہ یہ مال بھی سرسبز و شیریں ہے اور مسلمان کا بہترین ساتھی ہے مگر اس وقت جب اس سے مسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے۔“ یا نبی ﷺ نے اس قسم کی کوئی اور بات ارشاد فرمائی اور (فرمایا) ”جو شخص اس مال کو ناحق لے گا وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو کھاتا جائے مگر سیر نہ ہو، ایسا مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔“

اللہ تعالیٰ کی جانب سے مال کا عطا ہونا بہت بڑا انعام ہے اور اس سے بھی بڑا انعام یہ ہے کہ جن ہاتھوں تک مال پہنچا ہے وہ اس کے استعمال سے بخوبی واقف ہوں اور مال والے حدیث کے مطابق اس جانور کی مانند نہ ہوں جو کھاتا ہی چلا جاتا ہے، سیر نہیں ہوتا۔ حالانکہ موسم بہار کا سبزہ جانور کے لیے دلفریب مال تھا۔ مگر اس مال نے اس کو بیمار کر دیا۔ بالکل ایسے ہی اگر مال کے ساتھ اخلاق بگڑ جائے تو اس کا پہلا بُرا اثر انسان کی شخصیت پر یہ پڑتا ہے کہ عزت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ لوگ صرف پیٹ کے لیے رقم کے ہی محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ عزت و احترام کے بھی حاجت مند ہیں۔ اگر ان سے اچھے اخلاق سے پیش نہ آیا جائے تو ان کے دلوں سے اس کے لیے عزت نکل جاتی ہے۔



## چوتھا عمل ”اصول پسندی“

وہ خوبیاں جن کی وجہ سے نبی ﷺ لوگوں میں محبوب اور معزز ترین ذات بن گئے ان میں آپ کی ایک خوبی اصول پسندی بھی تھی۔ بطور مثال دو حدیثیں درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتِ النَّبِيَّ ﷺ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ أَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ فَقَالَ: ((يَا غُلَامُ، أَتَأْذُنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخُ)) قَالَ: مَا كُنْتُ لِأَوْثَرِ بِفَضْلِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ<sup>①</sup>

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا، آپ نے اس میں سے پیا، اس وقت آپ کے دائیں جانب ایک کم سن لڑکا بیٹھا ہوا تھا، جبکہ بائیں طرف سب عمر رسیدہ لوگ تھے۔ آپ نے اس لڑکے سے فرمایا: ”برخوردار! کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں بقیہ پانی ان بڑے لوگوں کو دے دوں؟“ اس نے عرض کیا: میں آپ کے بچے ہوئے پانی پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا، چنانچہ آپ نے وہ پیالہ اس کو عنایت فرما دیا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: حَلَبْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ شَاةَ دَاجِنٍ، فِي دَارِي وَشِيبَ لَبْنَهَا بِمَاءٍ مِنَ الْبَيْرِ الَّتِي فِي دَارِي، فَأَعْطَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الْقَدَحَ فَشَرِبَ مِنْهُ، حَتَّى إِذَا نَزَعَ الْقَدَحَ مِنْ فِيهِ، وَعَلَى يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: عُمَرُ وَخَافَ أَنْ يُعْطِيَهُ الْأَعْرَابِيَّ أَعْطَى أَبَا بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِنْدَكَ فَأَعْطَاهُ الْأَعْرَابِيَّ الَّذِي عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ قَالَ: ((الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ))<sup>②</sup>

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول

① صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب فی الشرب، رقم: ۲۳۵۱

② صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب: فی الشرب، رقم: ۲۳۵۲



اللہ ﷺ کے لیے اپنے گھر کی ایک پالتو بکری کا دودھ دھویا اور گھر والے کنویں کا پانی لیا اور اس میں ملا دیا، پھر اسے ایک پیالے میں ڈال کر رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کیا جسے آپ نے نوش فرمایا۔ جب آپ نے پیالہ منہ سے جدا کیا تو اس وقت آپ کے بائیں جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دائیں جانب ایک دیہاتی بیٹھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندیشہ کے پیش نظر کہ آپ اپنا پس خوردہ دیہاتی کودے دیں گے، عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیجیے جو آپ کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ مگر آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اپنے دائیں جانب والے دیہاتی کو عنایت کر کے فرمایا: ”دائیں طرف والا زیادہ حقدار ہے پھر جو اس کی دائیں جانب ہو۔“

مذکورہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ ﷺ نے اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔ پہلی حدیث میں دائیں جانب بچہ ہے اور بائیں جانب ایک بزرگ آدمی۔ آپ ﷺ نے بزرگ کی وجہ سے اپنے اصولوں کو نہیں توڑا۔ دوسری حدیث میں دائیں جانب دیہاتی اور بائیں جانب ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود آپ نے اپنے اصول کو نہیں توڑا۔ یہی اصول پسندی آپ ﷺ کی ساری زندگی میں موجود ہے۔ جو بندہ بے ہنگم زندگی گزارتا ہے، کوئی اصول نہیں، جدھر زور لگا، لگا دیا۔ وہ نہ اپنی منزل پر پہنچ پاتا ہے اور نہ کامیاب ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے اصولوں سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ ہاں رائے میں آپ ﷺ کبھی نہیں اڑے اور نہ ضد کی۔ اصول اور رائے میں فرق ہے۔ اصول ایک خاص طریقے کا نام ہے۔ جبکہ رائے ایک مشورہ کے طور پر ہوتی ہے۔ جو بندہ اپنے مشورہ یا رائے کو آڑر سمجھتا ہے، جلد ہی لوگ اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ رائے کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر مناسب لگے تو یہ راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور نبی ﷺ نے اپنی رائے کو کبھی زبردستی نافذ نہیں کیا۔ اس کی مثال درج ذیل روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا حَاصَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ



الطَّائِفَ فَلَمْ يَنْلِ مِنْهُمْ شَيْئًا، قَالَ: ((إِنَّا قَافِلُونَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) فَثَقُلَ عَلَيْهِمْ وَقَالُوا: نَذْهَبُ وَلَا نَفْتَحُهُ وَقَالَ مَرَّةً ((نَقُفُّ)) فَقَالَ: ((اغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ)) فَغَدُوا فَأَصَابَهُمْ جِرَاحٌ فَقَالَ: ((إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) فَأَعْجَبَهُمْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ ①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو دشمن سے کچھ نہ پاسکے۔ آخر آپ نے فرمایا: ”ہم ان شاء اللہ کل یہاں سے لوٹ جائیں گے۔“ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری اور کہنے لگے ہم فتح کے بغیر کیوں واپس جائیں؟ آپ نے فرمایا: ”اچھا صبح جنگ کرو۔“ چنانچہ انہوں نے جنگ کی اور زخمی ہو گئے پھر آپ نے فرمایا: ”کل ان شاء اللہ ہم واپس چلیں گے۔“ یہ سن کر لوگ بہت خوش ہوئے تو نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی۔

نبی ﷺ نے ایک رائے دی تھی جب صحابہ پر یہ چیز گراں گزری، آپ خاموش ہو گئے اور ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے روانگی کو اگلے دن پر ملتوی کر دیا اور دوسرے دن صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ چل گیا کہ آپ ﷺ کی رائے پر عمل کر لینا ہی درست تھا۔ اس انداز سے صاحب الرائے کی عزت مزید بڑھ جاتی ہے۔

پانچواں عمل ”جنس کا وقار برقرار رکھیے“

عزت کے حصول میں ضروری ہے کہ بندہ جس جنس سے تعلق رکھتا ہے اس کے اندر اسی جنس کا وقار ہو۔ مرد ہے تو اس کے اندر مردانہ وقار ہونا چاہیے۔ عورت ہے تو اس کے اندر نسوانی وقار ہونا چاہیے۔ مرد اگر عورت کی مشابہت اختیار کرے تو اس سے مردانگی کا رعب ختم ہو جائے گا اور عورت اگر مرد کی مشابہت اختیار کرے تو اس کے نسوانی حسن پر فرق پڑے گا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان، رقم: ۴۳۲۵



ہیں اور ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

نوجوان طبقہ آج کل اس بات کا شکوہ کرتا ہے کہ انہیں معاشرے میں عزت نہیں دی جاتی۔ انہیں سب سے پہلے اپنی شخصیت اور سراپا کا جائزہ لینا چاہیے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو دس رنگ کی پٹیاں لگا کر قمیص سلواتے ہیں، کلین شیو کروا کر شانوں تک لمبے بال رکھ لیتے ہیں اور عورتوں کی طرح ان میں ربن باندھ لیتے ہیں یا رنگ لگا لیتے ہیں۔ اس کیفیت میں جب وہ نخرے سے مسکرا کر بات کریں گے تو سنجیدہ طبقہ کبھی بھی انہیں احترام کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ وَن دینگ کرنا، بازاروں میں شور و غل کرنا، ہونگ کرنا اور ٹریفک قوانین توڑتے ہوئے ناز و ادا سے موٹر سائیکل چلانا یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جنہیں معزز لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے کم فہمی کی دلیل ہے۔ کیا ہمارے لیے آئیڈیل شخصیت نبی ﷺ کی ذات اقدس نہیں؟ آپ کا بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا دیکھ لیں، سب ہی بے مثال ہیں۔ بلکہ بچپن کا یہ واقعہ کس قدر بصیرت افروز ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ: يَا ابْنَ أَخِي لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَهُ عَلَى مَنْكَبِكَ دُونَ الْحِجَارَةِ، قَالَ: فَحَلَلْتُهُ فَجَعَلْتُهُ عَلَى مَنْكَبِيهِ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذَلِكَ عُرْيَانًا ﷺ<sup>①</sup>

رسول اللہ ﷺ قریش کے ہمراہ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھا رہے تھے آپ نے صرف تہبند باندھا ہوا تھا۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! اپنا تہبند اتار کر اسے اپنے شانوں پر پتھر سے بچاؤ کے لیے رکھ لو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھوں پر رکھ لیا تو آپ اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب: كراهية التعري في الصلاة، رقم: ۳۶۴



مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی شکل و صورت باوقار مردوں جیسی بنائے۔ گفتگو میں مردانگی کا حسن ہو۔ مرد عورت کی مشابہت اختیار کرے گا یا عورت میں مردوں کی مشابہت آئے گی تو ان کی عزت میں بھی فرق آئے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدِي مُخْنَثٌ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أُمِّيَّةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الطَّائِفَ غَدًا، فَعَلَيْكَ بِابْنَةِ غَيْلَانَ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا يَدْخُلَنَّ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ))<sup>①</sup>

نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا اور عبد اللہ بن ابی امیہ سے کہہ رہا تھا: اے عبد اللہ! اگر کل اللہ تعالیٰ طائف فتح کر دے تو تم دختر غیلان کو لے لینا، کیونکہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکن پڑتے ہیں اور جب وہ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو آٹھ بل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ”آئندہ یہ مخنث تمہارے پاس ہرگز نہ آئے۔“

یعنی نہ وہ عورتوں کی طرح گھر میں داخل ہو سکتے ہیں اور نہ مردوں کی طرح ان کی مجالس میں بیٹھ سکتے ہیں۔ یہی حال اس مرد کا ہے جو اپنے بالوں کو عورتوں کی طرح سنوار کر اپنی گفتگو اور چال ڈھال میں عورتوں والا انداز اختیار کرتا ہے۔

چھٹا عمل ”دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرنا“

نبی کائنات ﷺ کی ذات مقدس میں ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ ہمیشہ دوسروں کے لیے آسانی پیدا فرماتے اور اسی وصف نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت کو بڑھا دیا، چنانچہ نبی ﷺ کو جب بھی دو باتوں میں کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے آسان راستے کا انتخاب فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

① صحیح البخاری، باب المغازی، باب: غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان، رقم: ۴۳۲۴



مَا خَيْرَ رَسُولٍ اللَّهُ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ بِهَا<sup>①</sup>

رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ اسی بات کو اختیار فرماتے جو آسان ہوتی بشرطیکہ گناہ نہ ہو لیکن اگر وہ بات گناہ ہوتی تو آپ سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور رہتے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت کے خلاف کام کیا جاتا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔

یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے کہ بندہ تنگ راستے کا انتخاب کرے اور نفس کو عذاب دینے والی جان توڑ عبادت کرے۔ عبادت کسی فن کا نام نہیں ہے بلکہ یہ خلوص و محبت سے رب تعالیٰ کے سامنے جھکنے کا نام ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ عمل پسندیدہ ہے جو اگرچہ تھوڑا ہو لیکن اس پر ہمیشگی کی جائے اور اگر کبھی کسی صحابی نے عبادت میں ایسے راستے کا انتخاب کیا جس میں دوسروں کے لیے دقت تھی تو آپ نے اسے فوراً روکا ہے، بلکہ اس پر غصے کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوَّلُ بِنَا فُلَانٍ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: ((أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مُنْفِرُونَ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ))<sup>②</sup>

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے نماز باجماعت پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔ کیونکہ فلاں شخص نماز بہت لمبی پڑھاتا ہے۔ (ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: صفة النبي ﷺ، رقم: ۳۵۶۰

② صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظة والتعليم إذا رأى ما يكره، رقم: ۹۰



کو نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ کبھی غصہ میں نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ”لوگو! تم دین سے نفرت دلانے والے ہو۔ دیکھو جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار، ناتواں اور صاحب حاجت بھی ہوتے ہیں۔“

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے سختی پیدا کرنا نفرت کا باعث ہے اور آسانی پیدا کرنا محبت کو فروغ دیتا ہے۔ جب بندہ دوسرے کے لیے آسانی کا راستہ کھولتا ہے تو یہ درحقیقت ایک اعتبار سے احسان ہوتا ہے اور شریف آدمی پر احسان کیا جائے تو وہ مدتوں اسے یاد رکھتا ہے۔



## پریشانیوں سے نجات کی خواہش

ہماری پچاس فیصد پریشانیاں صرف ذہنی سوچ کی رہیں منت ہیں۔ ہم اگر منفی سوچ کی بجائے مثبت سوچ اپنالیں تو پچاس فیصد پریشانیوں سے نجات پاسکتے ہیں۔ بدگمانی منفی سوچ کی پیداوار ہے جو بندے کے لیے ذہنی اذیت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ حسد، بغض، کینہ و کدورت کے پیچھے منفی سوچ کا فرما ہے۔ کیا حسد بندے کے لیے اذیت کا باعث نہیں کہ وہ اپنی ہی آگ میں جل مر رہا ہے۔ روحانی امراض کی بہت بڑی وجہ منفی سوچ ہے اور تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں تو نظر آئے گا کہ صرف ذہنی سوچ سے ہی پچاس فیصد پریشانیوں سے نجات پائی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنالیں تو ٹکراؤ، گھیراؤ سے نجات مل جاتی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ، فَقَالَ لَهُ: أَسْرَقْتَ؟ قَالَ: كَلَّا

وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيسَى: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَذَّبْتُ عَيْنِي))<sup>①</sup>

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے

پوچھا: کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! جس کے علاوہ

کوئی معبود برحق نہیں میں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں

اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے اور پوچھنے سے وہ بندہ چوری سے رُک گیا ہوگا اور ندامت

و پشیمانی کے عالم میں اس نے قسم اٹھالی کہ میں نے چوری نہیں کی۔ چونکہ وہ چوری سے رُک گیا

تھا اور فی الواقع اس نے چوری نہیں کی تھی، اس لیے اس کے قسم اٹھالینے پر عیسیٰ علیہ السلام نے اسے

① صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: قول اللہ واذکر فی الكتاب مریم، رقم: ۳۴۴۴



نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذات پر بات لے لی اور اس سے الجھنے کی بجائے اس کے عیب پر پردہ ڈال دیا اور گفتگو کا یہ انداز ہی اس آدمی کی اصلاح کے لیے کافی تھا۔ گھر کے اندر بھی منفی سوچ کو مثبت میں بدل کر اور نظر اندازی کی پالیسی اپنا کر کئی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔

مثبت اور منفی سوچ میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ منفی سوچ سے ذہنی اذیتیں اور پریشانیاں بڑھتی ہیں جبکہ مثبت سوچ سے پریشانیاں کم ہوتی ہیں۔ منفی سوچ سے تعلقات متاثر ہوتے ہیں اور مثبت سوچ سے رشتے برقرار رہتے ہیں۔ ایک جنگ کے موقع پر ایک انصاری اور مہاجر میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں اپنے اپنے فریقوں کو پکارنے لگے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا  
لِلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لِلْمُهَاجِرِينَ، فَسَمِعَ ذَاكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:  
فَقَالَ: ((مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَسَعَ رَجُلٌ  
مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: ((دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ))<sup>①</sup>

ایک آدمی نے جس کا تعلق مہاجرین سے تھا، انصار کے ایک آدمی کو لات مار دی تو انصاری نے (مدد کے لیے) فریاد کی: اے انصار! دوڑو اور مہاجر نے پکارا اے مہاجرین! دوڑو یہ آواز نبی ﷺ نے سنی تو فرمایا: ”کیا تم جہالت والی پکار لگانے لگے۔“ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک مہاجر نے انصاری کو لات مار دی ہے، تو آپ نے فرمایا: ایسی جہالت کی باتیں چھوڑ دو اور یہ بالکل ناپاک باتیں ہیں۔“

گویا آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ ”ایسی جہالت کی باتیں چھوڑ دو یہ بالکل ناپاک باتیں ہیں“ اس بات کی تعلیم تھا کہ منفی سوچ چھوڑ دو۔ منفی سوچ سے

① صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب: قوله سواء عليهم أستغفرت لهم أم لم تستغفر لهم



جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ آپ ﷺ ایسے سنگین مواقع پر اگر مثبت سوچ کی تعلیم نہ دیتے، عرب کے جھگڑے کبھی ختم نہ ہوتے۔ عبداللہ بن ابی منافق بھی اس موقع پر موجود تھا۔ یہ وہ بندہ تھا کہ جس کا ذہن ساری عمر منفی سوچ کا مرکز بنا رہا۔ یہ ساری عمر خود بھی پریشانی میں مبتلا رہا اور دوسروں کے لیے بھی درد سر بنا رہا۔ یہ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کہنا لگا:

أَوْقَدْ فَعَلُوا وَاللَّهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا  
الْأَذَلَّ ①

اگر مہاجرین غالب آگئے تو اللہ کی قسم! اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو ضرور جو عزت والا ہے ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا۔ ان الفاظ میں جہاں رسول اللہ ﷺ کی گستاخی تھی، وہاں انصار کے لیے بھی برا بیخستگی تھی اور جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو اس وقت عمر بن خطاب بھی موجود تھے، وہ جلال میں آگئے اور کہنے لگے:

دَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَضْرِبُ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:  
(دَعُهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ) ②

اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا نہ کر، جانے دے، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔“

یہ آپ ﷺ کی مثبت سوچ تھی کہ اگر میں نے اس کو قتل کروا دیا تو حالات سازگار نہیں رہیں گے۔ نبی ﷺ ہمیشہ مثبت سوچتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ عبداللہ بن ابی ہمیشہ منفی سوچتا اور اس پر عمل کرتا رہا۔ ایک اپنی مثبت سوچ سے عظیم تر ہو گیا اور ایک منفی سوچ سے آج تک نفرت کا نشان بنا ہوا ہے۔ یہ منفی سوچ تعلقات کو کیسے متاثر کرتی ہے، اس کی

① البخاری، کتاب التفسیر باب قوله يقول لئن رجعنا الى المدينة، رقم: ٤٩٠٧

② البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله يقولون لئن رجعنا الى المدينة، رقم: ٤٩٠٧



مثال وہ واقعہ ہے جسے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ) فَقَالَ: ((إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ، وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أُجْبِرَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ، أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَى بُيُوتِكُمْ؟)) قَالُوا: بَلَى، قَالَ: ((لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا، لَسَلَكَتُ وَادِي الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ))<sup>①</sup>

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: ”قریش ابھی نو مسلم اور تازہ مصیبت اٹھائے ہوئے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مال غنیمت سے ان کی دل جوئی کروں۔ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو دنیا لے جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر گھروں کی طرف لوٹو۔ انہوں نے عرض کیا: ہم تو اس پر راضی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اگر اور لوگ وادی کے اندر چلیں اور انصار پہاڑی راستے پر چلیں تو میں بھی انصار کی وادی یا گھاٹی ہی کو اختیار کروں گا۔“

جب انصار کو کچھ نہ ملا تو منفی سوچ پیدا ہوئی کہ ہم آپ کی خاطر جانیں لڑاتے ہیں اور مال غنیمت اوروں کو دیا جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیالات کو بدلا کہ سوچو تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھروں کو لوٹو۔ یہ دنیا کا مال ہم یہیں بانٹ کے اکٹھے واپس چل دیں گے۔ ہم دین اور صبر و شکر کی نعمتوں کو لے کر جا رہے ہیں اور وہ اونٹ بکریوں کو لے کر جا رہے ہیں۔ منفی سوچ کے پیچھے چلتے ہوئے لڑائی کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں روک دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: غزوة الطائف، رقم: ۴۳۳۴



جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟  
فَأَنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، فَقَالَ: ((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةً  
اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))<sup>①</sup>

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور پوچھنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی  
راہ میں لڑنا کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے لڑتا ہے اور  
کوئی حمیت کے سبب جنگ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اس لیے لڑے  
کہ اللہ کے کلمے کا بول بالا ہو تو ایسی لڑائی اللہ کی راہ میں ہے۔“

آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں واضح فرمادیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرنے  
والا صرف وہی ہے جو مثبت سوچ رکھ کے اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے قتال کرتا  
ہے۔ اپنے غصہ کی آگ بجھانے کے لیے لڑنا یا ناموری و شہرت کے لیے لڑنا سب منہی  
سوچیں ہیں۔

① صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: من سأل وهو قائم عالما جالسا، رقم: ۱۲۳



## خوشیوں کی خواہش ہے تو زندگی سے پیار کیجیے

ہم اپنی زندگی کو خوشیوں سے بھر سکتے ہیں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم زندگی سے پیار کرنا سیکھ لیں۔ اسلام نے جو خودکشی سے روکا ہے تو اس میں درحقیقت یہی فلسفہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کی قدر و قیمت سمجھیں۔ یہ انسان کو ایک دفعہ ہی ملتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ، إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزِدَّادُ، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ ))<sup>①</sup>

”تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو اور نیکیاں کرے گا اور اگر بدکار ہے تو شاید توبہ کر لے۔“

موت کی خواہش سے روکنے میں بھی درحقیقت زندگی سے پیار کا درس ہے۔ زندگی سے پیار کیا ہے؟ اپنے جسم، اپنے گھر اور معاشرہ سے محبت کرنا اور بھرپور عزم کا اظہار کرنا اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جو آپ کی حقیقی خوشیوں میں رکاوٹ ڈال سکتی ہوں۔ جسم کو ہی لے لیں، اگر آپ کے پاس جسمانی صحت نہیں ہے تو آپ کی زندگی کا حسن پھیکا پڑ جائے گا۔ ایک بیمار آدمی تو ڈھنگ سے عبادت بھی نہیں کر سکتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

(( الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلِّ خَيْرٍ احْرَصُ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنُ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ ))<sup>②</sup>

① صحیح البخاری، کتاب التمنی، باب: ما یکره من التمنی، رقم: ۷۲۳۵ ② صحیح مسلم،

کتاب القدر، باب: فی الامر بالقوة وترك العجز، رقم: ۲۶۶۴



”اللہ تعالیٰ کے نزدیک قوی مومن، ضعیف مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر اور بھلائی ہے۔ تم ان کاموں کی حرص کرو جو تمہارے لیے مفید ہیں۔ (یعنی جو آخرت میں کام دیں گے) اور اللہ سے مدد مانگو اور ہمت مت ہارو اور جو تم پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہو کہ اگر میں ایسا کرتا یا ایسا کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی، لیکن یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا اور اگر مگر کرنا شیطان کے لیے راہ کھولنا ہے۔“

اگرچہ کمزور مومن بھی خیر سے خالی نہیں اس لیے کہ وہ صاحب ایمان ہے اور ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ لیکن وہ قوی مومن سے اچھا نہیں۔ اس لیے کہ طاقتور مومن اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے اور وہ نیکی کے سارے کام کمزور آدمی سے زیادہ احسن طریقہ سے انجام دے سکتا ہے۔ جسم کی کمزوری زندگی کے میدان میں پیچھے رہ جانے کا احساس دلاتی ہے اور یہ احساس ایک وقت احساس کمتری بن جاتا ہے اور یہی چیز خوشیوں کی قاتل ہے۔ جسم سے پیار یہی ہے کہ بندہ اپنی صحت کو برقرار رکھے۔ سوچے میرے معمولات میں کچھ ایسے مشاغل تو شامل نہیں جو میری جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ ان کو ترک کر دینا جسم اور زندگی سے پیار ہے اور ان کو اپنائے رکھنا درحقیقت زندگی سے نفرت ہے۔ زہر اس لیے حرام نہیں ہے کہ اس کے اندر کوئی نشہ پایا جاتا ہے، بلکہ شریعت نے اسے اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ اس میں انسانی جان کو خطرہ ہے۔ اس پر ان مشاغل کو قیاس کر لیں جن کو ہم اپنائے ہوئے ہیں مثلاً سگریٹ، شراب اور دیگر بے حیائی والے اور فحش مشاغل جو گھسن کی طرح انسانی بدن کو چاٹ رہے ہیں۔ یہ درحقیقت اپنے جسم سے نفرت ہے۔ مذکورہ حدیث کے اس فقرہ پر غور کیجیے اِحْرَصْ عَلٰی مَا يَنْفَعُكَ ”جو چیز تجھے نفع دے اس کی حرص کر“۔ اس لیے کہ نفع مند چیز سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور جو چیز وقتی سکون دینے کے ساتھ لمبا نقصان دے وہ خوشی نہیں بلکہ غم کی باعث ہے اور انسان کی کامیابی یہی ہے کہ دنیا میں نفع دینے والی چیزوں کو بھی سمیٹے اور آخرت میں نفع دینے والی چیزوں کو بھی حاصل کرے۔



زندگی سے محبت میں دوسری چیز اپنے گھر سے پیار ہے۔ اپنی اولاد سے، اپنے خاندان اور بیوی سے اس ضمن میں صحیح بخاری کی یہ روایت کس قدر بصیرت افروز ہے:

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَخَى النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَدِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَتْ: أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا، فَقَالَ: كُلْ، قَالَ: فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِأَكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، قَالَ: فَأَكَلْ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ قَالَ: نَمْ، فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ، فَقَالَ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، قَالَ سَلْمَانُ: قُمْ الْآنَ فَصَلِّ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلَاهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((صَدَقَ سَلْمَانُ))<sup>①</sup>

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کرادیا، چنانچہ ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو انہوں نے ام درداء رضی اللہ عنہا کو نہایت پراگندہ حالت میں دیکھا، انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولیں تمہارے بھائی ابو درداء رضی اللہ عنہ کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں۔ اتنے میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی آگئے انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کروایا پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: تم کھاؤ میں تو روزے سے ہوں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ بالآخر ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو

① صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب: من اقسام علی اخیہ لیفطر فی التطوع ولم یرعلیہ، رقم: ۱۹۶۸



حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نماز کے لیے اُٹھے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: سو جاؤ، چنانچہ وہ سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اُٹھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی سوئے رہو۔ جب آخر شب ہوئی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اُٹھو۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا: بے شک تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے، نیز تمہاری جان کا اور تمہاری اہلیہ کا بھی تم پر حق ہے۔ لہذا تمہیں سب کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے یہ سب معاملہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔“

اگر ہم نے اپنے جسم، اپنے گھر والوں اور دیگر لوگوں کا حق ادا نہ کیا تو وہ سب خوشیوں سے محروم رہ جائیں گے اور ان کی ناخوشی میں ہماری خوشیاں بھی کہیں گم ہو جائیں گی۔



## خواہشات کی تکمیل کے بعد ماضی کو نہ بھولیں

بعض دنیاوی خواہشات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی تکمیل کے بعد بندہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی منزل کو پایا ہے۔ ایسی خواہشات کو پالنے کے بعد بندے کو اپنے ماضی سے رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔ اس لیے کہ ماضی اگر نظروں کے سامنے رہے تو آدمی سیدھے راستے پر گامزن رہتا ہے اس کے دل میں شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ ماضی کو بھول جائے اور خواہش تک پہنچ جانے کو اپنا کمال اور ہنر سمجھے تو وہ صحیح راستے سے اکھڑ جاتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے سبب وہ نعمتیں اس سے چھین جاتی ہیں اور اسے پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں اس کی مثال موجود ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک کوڑھی، ایک اندھا اور ایک گنجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو آزمانا چاہا، چنانچہ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تجھے کیا چیز پیاری ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا رنگ اور خوبصورت کھال کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت و کراہت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض جاتا رہا اور اسے اچھا رنگ اور خوبصورت کھال عنایت ہو گئی۔ پھر فرشتے نے کہا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ لہذا اسے حاملہ اونٹنی دے دی گئی۔ فرشتے نے کہا: تجھے اس میں برکت دی جائے گی۔ پھر فرشتہ گنجنے کے پاس گیا اور اس سے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: اچھے بال ہوں اور یہ گنجا پن جاتا رہے کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے نے اس پر بھی ہاتھ پھیرا۔ اس کا گنجا پن جاتا



رہا اور بہترین بال نکل آئے۔ پھر فرشتے نے کہا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا: گائے۔ چنانچہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دے کر کہا کہ تجھے اس میں برکت دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی مجھے واپس کر دے تاکہ میں اس کے ذریعہ لوگوں کو دیکھوں آپ ﷺ نے فرمایا: پھر فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ اب یہ پوچھا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ وہ بولا: بکریاں۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری دے دی۔ چنانچہ ان دونوں کی اونٹنی اور گائے بچے جننے لگیں اور اس کی بکری بھی۔ پھر تو اس کوڑھی کے پاس جنگل بھرا اونٹ ہو گئے اور گنچے کے پاس جنگل بھر گائیں اور اندھے کے پاس جنگل بھر بکریاں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ انسانی شکل و صورت میں کوڑھی کے پاس گیا اور کہا: میں ایک مسکین ہوں سفر میں سامان وغیرہ ختم ہو گیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور تیری عنایت کے بغیر اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا میں تجھ سے اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ، اچھی جلد اور اچھا مال دیا ہے۔ مجھے ایک اونٹ دے دے تاکہ میں اس پر سوار ہو کر سفر کر سکوں۔ کوڑھی نے کہا مجھ پر اور بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا گویا میں تجھے پہچانتا ہوں تو کوڑھی تھا، سب لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو محتاج بھی تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے سب کچھ دے دیا۔ اس نے کہا: واہ! میں تو جدی پشتی مال دار چلا آ رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ پھر وہی فرشتہ اسی شکل و صورت میں گنچے کے پاس گیا۔ اس سے بھی وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا۔ گنچے نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا کوڑھی نے دیا۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ بعد میں وہ فرشتہ اسی صورت میں اندھے کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں مسافر ہوں اور دوران سفر رقم ختم ہو گئی ہے، لہذا اب میں اللہ کی مدد اور تیری توجہ کے بغیر اپنے وطن نہیں پہنچ سکتا ہوں۔ مجھے اس اللہ کے نام پر ایک بکری دے دے جس نے تیری آنکھیں



دوبارہ روشن کیں تاکہ میں اس کے ذریعے اپنا سفر طے کر سکوں۔ اندھے نے کہا: بے شک میں اندھا تھا، اللہ نے مجھے بینائی دی، میں محتاج تھا اللہ نے مجھے مال دار کر دیا، لہذا جو تو چاہے لے لے۔ اللہ کی قسم! آج جو ضرورت والی چیز بھی تو اللہ کے نام پر لے گا، تیرے اوپر کوئی تنگی نہ ہوگی۔ فرشتے نے کہا: بس تو اپنا مال اپنے پاس ہی رہنے دے، صرف تم لوگوں کا امتحان لیا گیا۔ پس اللہ تجھ سے راضی ہو گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا۔<sup>①</sup>

معلوم ہوا کہ خواہش کی تکمیل کے بعد کفرانِ نعمت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس عمل سے باری تعالیٰ کے انعامات ختم ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات پاک کو دیکھیے اگرچہ آپ ﷺ کا ماضی مثل آفتاب کے روشن اور کوثر و تسنیم کی مثل پاکیزہ تھا، لیکن آپ ﷺ نے ماضی سے کبھی رشتہ نہیں توڑا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا:

(( كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطٍ لِأَهْلِ مَكَّةَ ))<sup>②</sup>

”میں مکہ والوں کی چند قیراط کے عوض بکریاں چراتا رہا ہوں۔“

یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ﷺ ابھی نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس مختصر سے جملہ میں اس بات کا درس دے دیا ہے کہ ماضی کو یاد کرتے رہو تاکہ تم ان نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو جو اللہ نے تم پر کی ہیں اور تمہارے دل میں اس طرح تکبر بھی پیدا نہیں ہوگا۔

① صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث: ۳۴۶۴

② صحیح البخاری، کتاب الاجارہ، باب رعی الغنم علی قرائط، رقم الحدیث: ۲۲۶۲



حصہ دوم

انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم

کی خواہشات



## سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خواہشات

## ارض مقدس کے پاس دفن ہونے کی خواہش

موت کی خواہش کرنا احادیث کی رو سے منع ہے، لیکن کسی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے لیے رسول اللہ ﷺ کے شہر میں شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے:

أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ، فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: أُرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ: أَيُّ رَبِّ، ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ: فَالآنَ، فَسَأَلَ اللَّهُ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمِيَّةً بِحَجَرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((فَلَوْ كُنْتُ ثُمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ، إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكُثَيْبِ الْأَحْمَرِ))<sup>①</sup>

جب ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ایک طمانچہ رسید کیا (جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی) فرشتے نے اپنے رب کے پاس جاعرض کیا کہ تو نے مجھے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کر دی اور فرمایا کہ موسیٰ کے پاس دوبارہ جا کر کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں تو جتنے

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من احب الدفن فی الارض المقدسة أو نحوها، رقم: ۱۳۳۹



بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر بال کے بدے ایک سال کی زندگی دی جائے گی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”اے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پھر موت آئے گی۔“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو پھر ابھی آ جائے، انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں ایک پتھر پھینکنے کی مقدار کے برابر ارض مقدس سے قریب کر دے۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں وہاں ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کی قبر سرخ ٹیلہ کے پاس راستہ کے کنارے پر تمہیں دکھا دیتا۔“

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ انسان خواہ ہزاروں برس بھی جی لے ایک دن موت سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا جائے تو سینکڑوں بال ہاتھ کے نیچے آ جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اگر ایسا کر لیتے تو ان کی عمر میں بہت سے سالوں کا اضافہ ہو جاتا، لیکن موت سے جائے فرار پھر بھی نہیں ہے۔

زندگی ایک دن گزرنی ہے ضرور  
قبر میں میت اترنی ہے ضرور  
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اس حدیث سے تقدیر پر ایمان کا درس بھی ملتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تقدیر میں جتنے ماہ و سال ان کے لیے لکھے ہوئے تھے۔ ان سے زیادہ کی خواہش نہیں کی۔ بلکہ تقدیر پر رضا و رغبت کا اظہار کیا۔

### اہل علم سے ملنے کی خواہش

انسان سازی عمر سیکھتا رہتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ طالب علم رہتا ہے اور جب کوئی بندہ خود کو طالب علموں کی صف سے نکال لے اور خود کو بڑا عالم سمجھنے لگ جائے اور خیال کرے کہ میں اب تمام علوم پر دسترس حاصل کر چکا ہوں تو یہ چیز اللہ کی ناراضگی کا سبب بن



جاتی ہے۔ عالم کی شان اور عظمت یہ ہے کہ وہ خود کو عاجز سمجھے اور اپنے سے بڑے عالم سے سیکھنے کی خواہش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیغمبروں کی شخصیات کو مشعل راہ بنایا ہے بلا شک و شبہ پیغمبر اپنے زمانہ کے تمام علماء سے علم و مرتبہ میں بڑا ہوتا ہے بلکہ اس وقت کے تمام علماء اور پرہیزگاروں کو نبی سے سیکھنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم رہا ہے۔ لیکن ہماری اصلاح کے لیے پیغمبروں کی ذات سے متعلقہ واقعات بھی ہمارے سامنے رکھ دیئے کہ ہم ان سے راہنمائی لیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو اہل علم سے ملنے کی کس قدر خواہش تھی ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن لوگوں کو وعظ فرمایا جس کے اثرات یہ ہوئے:

فَاضْتِ الْعُيُونُ وَرَقَّتِ الْقُلُوبُ وَلِيَ فَأَدْرَكَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيُّ رَسُولَ  
اللَّهِ هَلْ فِي الْأَرْضِ أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ لَا فَعَتَبَ عَلَيْهِ  
اس وعظ سے لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں اور دل پگھل گئے اور  
(جب موسیٰ علیہ السلام) پیٹھ موڑ کر چلے تو آپ سے ایک آدمی ملا، اس نے پوچھا  
اے اللہ کے رسول علیہ السلام! کیا روئے زمین میں آپ سے بڑا کوئی عالم دین  
ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ”نہیں۔“ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں  
آزمائش میں ڈال دیا۔

اس لیے کہ انہیں یہ بات اللہ کے حوالے کرنا چاہیے تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر  
وحی کی کہ دو دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ”خضر“ ہے، جو تم سے زیادہ عالم ہے۔  
موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میں اسے کیسے مل سکتا ہوں؟ فرمایا: ”اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو،  
جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے، وہیں وہ بندہ ملے گا۔“

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لی اور اپنے خادم یوشع بن نون کو  
ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے، راستے میں ایک چٹان پر پہنچے تو نیند آ گئی اور چٹان پر اپنا سر



رکھ کر سو گئے (خادم جاگ رہا تھا) اچانک اس وقت مچھلی زنبیل میں سے تڑپ کر نکلی اور دریا میں جاگری اور سرنگ کی طرح کا بنا ہوا راستہ چھوڑ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس راستہ سے پانی کی روانی کو روک دیا اور سرنگ کی طرح پانی میں ایک راستہ سا بنا رہ گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کا خادم انہیں اس واقعہ کی اطلاع دینا بھول گیا اور وہ دونوں سفر پر چل کھڑے ہوئے اور دن کا باقی حصہ اور رات بھی چلتے رہے۔ دوسرے دن صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کھانا لاؤ ہم تو اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں، تو یوشع کو یاد آیا اور انہوں نے جواب دیا کہ دیکھیے کل جب ہم نے چٹان کے پاس دم لیا تھا تو اس وقت مچھلی عجیب طرح کا راستہ بناتی ہوئی دریا میں چلی گئی تھی اور شیطان نے مجھے ایسا بھلایا کہ اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرنا ہی بھول گیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”وہی جگہ تو ہماری منزل مقصود تھی“ چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش پا کو دیکھتے دیکھتے واپس اسی چٹان تک آگئے، وہاں انہوں نے ایک شخص کو کپڑا اوڑھے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کہا تو اس نے کہا: (تم کون ہو؟) تمہارے ملک میں سلام کا طریقہ کہاں سے آیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں موسیٰ ہوں۔“ سیدنا خضر نے کہا بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہاں، میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اللہ نے آپ کو بھلائی کی باتیں سکھائی ہیں ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں۔

سیدنا خضر نے جواب دیا، موسیٰ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم میں سے ایک علم مجھے سکھایا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو سکھایا ہے، جسے میں نہیں جانتا، لہذا تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گا اور کسی معاملہ میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گا۔“ سیدنا خضر نے کہا: ”اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا، یہاں تک کہ میں خود اس کی حقیقت آپ کو بیان کر دوں۔“ اس معاہدہ کے بعد وہ دریا کے کنارے کنارے چل دیئے اور ان کا گزر ایک کشتی پر ہوا تو انہوں نے کشتی والوں سے کہا کہ ہمیں بھی سوار کر لو، کشتی والوں نے حضرت خضر کو



پہچان کر بغیر کرایہ ہی کے سوار کر لیا، ابھی وہ کشتی میں سوار ہوئے ہی تھے کہ خضر نے اس کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا اور اسے عیب دار بنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو کرایہ لیے بغیر ہمیں کشتی پر بٹھا لیا اور آپ نے ان کی کشتی کو توڑ دیا۔ کہ سب کشتی والوں کو ڈبو دویہ تم نے کیا عجیب حرکت کی؟ سیدنا خضر نے کہا: ”میں نے آپ کو بتلایا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”مجھ سے بھول ہو گئی، آپ درگزر کیجیے اور میرا کام مجھ پر دشوار نہ کیجیے۔“

دوران سفر ایک چڑیا آئی جس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر دریا سے اپنی چونچ سے پانی لیا جسے دیکھ کر سیدنا خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

مَا عَلِمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْ  
هَذَا الْبَحْرِ

اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم (دونوں مل کر) اتنا بھی نہیں ہے، جس قدر اس چڑیا نے اس دریا میں سے (چونچ سے) پانی لیا ہے۔

پھر وہ دونوں کشتی سے نکل آئے اور ساحل پر چلتے گئے۔ راستہ میں سیدنا خضر نے ایک لڑکے کو دیکھا جو دوسرے لڑکوں سے مل کر کھیل رہا تھا، خضر نے اس لڑکے کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مروڑا اور اسے جان سے مار دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: ”ارے بھائی آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ناحق مار دیا، یہ تو آپ نے بہت برا کیا۔“ سیدنا خضر کہنے لگے: میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ کام تو پہلے کام سے بھی سخت تر تھا، پھر کہا کہ اچھا اگر آئندہ میں نے آپ پر کوئی اعتراض کیا تو بے شک مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، کیونکہ آپ کی طرف سے مجھ پر اتمام حجت ہو جائے گا۔ وہ دونوں چل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچے اور بستی والوں سے کھانا طلب کیا، لیکن انہوں نے کچھ بھی کھانے کو نہ دیا۔ اتفاق سے انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے ہی والی تھی، سیدنا خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے نہ تو ہمیں کھانا دیا اور نہ ضیافت کی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے دیوار



درست کرنے کی مزدوری بھی لے سکتے تھے سیدنا خضر کہنے لگے بس اب جدائی کی گھڑی آ پہنچی اور اب میں آپ کو ان واقعات کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔<sup>①</sup>

سیدنا خضر نے کہا: ”کشتی کو عیب دار کرنے سے میری غرض یہ تھی کہ جب یہ کشتی اس ظالم بادشاہ کے سامنے جائے (جو دریا میں اچھی کشتیوں کو چھین رہا تھا) تو اسے عیب دار سمجھ کر چھوڑ دے اور کشتی والے پھر اسے درست کر لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسرے واقعہ کی تاویل یہ ہے کہ اس لڑکے کے ماں باپ ایمان دار تھے اور لڑکے کی قسمت میں کفر لکھا تھا، ہم ڈرے کہ کہیں یہ اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی میں نہ پھنسا دے، ہم نے چاہا اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر پاک و صاف لڑکا نہیں عطا کرے۔“<sup>②</sup>

### مذکورہ واقعہ اور کچھ نصیحت آموز باتیں

..... ❁ دنیا میں کوئی عالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ یہ بات اللہ کو ناپسند ہے۔

..... ❁ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے بڑے عالم کے بارے میں سنا تو بطور طالب علم کے اس سے کچھ سیکھنے کے لیے چلے گئے، اس راستے میں نہ تو ان کا علمی وقار رکاوٹ بنا اور نہ ہی دوسرے کا علمی طور پر بڑا ہونا انہیں ناگوار گزارا، بلکہ تجسس کے ہاتھوں اس بڑے شیخ سے ملنے چلے گئے اور یہی طریقہ انبیاء کا طریقہ ہے جو وارثان انبیاء کے لیے نمونہ و مثال ہے جس سے حسد کی جڑ کٹ کے رہ جاتی ہے۔

..... ❁ موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے کے علمی وقار سے متاثر ہو کر اندھی تقلید نہیں کی، کہ بڑا عالم جو چاہے کرے اسے مان لو، بلکہ جس چیز کو انہوں نے برائی سمجھا، فوراً اس پر ٹوکا، خاموش نہ رہ سکے اور حتیٰ کہ جذبہ اصلاح نے وعدہ بھی بھلا دیا۔

① صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قوله اذ قال موسیٰ لفته لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرين، رقم: ۴۷۲۵

② البخاری، کتاب التفسیر، باب مذکورہ، جامع ترمذی ابواب التفسیر ومن سورة الکہف، رقم: ۳۱۴۹



## دیدارِ الہی کی خواہش

ہر بندے کے دل میں ایک انتہائی شدید خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کو نظر بھر کے دیکھ لے۔ محبوب کے دیدار سے بندے کے دل کو تسکین اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ انبیاء کرام جو اس دنیا میں مبعوث ہوئے وہ دنیا کی محبتوں کو محبتِ الہی کے آئینہ میں دیکھتے تھے۔ جو محبت رب کی محبت سے متصادم ہوتی اسے وہ چھوڑ دیتے بلکہ دنیا کی سب محبتوں کو اللہ کی محبت پر قربان کر دیتے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام بیوی بچے کی محبت کو محبتِ الہی پر قربان کر کے حکمِ الہی سے انہیں بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئے اور خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آبائی وطن کی محبت ایک طرف رکھ کے اللہ کی خاطر مدینہ ہجرت کی اور وہ رب جو انبیاء کی محبتوں کا مرکز ہے اس کے دیدار کی خواہش دل میں پیدا ہو جانا ایک فطری تجسس ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر آئے اور دن رات کی عبادت و ریاضت کے بعد جب اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا تو کلام کی لذت سے ان کے دل میں دیدارِ الہی کی خواہش پیدا ہو گئی۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِيعَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرَ إِلَيْكَ ۖ قَالَ لَنْ نَرِيكَ وَ لَكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ١٠﴾<sup>①</sup>

”اور موسیٰ علیہ السلام جب ہمارے مقرر کردہ وقت پر پہنچے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو انہوں نے التجا کر دی اے رب مجھے یارائے نظر دے کہ تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے

① سورة الاعراف: ۱۴۳



جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تو بولے پاک ہے تیری ذات میں تیرے حضور تو بہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔“

اس فانی دنیا میں فانی آنکھوں کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے۔ جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی تو بندوں پر قیامت کے دن ایک ایسا غشی کا دورہ آئے گا جس دوران ان کی آنکھوں میں وہ قوت پیدا کر دی جائے گی جس سے وہ رب تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ، قَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَهُ ذَلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْمُسْلِمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ جَانِبَ الْعَرْشِ، فَلَا أُدْرِي: أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي، أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَنَى اللَّهُ))<sup>①</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے آپس میں گالی گلوچ کی، مسلمان کہنے لگا: اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو سارے جہانوں پر برتری دی، یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام اہل جہاں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ پس یہودی

① صحیح البخاری، کتاب الخصومات، باب ما يذكر في الاشخاص والخصومة بين المسلم



نبی ﷺ کے پاس گیا، آپ سے اپنا اور مسلمان کا ماجرا کہہ سنایا۔ نبی ﷺ نے اس مسلمان کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری نہ دو کیونکہ قیامت کے دن جب سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ بھی بے ہوش کر مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا۔“

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام عبرانی زبان میں کیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ تمام زبانوں میں کلام فرما سکتے ہیں اور کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔



## سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خواہشات

مردے کیسے زندہ ہوں گے؟

ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ توحید پر مبنی تھا اور اس عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لیے انہوں نے عظیم قربانیاں دیں اور سخت آزمائشوں سے دوچار ہوئے اور یہ مصائب وہی برداشت کر سکتا ہے جسے اللہ کی ذات پر کامل اعتماد ہو اور ابراہیم علیہ السلام کا تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس قدر پختہ اعتماد تھا کہ بے خوف و خطر آگ میں کود گئے تھے۔ لیکن انسانی فطرت میں ازل سے ایک تجسس کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس تجسس کے ہاتھوں وہ ہر چیز کے متعلق جاننا چاہتا ہے اور جب کسی چیز کے متعلق پتہ چل جائے تو اس کے دل کو اطمینان ہو جاتا ہے، حالانکہ اسے پہلے بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس چیز کا، فی الواقعہ وجود ہے اور اسے کامل یقین بھی ہوتا ہے۔ تجسس کی یہ حس پیدائشی ہے۔ جیسے مشاہدہ کی بات ہے کہ چھوٹے بچے کے سامنے کھلونے پڑے ہوں تو اسے ان کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ انہیں مختلف پرزوں سے جوڑ کے بنایا گیا ہے۔ مگر پھر بھی اسے خواہش ہوتی ہے کہ وہ انہیں کھول کر دیکھے کہ یہ کیسے چلتے ہیں۔ بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا تجسس ختم ہو جاتا ہے اور دیگر چیزوں کے متعلق بڑھ جاتا ہے اور جس جس چیز کے متعلق پتہ چلتا جاتا ہے اطمینان بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اطمینان کی بنیاد مشاہدہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا بھی رب تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد تھا مگر دلی اطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ خواہش کی کہ اللہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ موت کے بعد زندگی کیسے عطا کی جائے گی۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لِمَ تُؤْمِنُ ۖ قَالِ بَلَىٰ وَ لَكِن لِّيُطَمِّئِنَّ قُلُوبُنَا ۖ قَالِ فَاخْذُ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ



عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ  
حَكِيمٌ ﴿١﴾

”اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے رب مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ فرمایا کیا تو ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا کیوں نہیں لیکن اپنی قلبی ظمانیت کے لیے کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس چار پرندے لو اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

اطمینان کی بنیاد مشاہدہ ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) کو اس بات کا تو پکا یقین تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے بلکہ وہ توحید اور آخرت کے سب سے بڑے علمبردار تھے اور اسی دعوت و تبلیغ میں ساری عمر کھپا دی۔ مگر تجسس تھا کہ دیکھوں رب تعالیٰ مردوں کو زندہ کس انداز سے فرمائیں گے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو اور یوں سدھا لو کہ وہ تمہارے آواز دینے پر بھاگے چلے آئیں۔ پھر ان کے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو۔ جب آپ انہیں آواز دیں گے تو وہ زندہ ہو کے بھاگے چلے آئیں گے۔

اس واقعہ کو قرآن حکیم میں بیان کرنے کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ ہمارا مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب و کتاب پر پختہ یقین ہو جائے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء جو مٹی میں مل کر خاک ہو گئے یا ہڈیاں جو بکھر گئی تھیں سب آپس میں جڑ جائیں گی بلکہ انگلیوں کی پوروں تک درست ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعُ عِظَامَهُ ۗ بَلَىٰ قَدِيرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ۗ﴾ ﴿٢﴾

”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں؟ کیوں

﴿٢﴾ القیامہ: ۴، ۳

﴿١﴾ البقرہ: ۲۶۰



نہیں ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں۔“  
یعنی وہ رب جو انگلیوں کی پوریں بلکہ فنگر پرنٹس ویسے کے ویسے ہی دوبارہ بنا دینے پر قادر ہے، وہ انسان کا پورا ڈھانچہ ترتیب دے کے اس میں زندگی پھونک کے حساب و کتاب کے لیے اپنے سامنے کھڑا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس کی ایک مثال صحیح بخاری میں موجود ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: دیکھو! میں تمہارا باپ کیسا تھا؟ انہوں نے کہا: بہت اچھا۔ باپ کہنے لگا: میں نے کوئی نیکی اللہ کی درگاہ میں نہیں بھیجی اگر کہیں اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو سخت عذاب دے گا۔ تم ایسا کرنا جب میں مرجاؤں تو میری لاش جلا دینا جب جل کر کوئلہ ہو جائے تب خوب پیسنا اور جس دن زور کی آندھی ہو اس دن یہ راکھ آندھی میں اڑا دینا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم اس نے اپنی اولاد سے یہی عہد لیا آخر انہوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا جلا کر راکھ کر ڈالا پھر آندھی کے دن یہ راکھ اس میں اڑا دی۔ اللہ تعالیٰ نے کُنْ کالفظ فرمایا: تو وہ شخص فوراً سامنے کھڑا تھا۔ اللہ نے پوچھا:

((أَيُّ عَبْدِي مَا حَمَلَكَ عَلَىٰ أَنْ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ، قَالَ: مُخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِّنْكَ، قَالَ: فَمَا تَلَا فَاؤُهُ أَنْ رَّحِمَهُ عِنْدَهَا))<sup>①</sup>

”اے میرے بندے یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا: اے پروردگار تیرے ڈر یا تیرے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ اس پر رحم کیا۔“

انسانی جسم خواہ مٹی بن کے غبار کی مانند ہو میں اڑ جائے یا مٹی کا حصہ بن جائے اس کے ذرات رہیں گے تو زمین پر ہی، زمین سے باہر نہیں جاسکتے۔ یہ ایک طرح سے زمین میں مقید ہیں۔ قیامت کے دن یہی ذرات ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور ہر انسان کو باری تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔

① صحیح البخاری، کتاب التوحید باب: قول اللہ تعالیٰ یریدون ان یدلوا کلام اللہ، رقم: ۷۵۰۸



## اولاد کے نمازی ہونے کی خواہش

عموماً لوگ رہائشی مکان خریدتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ جگہ ایسی ہو جو سڑک کے قریب ہو، سکول یا کالج کی سہولت ہو، پانی اچھا ہو، علاقہ تہذیب یافتہ ہو۔ لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہاں مسجد بھی ہے یا نہیں۔ آیا بچوں کو وہاں دینی ماحول میسر آ سکتا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ حکم ہوا کہ اپنے اکلوتے فرزند اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آؤ تو انہوں نے دنیاوی سہولتوں کو نظر انداز کر کے دینی ماحول کی خواہش کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ جَاءَ بِهَا (أُمُّ إِسْمَاعِيلَ) إِبْرَاهِيمَ وَبَابِنَهَا إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَهِيَ تَرْضِعُهُ حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ ثُمَّ قَفَى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُنْطَلِقًا..... حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرُونَهُ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهِؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾<sup>①</sup>

پھر ابراہیم علیہ السلام (والدہ اسماعیل) کو اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جنہیں وہ (ان دنوں) دودھ پلا رہی تھی لے آئے اور ان دونوں کو گھر (خانہ کعبہ) کے پاس بڑے درخت کے قریب مسجد کے بالائی حصے میں بٹھا دیا جہاں (اب) زم زم ہے اور تب مکہ میں کوئی نہ تھا اور نہ ہی پانی تھا، ان دونوں کو اس مقام پر چھوڑا اور خود ابراہیم علیہ السلام نے واپسی کا رخ کیا، یہاں تک کہ جب ٹیلے کے پاس پہنچے جہاں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے انہوں نے بیت اللہ

① صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب یزفون: النسلان فی المشی، جزء من رقم: ۳۳۶۴



کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر درج ذیل الفاظ کے ساتھ دُعا کی ﴿رَبَّنَا  
 إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا  
 لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی  
 وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب!  
 (یہ اس لیے) تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کے رب کے سامنے اپنی اولاد کے حوالہ سے اس  
 خواہش کا اظہار کیا کہ اللہ اس بے آباد علاقہ میں اپنی اولاد کو اگر میں نے لا بٹھایا ہے تو اس  
 لیے کہ یہ نماز قائم کریں، نمازی بنیں اور تیری عبادت کریں اور یہ بات حتمی ہے کہ اولاد کی  
 اصلاح میں نماز کی ادائیگی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ نماز دل میں تقویٰ، خوف اور  
 خشیت پیدا کر کے بندے کے اخلاق کو سنوارتی ہے۔

### اولاد کے شکر گزار ہونے کی خواہش

شکر گزاری بندے کو بے چینی اور اضطراب سے نکال کے ذہنی طمانیت اور قلبی سکون  
 عطا کرتی ہے۔ شکر اور صبر کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ عموماً شکر گزار بندہ صابر بھی ہوتا  
 ہے۔ اس لیے کہ شکر گزاری میں بندہ شکوہ و شکایات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ نے جو عنایت کیا  
 ہے اس پر قانع ہو جاتا ہے اور یہیں سے صبر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام جب  
 ایک عرصہ بعد اپنی اولاد سے ملنے کے لیے آئے اور دیکھا کہ گھر میں صبر و شکر کی بجائے شکوہ  
 و شکایت کی کیفیت ہے تو ایسے ماحول کو بدل دینے کا ارادہ کیا اور اپنی اس خواہش کو بہو کے  
 ذریعہ بیٹے تک پہنچا دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حوالہ سے  
 ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فَجَاءَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ  
 إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ، فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ



## اولاد کے نمازی ہونے کی خواہش

عموماً لوگ رہائشی مکان خریدتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ جگہ ایسی ہو جو سڑک کے قریب ہو، سکول یا کالج کی سہولت ہو، پانی اچھا ہو، علاقہ تہذیب یافتہ ہو۔ لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہاں مسجد بھی ہے یا نہیں۔ آیا بچوں کو وہاں دینی ماحول میسر آ سکتا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ حکم ہوا کہ اپنے اکلوتے فرزند اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آؤ تو انہوں نے دنیاوی سہولتوں کو نظر انداز کر کے دینی ماحول کی خواہش کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ جَاءَ بِهَا (أُمُّ إِسْمَاعِيلَ) إِبْرَاهِيمَ وَبَابِنَهَا إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَهِيَ تَرْضِعُهُ حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ ثُمَّ قَفَى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُنْطَلِقًا..... حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرُونَهُ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهِؤَلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾<sup>①</sup>

پھر ابراہیم علیہ السلام (والدہ اسماعیل) کو اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جنہیں وہ (ان دنوں) دودھ پلا رہی تھی لے آئے اور ان دونوں کو گھر (خانہ کعبہ) کے پاس بڑے درخت کے قریب مسجد کے بالائی حصے میں بٹھا دیا جہاں (اب) زم زم ہے اور تب مکہ میں کوئی نہ تھا اور نہ ہی پانی تھا، ان دونوں کو اس مقام پر چھوڑا اور خود ابراہیم علیہ السلام نے واپسی کا رخ کیا، یہاں تک کہ جب ٹیلے کے پاس پہنچے جہاں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے انہوں نے بیت اللہ

① صحیح الالبخاری، کتاب الانبیاء، باب یزفون: النسلان فی المشی، جزء من رقم: ۳۳۶۴



کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر درج ذیل الفاظ کے ساتھ دُعا کی ﴿رَبَّنَا  
 إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا  
 لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی  
 وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب!  
 (یہ اس لیے) تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کر رب کے سامنے اپنی اولاد کے حوالہ سے اس  
 خواہش کا اظہار کیا کہ اللہ اس بے آباد علاقہ میں اپنی اولاد کو اگر میں نے لا بٹھایا ہے تو اس  
 لیے کہ یہ نماز قائم کریں، نمازی بنیں اور تیری عبادت کریں اور یہ بات حتمی ہے کہ اولاد کی  
 اصلاح میں نماز کی ادائیگی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ نماز دل میں تقویٰ، خوف اور  
 خشیت پیدا کر کے بندے کے اخلاق کو سنوارتی ہے۔

### اولاد کے شکر گزار ہونے کی خواہش

شکر گزاری بندے کو بے چینی اور اضطراب سے نکال کے ذہنی طمانیت اور قلبی سکون  
 عطا کرتی ہے۔ شکر اور صبر کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ عموماً شکر گزار بندہ صابر بھی ہوتا  
 ہے۔ اس لیے کہ شکر گزاری میں بندہ شکوہ و شکایات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ نے جو عنایت کیا  
 ہے اس پر قانع ہو جاتا ہے اور یہیں سے صبر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام جب  
 ایک عرصہ بعد اپنی اولاد سے ملنے کے لیے آئے اور دیکھا کہ گھر میں صبر و شکر کی بجائے شکوہ  
 و شکایت کی کیفیت ہے تو ایسے ماحول کو بدل دینے کا ارادہ کیا اور اپنی اس خواہش کو بہو کے  
 ذریعہ بیٹے تک پہنچا دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حوالہ سے  
 ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فَجَاءَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ  
 إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ، فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ



عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَ: "نَحْنُ بَشَرٌ، نَحْنُ فِي ضَيْقٍ وَشِدَّةٍ"۔  
 فَشَكَتُ إِلَيْهِ قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكَ فَأَقْرَبِي عَلَيْهَا، وَقُولِي لَهُ: "يُغَيِّرُ عَتَبَةَ  
 بَابِهِ" فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنَّهُ أَنَسَ شَيْئًا، فَقَالَ: "هَلْ جَاءَ كُمْ  
 مِنْ أَحَدٍ؟" قَالَتْ "نَعَمْ! جَاءَ نَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلْنَا عَنْكَ،  
 فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا فَأَخْبَرْتُهُ أَنَا فِي جَهْدٍ وَشِدَّةٍ" قَالَ  
 "فَهَلْ أَوْ صَاكَ بِشَيْءٍ؟" قَالَتْ: "نَعَمْ! أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ،  
 وَيَقُولُ: غَيْرِ عَتَبَةَ بَابِكَ" قَالَ: "ذَاكَ أَبِي، وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أَفَارِقَكَ  
 الْحَقِّي بِأَهْلِكَ" فَطَلَّقَهَا، وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى

فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ، فَلَمَّ يَجِدُهُ، فَدَخَلَ  
 عَلَى امْرَأَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ، فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ  
 وَهَيْئَتِهِمْ قَالَتْ: "نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ"۔ وَأَنْتِ عَلَى اللَّهِ۔ فَقَالَ: "مَا  
 طَعَامُكُمْ؟" فَقَالَتْ: اللَّحْمُ" قَالَ: "فَمَا شَرَابُكُمْ؟" فَقَالَتْ: "الْمَاءُ"۔  
 قَالَ: "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ"۔ قَالَ: "فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكَ  
 فَأَقْرَبِي عَلَيْهَا وَمُرِيهِ يُثَبِّتُ عَتَبَةَ بَابِهِ"۔ فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: "هَلْ  
 أَتَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟" قَالَتْ: "نَعَمْ! أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ۔ وَأَنْتِ  
 عَلَيْهِ۔ فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَا  
 بِخَيْرٍ" قَالَ: فَأَوْصَاكَ بِشَيْءٍ؟" قَالَتْ: "نَعَمْ! هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ،  
 وَيَأْمُرُكَ أَنْ تُثَبِّتَ عَتَبَةَ بَابِكَ"۔ قَالَ: "ذَاكَ أَبِي وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ  
 أُمْسِكَكَ" ①

حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ اپنے ترکہ  
 (اپنے بیٹے اور اس کے اہل خانہ) کی خبر گیری کے لیے (مکہ مکرمہ) تشریف

① صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: یزفون النسلان فی المشی، رقم: ۳۳۶۴



لائے تو انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کو (گھر میں) نہ پایا۔ ان کی بیوی سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ باہر نکلے ہیں ہمارے لیے کچھ تلاش کرنے کے لیے۔ پھر ان کی گزران اور حالات کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: ہمارے حالات خراب ہیں، اور ہم تنگی اور عسرت میں مبتلا ہیں۔ اس نے ان کے روبرو (اپنے حالات کا) شکوہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”جب تیرا شوہر آئے تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ وہ اپنے گھر کی دہلیز کو تبدیل کر دیں۔“ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو انہیں اپنی عدم موجودگی میں کسی کی آمد کا کچھ احساس ہوا۔ انہوں نے (اپنی بیوی سے) دریافت کیا: ”کیا آپ کے ہاں کوئی آیا تھا؟“ اس نے جواب دیا: جی ہاں، اس اس شکل و صورت کے ایک بزرگ تشریف لائے تھے، انہوں نے آپ کے متعلق ہم سے دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلا دیا۔ انہوں نے ہماری گزران کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے عرض کیا کہ ہم تنگدستی اور مشکل حالات سے دوچار ہیں۔ انہوں نے (اسماعیل علیہ السلام) نے پوچھا: ”کیا انہوں نے تجھے کسی بات کی وصیت کی؟“ اس نے جواب دیا: جی ہاں، انہوں نے آپ کو سلام پہنچانے کا حکم دیا اور (آپ کے لیے یہ پیغام چھوڑا) کہ دروازے کی دہلیز تبدیل کر دیجیے۔ انہوں نے کہا: ”تمہارے پاس تشریف لانے والے (بزرگ) میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھ سے جدا ہو جاؤں۔ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔“ انہوں نے اس کو طلاق دے دی اور انہی (اہل مکہ) میں سے ایک اور عورت سے شادی کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ مشیت الہی کے مطابق ان کے پاس تشریف نہ لائے، پھر ان کے ہاں تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، ان کی بیوی کے پاس آئے اور ان کے بارے میں دریافت کیا۔ اس (عورت) سے ان کی



گزران اور حالات کے متعلق بھی پوچھا۔ اس نے کہا: ہم باخیریت اور خوش حال ہیں۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ انہوں نے سوال کیا: ”تمہاری خوراک کیا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”گوشت“۔ انہوں نے پوچھا ”تمہارا مشروب کیا ہے؟“ اس نے بتلایا ”پانی“۔ پس انہوں نے فرمایا: ”اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔“ نیز فرمایا: ”جب تمہارے خاوند آئیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور میرا یہ حکم سنانا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز کو پختہ کرے۔“ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا: ”کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی آیا تھا؟“ اس نے کہا: ”جی ہاں، ایک خوب رو بزرگ تشریف لائے تھے اور اس عورت نے ان کی تعریف کی۔ (آپ کے متعلق) انہوں نے دریافت کیا میں نے انہیں آپ کے متعلق بتلایا، انہوں نے ہماری گزران کے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں خبر دی کہ ہم بخیر ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”کیا انہوں نے تجھے کسی بات کی وصیت فرمائی؟“ اس نے جواب دیا ”جی ہاں، انہوں نے آپ کو سلام کہا اور دروازے کی دہلیز کو مضبوط کرنے کا حکم دیا۔“ انہوں نے فرمایا ”تیرے پاس تشریف لانے والے میرے والد تھے اور تو دہلیز ہے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے اپنے ساتھ ہی رکھوں۔“

انبیاء کرام کی زندگیاں عامۃ الناس کے لیے مینارۂ نور ہوتی ہیں۔ جس کی روشنی میں وہ اپنے لیے صحیح راستہ کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ میں ہمارے لیے کتنے ہی اسباق پنہاں ہیں۔ ہم بہو کے انتخاب میں اس بات کا اہتمام تو کرتے ہیں کہ وہ خوبصورت ہو، خاندان اچھا اور مالدار ہو اور عموماً اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہ دیندار بھی ہے یا نہیں اور یہی کوتاہی بعض دفعہ ایک دیندار گھرانے کو سنگین حالات سے دوچار کر دیتی ہے۔ صبر و شکر کے راستے سمجھوتے کے راستے ہیں جو تنگی و ترشی میں بھی کھلے



رہتے ہیں اور ان پر سفر جاری رہتا ہے۔ جبکہ بے صبری اور ناشکری کے راستے تنگ حالات میں تقریباً بند ہو جاتے ہیں اور سفر کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر بیوی صابرہ و شاکرہ ہے تو کٹھن حالات میں بھی وہ شوہر کے ساتھ مسکرا کے سفر جاری رکھے گی وہ شکوہ کرنے کی بجائے شوہر کو حوصلہ دے گی۔ جیسے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی کٹھن حالات میں مسکرا کے سفر جاری رکھا۔ شعب ابی طالب میں تین سال سے زیادہ عرصہ ایسی قید میں گزارا کہ اپنے بچوں کو بھوک سے روتا بلکتا دیکھا، لیکن زبان سے ناشکری کا ایک کلمہ بھی ادا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے رہے۔ بیوی میں اگر صبر و شکر کے جذبات نہ ہوں تو زندگی کے مشکل راستوں پر سفر اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جہاں بندے کو حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اسے حوصلہ شکنی اور ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بیوی کو سفر کا ساتھی بنانے سے روک دیا۔ جس میں ناشکری کا عنصر غالب ہو پیغمبروں پر چونکہ آزمائشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور ان کا راستہ بھی دعوت و اصلاح کا راستہ ہے جس میں بہت سی تلخ چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس وہ بندہ جس میں ناشکری کا عنصر شامل ہو وہ اس سفر میں اچھا ساتھ نہیں نبھا سکتا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ساتھی کو چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔



## رسول اللہ ﷺ کی خواہشات

ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی حیات پاک کا کوئی گوشہ ہم پر مخفی نہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کی خواہشات بھی بعض احادیث میں مذکور ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم نبی ﷺ کی خواہشات کا ذکر کریں گے۔ جن کا اظہار آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر کیا۔

مقام محمود کی خواہش

آپ ﷺ کی یہ خواہش قیامت کے دن پوری ہوگی جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کریں گے اور مقام محمود وہ جگہ ہے جہاں پر کھڑے ہو کر نبی ﷺ قیامت کے دن امت کی سفارش کریں گے۔ جیسا کہ آپ ﷺ سے مروی ہے:

((عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا، قَالَ: هُوَ الْمَقَامُ الَّذِي أَسْفَعُ لِأُمَّتِي فِيهِ))<sup>①</sup>

”آپ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی سفارش کروں گا۔“

آپ ﷺ جب اس مقام پر کھڑے ہوں گے تو تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔ بخاری میں ہے:

((فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللَّهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا يَحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ))<sup>②</sup>

① السلسلة الصحيحة ٥/٤٨٤، رقم: ٢٣٦٩، وقال الشيخ الالباني: حسن

② صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، رقم: ١٤٧٥



”پس اس دن اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائیں گے جہاں سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔“

آپ ﷺ کے لیے مقام محمود کی دعا کرنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةَ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ))<sup>①</sup>

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے، اے اللہ! اس کا مل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک، حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور بزرگی عطا کر کے انہیں مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ تو اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔“

نبی کریم ﷺ ہماری دعاؤں کے محتاج نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا رتبہ تمام لوگوں سے بلند کر دیا ہے اور ابد تک بلند رہے گا۔ آپ ﷺ کے لیے مقام محمود کی دعا کا ہمیں فائدہ ہوگا کہ بروز محشر جب کوئی سفارشی نہ ملے گا اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا تب دعا مانگنے والے کو آپ ﷺ کی سفارش نصیب ہوگی۔

کاش میں آنے والے اُمتیوں کو دیکھوں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دفعہ قبرستان تشریف لائے تو فرمایا: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَآحِقُونَ)) ”سلام ہے تم پر یہ گھر ہے مسلمانوں کا اور اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔“ پھر فرمایا: میری آرزو ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

① صحیح البخاری، کتاب الاذان باب الدعاء عند النداء رقم: ۶۱۴



کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ)) فَقَالُوا: كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرِي خَيْلٍ دُهْمٍ بُوهِمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ؟))  
قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: ((فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ أَلَا لِيَذَادَنَّ رَجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ أُنَادِيهِمْ أَلَا هَلُمَّ، فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا))<sup>①</sup>

”تم تو میرے اصحاب ہو اور بھائی ہمارے وہ لوگ ہیں جو ابھی دنیا میں نہیں آئے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جن کو آپ ﷺ نے دیکھا ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھلا تم میں سے کسی کے سفید پیشانی، سفید ہاتھ پاؤں والے گھوڑے، سیاہ مشکلی گھوڑوں میں مل جائیں، تو وہ اپنے گھوڑے نہیں پہچانے گا؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بے شک وہ تو پہچان لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن وضو کی وجہ سے میری امت کے لوگ سفید منہ اور سفید ہاتھ پاؤں رکھتے ہوں گے اور حوض کوثر پر میں ان کا پیش خیمہ ہوں گا۔ خبردار رہو کہ بعض لوگ میرے حوض پر سے ہٹائے جائیں گے، جیسے بھٹکا ہوا اونٹ ہنکایا جاتا ہے۔ میں ان کو پکاروں گا آؤ آؤ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد رد و بدل کر لیا تھا (یا ان کی حالت بدل گئی تھی، بدعت اور ظلم میں گرفتار ہو گئے تھے) تب میں کہوں گا کہ جاؤ دور ہو جاؤ، جاؤ دور ہو جاؤ۔“

① صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب استحباب اطالۃ العزۃ والتحجیل فی الوضوء، رقم: ۲۴۹



گویا نماز پڑھنا اور نماز کے لیے وضو کرنا قیامت کے دن بندے کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو روشن کر دے گا۔ اسی سے ان کی پہچان ہوگی کہ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کے افراد ہوں گے اور بے نماز کے پاس یہ شناخت نہیں ہوگی وہ بندہ کس قدر بدنصیب ہوگا جس کے پاس بروز محشر خود کو اُمتِ محمدیہ کا فرد ثابت کرنے کے لیے کوئی نشانی نہ ہوگی جو بے شناخت ہوگا نہ وہ نبی ﷺ کا اُمتی کہلا سکے گا اور نہ ہی حوضِ کوثر سے پانی پی سکے گا اور اس سے بھی بڑھ کے بدنصیب وہ بدعتی ہوگا جسے بدعت کی پاداش میں نیک اعمال ہونے کے باوجود حوضِ کوثر سے دھتکار دیا جائے گا۔

میرے گھر والے تہجد پڑھیں

نماز تہجد اگرچہ فرض نہیں ہے، لیکن صالحین کے لیے اس میں لذت کا سامان ہے اور اس لذت سے جو آشنا ہو جاتا ہے اسے پھر نرم و گداز بستر میں وہ سرور نہیں ملتا جو وہ باری تعالیٰ کے سامنے رکوع و سجود میں پاتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو  
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مومن آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ عبادت سے جیسے وہ حلاوت اور مٹھاس پاتا ہے اسی طرح دیگر لوگ بھی اس کی لذت آفرینی سے آشنا ہوں۔ اس کی یہ خواہش کبھی دُعا کا روپ دھار لیتی ہے تو کبھی تبلیغ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسی ہی خواہش کا اظہار ایک دفعہ نبی ﷺ نے بھی کیا۔ آپ ﷺ اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں تہجد پڑھنے کے لیے بیدار کیا۔ اس واقعہ کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ طَرَفَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ: ((أَلَا تُصَلِّيَانِ)) فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْفُسَنَا بِيَدِ اللَّهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانصَرَفَ حِينَ قُلْنَا ذَلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلِّ، يَضْرِبُ فِخْذَهُ وَهُوَ يَقُولُ:



((وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا))<sup>①</sup>

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم دونوں نماز (تہجد) کیوں نہیں پڑھتے؟“ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں ہی اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھائے گا تو اٹھ جائیں گے۔ جب میں نے یہ کہا تو آپ واپس ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا پھر میں نے آپ کو پشت پھیر کر ران پر ہاتھ مارتے ہوئے دیکھا اور یہ فرماتے سنا ”انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اس لیے کہ نماز تہجد فرض نہیں ہے۔ اگر فرض ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عذر قبول نہ ہوتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سستی پر تاسف کا اظہار فرمایا۔

کون ہے جو حجرے والیوں کو بیدار کرے؟

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے لیے جو حجروں میں سو رہی تھیں، ایسی ہی خواہش کا اظہار فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: ((سُبْحَانَ اللَّهِ، مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فَتَحَ مِنَ الْخَزَائِنِ، أَيَقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ))<sup>②</sup>

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: ”سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل کیے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے۔ ان حجروں میں سونے والیوں کو جگاؤ کیونکہ دنیا میں بہت سی کپڑے پہننے والیاں ایسی ہیں جو آخرت میں برہنہ ہوں گی۔“

① صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب تحریض النبی ﷺ علی صلاة اللیل والنوافل من غیر ایجاب، رقم: ۱۱۲۷

② صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل، رقم: ۱۱۵



معلوم ہوا کہ فتنوں سے بچاؤ کے لیے بہترین ہتھیار تہجد کی ادائیگی ہے۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے فتنوں کے نزول کا ذکر کرنے کے فوری بعد حجروں میں آرام کرنے والی خواتین کے لیے تہجد کی خواہش کا اظہار کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خزانوں کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تہجد کی ادائیگی کا ذکر کیا۔ اگر کوئی خزانوں کا حصول چاہتا ہے تو اسے نماز تہجد ادا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے اس کے منتظر ہوں گے۔

ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت بانٹی جاتی ہے

جو جاگ ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے سو کھوت ہے

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے رات کے پچھلے پہر بانٹی جانے والی دولت کا ذکر

ان الفاظ میں کیا:

((يُنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ، يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ))<sup>①</sup>

”ہمارا بزرگ و برتر پروردگار ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو آواز دیتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اسے قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں۔“

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رات کے اس حصہ میں اٹھ کے باری تعالیٰ کے سامنے اپنا ماتھا رکڑتے اور جھولیاں پھیلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں اور عنایات کو اپنی جھولیوں میں سمیٹ لیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی بد نصیب ہوتے ہیں جو تہجد تو کجا نماز فجر بھی ادا نہیں کر پاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((يُعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ،

① صحیح البخاری، کتاب التہجد باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، رقم: ۱۱۴۵



يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ  
 انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنِ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنِ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ،  
 فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسُلَّانٍ))<sup>①</sup>  
 ”جب آدمی سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ  
 پر یہ افسوس پھونک دیتا ہے کہ ابھی تو بہت رات ہے سو جاؤ، پھر اگر آدمی بیدار  
 ہو گیا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر اس نے وضو کر لیا تو دوسری  
 گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر اس نے نماز پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل  
 جاتی ہے اور صبح کو خوش مزاج اور دلشاد اُٹھتا ہے، ورنہ صبح کو بددل اور خستہ جسم  
 اُٹھتا ہے۔“

فجر کے وقت اُٹھنا مشکل کیوں ہے؟ اصل میں نیکی کے لیے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔  
 اس لیے نیکی مشکل دکھائی دیتی ہے اور برائی کے لیے نفس پر جبر نہیں کرنا پڑتا۔ اس لیے کہ  
 برائی تو نفس امارہ کی غذا ہے۔ ہاں اگر کوئی نفس پر جبر کرنا سیکھ لے تو پھر وہ نفس کا غلام نہیں رہتا  
 بلکہ نفس اس کا غلام بن جاتا ہے اور پھر نیکی کے راستے اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔

### بار بار شہادت کی خواہش

رسول اللہ ﷺ ایک بہترین جرنیل اور میدانِ جنگ میں جم کر لڑنے والے بہادر  
 انسان تھے۔ گھمسان کی جنگ میں جہاں بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہوتا وہاں  
 آپ ﷺ بے جگری سے لڑتے ہوئے دشمن کے سامنے سینہ سپر رہتے۔ آپ ﷺ ان  
 مجاہدین میں تھے جنہیں تلواروں کی جھنکار اور میدانِ جہاد میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُٹھنے  
 والے گرد و غبار میں بہادری کے جوہر دکھانے میں لذت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ  
 نے ایک موقع پر بار بار اللہ کی راہ میں شہید کی خواہش کا اظہار کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے  
 آپ ﷺ کی اس خواہش کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

① صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الراس إذا لم یصل باللیل، رقم: ۱۱۴۲



عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (انْتَدَبَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصَدِيقٌ بِرُسُلِي، أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ، أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَلَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ، وَلَوْ دِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أَحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أَحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ<sup>①</sup>)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے ذمہ داری لیتا ہے جو اس کی راہ میں نکلے اسے گھر سے صرف اس بات نے نکالا کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے تو میں اسے اس ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا جو اس نے جہاد میں پایا ہے یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔ (آپ نے فرمایا) اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو کبھی چھوٹے سے چھوٹے لشکر کے بھی پیچھے نہ رہتا اور میری آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔“

یہ آپ ﷺ کی محض خواہش ہی نہیں تھی آپ ﷺ بہادری و شجاعت کی عملی تصویر بھی تھے۔ تیروں کی بوچھاڑ میں جب دیگر لوگ پناہ ڈھونڈتے آپ ﷺ دشمن کے سامنے سینہ تان کے کھڑے ہوتے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے:

یزید بن سکن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنگ اُحد میں جب لڑائی نے سنگین نوعیت اختیار کر لی اور دشمن آپ ﷺ تک پہنچ گیا اور رسول اللہ ﷺ خود بو جھل ہو چکے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے اکٹھی دوزر ہیں پہنی ہوئی تھیں۔ دشمن قریب آ گیا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دفاع کیا۔ حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے یہاں تک دفاع کیا کہ وہ بہت زخمی ہو گئے۔ رسول

① صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الجہاد من الایمان رقم: ۳۵



اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک، ہونٹ مبارک شدید زخمی ہوئے اور دانت شہید ہو گئے۔ تب آپ نے فرمایا: کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان بیچ دے؟ تو انصار کے پانچ جوان کو دکر آئے جن میں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی تھے (دفاع رسول میں) وہ (چار انصاری) جوان شہید ہو گئے۔ آخر میں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بچے۔ یہ خوب لڑے حتیٰ کہ آپ سے دشمن کو دور کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے قریب آؤ۔ یہ زخموں کی وجہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قدم کو بطور تکیہ نیچے رکھا یہ اسی پر فوت (شہید) ہو گئے۔<sup>①</sup>

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بہادری کی گواہی ان الفاظ میں دی:

”غزوہ احد کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ! سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو کہیں زخموں میں تلاش کرو اگر وہ دکھائی دیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ میں نے ان کی خبر پوچھی ہے۔ زید بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کی تلاش شروع کر دی اور ان کو ڈھونڈ لیا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر کے قریب زخم تھے اور وہ آخرت کی تیاریوں میں تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کا سلام اور پیغام ان کو پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر اور تم پر سلام۔ آپ سے میرا یہ پیغام عرض کرنا کہ میں جنت کی خوشبو پارہا ہوں اور یہ بھی عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ جب تک تمہارے بدن میں جان ہے اگر تمہاری زندگی اور موجودگی میں میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچی تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ روح جسم سے پرواز کر گئی۔“<sup>②</sup>

رسول کائنات ﷺ کی زندگی مبارک سے یہ دو مثالیں پیش کی ہیں جبکہ جہاد و قتال کے حوالہ سے ایسی بے شمار مثالیں کتب احادیث میں جگمگا رہی ہیں۔

① الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: ۲/۵۳۲ ② الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: ۲/۵۹۰



کیا تم میری خاطر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ستانا چھوڑ سکتے ہو.....؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے سب سے قریبی دوست، آپ ﷺ کے ہمدرد و نمگسار اور آپ کے سفر و حضر کے ساتھی تھے، ان کے حوالہ سے آپ ﷺ نے اُمتیوں سے ایک خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کاش تم میری خاطر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف دینا چھوڑ دو۔ آپ ﷺ کی اس خواہش کا اظہار صحیح بخاری کی درج ذیل روایت میں موجود ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ آخِذًا بِطَرْفِ ثَوْبِهِ، حَتَّى أَبْدَى عَنْ رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

((أَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ)) فَسَلَّمَ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ كَانَ بَيْنِي

وَبَيْنَ ابْنِ الْخَطَّابِ شَيْءٌ، فَأَسْرَعْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ نَدِمْتُ فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَغْفِرَ لِي

فَأَبَى عَلَيَّ فَأَقْبَلْتُ إِلَيْكَ، فَقَالَ: ((يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ)) ثَلَاثًا، ثُمَّ

إِنَّ عُمَرَ نَدِمَ فَأَتَى مَنْزِلَ أَبِي بَكْرٍ، فَسَأَلَ: أَأَنْتُمْ أَبُو بَكْرٍ؟ فَقَالُوا: لَا، فَأَتَى

إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَجَعَلَ وَجْهَهُ النَّبِيِّ ﷺ يَتَمَعَّرُ، حَتَّى أَشْفَقَ

أَبُو بَكْرٍ، فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ أَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ

مَرَّتَيْنِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ، وَقَالَ

أَبُو بَكْرٍ: صَدَقَ وَوَأَسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي))

مَرَّتَيْنِ، فَمَا أُوذِيَ بَعْدَهَا<sup>①</sup>

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نبی ﷺ کے

پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی چادر کا کنارہ

اٹھائے ہوئے آئے یہاں تک کہ ان کا گھٹنا ننگا ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”تمہارے دوست کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔“ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سلام

کیا اور کہا کہ میرے اور ابن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذًا خلیلًا، رقم: ۳۳۸۸



میں نے جلدی سے انہیں سخت سست کہہ دیا۔ پھر میں شرمندہ ہوا (اور ان سے معذرت کی) لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اب میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔“

آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پر آئے اور دریافت کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہاں موجود ہیں؟ گھر والوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور انہیں سلام کیا۔ انہیں دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ ایسا متغیر ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور دوزانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم میں نے ہی زیادتی کی تھی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لوگو! اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو تم لوگوں نے مجھے جھوٹا کہہ دیا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے مجھے سچا کہا اور انہوں نے اپنے مال اور جان سے میری خدمت کی۔ کیا تم میری خاطر میرے دوست کو ستانا چھوڑ سکتے ہو؟ اور آپ نے یہ دو مرتبہ فرمایا۔ اس ارشاد گرامی کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پھر کسی نے نہیں ستایا۔“

غور فرمائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور شخصیت کا حوالہ دیتے ہوئے لوگوں سے اس خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں کہ کاش تم میری خاطر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف دینا چھوڑ دو۔ کس قدر بدنصیب اور ظالم ہیں وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نظر انداز کر کے رفیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں جو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا احترام نہیں کرتے۔ کیا کل رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خواہش کا احترام کریں گے جب وہ تشنہ لب میدان محشر میں حوض کوثر سے پانی پینے کے خواہش مند ہوں گے، جب وہ بارگاہ الہی میں شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خواہش مند ہوں گے۔



## رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام کی خواہشات

اب ہم ان خواہشات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیا۔ ان میں ہمارے لیے اصلاح کے بہت اسباق موجود ہیں۔

### منبر پر آخری خطبہ اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت یہ تھی کہ سارا دن کام کاج کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ کے رُخ انور کا دیدار کرتے جس سے ان کی دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جاتی۔ آپ ﷺ کی مجلس سے علم کی باتیں سنتے اور اپنے ایمان کو تازہ کرتے تھے۔ یہ مزدور طالب علم تھے جو دن کو مزدور اور دن ڈھلے طالب علم ہوتے۔ کچھ نے اپنی زندگی مجلس نبوی کے لیے مختص کر دی تھی اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجالس میں بیٹھتے، ان سے گفتگو فرماتے اور دین و دنیا کے حوالہ سے ان کی راہنمائی فرماتے تھے۔ آخری ایام میں جب آپ ﷺ بیمار ہوئے تو علالت کے پیش نظر چند دن انصار کی مجالس سے دور ہو گئے اور انصاری لوگ جنہیں آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی عادت ہو گئی تھی، ان کے دل بے چین ہو گئے اور وہ افسردگی میں آپ ﷺ کی مجالس کو یاد کر کے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی دل گرفتگی کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ أَبُو بَكْرٍ وَالْعَبَّاسُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا بِمَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَهُمْ يَبْكُونَ، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكُمْ؟ قَالُوا: ذَكَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَّا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ، قَالَ: فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ عَصَبَ عَلَى رَأْسِهِ حَاشِيَةَ بُرْدٍ، قَالَ: فَصَعِدَ الْمَنْبَرِ، وَلَمْ يَصْعَدْهُ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَتْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ((أَوْصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ، فَإِنَّهُمْ كَرِشِي



وَعَيْبَتِي، وَقَدْ قَضُوا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ، فَاقْبَلُوا مِنِّ  
مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَن مُسِيئِهِمْ))<sup>①</sup>

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت  
ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گزر انصار کی مجالس میں سے کسی ایسی مجلس  
پر ہوا کہ وہ رو رہے تھے۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انصار کہنے لگے:  
ہمیں نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھنا یاد آ گیا ہے (آپ ﷺ ان دنوں بیمار تھے)  
یہ سن کر وہ نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو اس بات کی اطلاع دی۔ حضرت  
انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ اپنے سر پر  
چادر کا حاشیہ باندھے ہوئے تھے۔ آپ منبر پر چڑھے بس یہ آخری دفعہ منبر پر  
چڑھنا تھا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: ”لوگو! میں تمہیں انصار کی بابت وصیت  
کرتا ہوں کیونکہ یہ میرے انتہائی قریبی دلی دوست ہیں۔ انہوں نے اپنا حق  
ادا کر دیا۔ البتہ ان کا حق باقی رہ گیا ہے۔ لہذا تم ان کے نیکو کاروں کی نیکی قبول  
کرو اور ان کے خطا کار سے درگزر کرو۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہی واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:  
خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ مِلْحَةٌ مُتَعَطِّفًا بِهَا عَلَى مَنْكِبَيْهِ، وَعَلَيْهِ  
عِصَابَةٌ دَسْمَاءُ، حَتَّى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ  
قَالَ: (أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ، وَتَقِلُّ الْأَنْصَارُ، حَتَّى  
يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَّلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ  
يَنْفَعُهُ، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَيَتَجَاوَزْ عَن مُسِيئِهِمْ))<sup>②</sup>

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ و رضی اللہ عنہم، باب قول النبی ﷺ: اقبلوا  
من محسنہم وتجاوزوا عن مسیئہم، رقم: ۳۷۹۹ ② صحیح البخاری، کتاب و باب مذکورہ،



رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں کندھوں پر ایک چادر لپیٹ کر باہر تشریف لائے، آپ کے سر پر ایک چکنے کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ منبر پر فروکش ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”اے لوگو! اور تو میں تو بڑھتی جائیں گی مگر انصار کم ہوتے جائیں گے۔ اتنے کم رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ لہذا تم میں سے اگر کسی کو ایسی حکومت ملے جس میں وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہو تو وہ انصار کے اچھے آدمی کی قدر کرے اور برے کے تصور سے درگزر کرے۔“

نبی کریم ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں انصار کے حوالہ سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میری وفات کے بعد انصار کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس لیے کہ مدد و نصرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس فرمانِ گرامی سے یہ سبق ملتا ہے کہ احسان کرنے والے کے احسان کو زندگی بھر یاد رکھنا ایک اچھے انسان کی علامت ہے۔ حالانکہ انصاریوں کو تو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے دلوں کی تطہیر کی، ان کے دلوں میں پلنے والی نفرتیں اور عداوتیں ختم کر کے ان کی صدیوں پرانی دشمنیاں ختم کر دیں اور انہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے مالا مال کیا۔ یہ آپ ﷺ کے ان پر احسانات ہیں اور دوسری طرف انصار نے بھی لٹ پٹ کے آنے والے مہاجرین کے لیے اپنی محبتوں کے دروازے کھول دیے تھے اور ایثار و قربانی کی لافانی داستانوں کو رقم کیا تھا۔ آپ ﷺ زندگی بھر ان کے قدردان رہے اور اپنی وفات کے بعد آنے والے حکمرانوں سے بھی اسی قدردانی کی خواہش کی۔

إِنَّ أَنْتَ أَكْرَمُ الْكَرِيمِ مَلَكَتَهُ

وَإِنَّ أَنْتَ أَكْرَمُ اللَّئِيمِ تَمَرَّدَا

”اگر تو شریف آدمی کی عزت کرے گا تو اس کا مالک بن جائے گا اور اگر تو گھٹیا

آدمی کی عزت کرے گا تو وہ مزید سرکش ہو جائے گا۔“

آپ ﷺ نے انصار سے محبت رکھنے کو ایمان کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ حضرت براء



بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ))<sup>①</sup>

”انصار سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور ان سے وہی دشمنی رکھے گا جو منافق ہوگا۔ اس بناء پر جو شخص ان سے محبت رکھے گا اس سے اللہ بھی دوستی رکھے گا اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے عداوت رکھے گا۔“

### الوداعی تحریر لکھنے کی خواہش

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک الوداعی تحریر لکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا، لیکن بعد میں آپ ﷺ نے یہ ارادہ ترک فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ: ((اَتُّونِي بِكِتَابٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ)) قَالَ عُمَرُ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: ((قُومُوا عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ))<sup>②</sup>

جب نبی ﷺ بہت بیمار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ لوگوں نے اختلاف شروع کر دیا اور شور و غل مچ گیا تب آپ نے فرمایا: ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ میرے ہاں لڑائی جھگڑے کا کیا کام ہے!“

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب حب الانصار، رقم: ۳۷۸۳

② صحیح البخاری کتاب العلم باب كتابة العلم، رقم الحدیث: ۱۱۴



اس روایت کو بعض حضرات بنیاد بنا کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے زبردستی رسول اللہ ﷺ کو الوداعی تحریر لکھنے سے روک دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھنے نہ دیا۔ یہ سب بے بنیاد اعتراضات ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ ازراہ محبت فرمایا تھا، ان کا مقصد آپ ﷺ کی حکم عدولی ہرگز نہیں تھا۔ زندگی بھر تو وہ آپ ﷺ کے اشارہ پر جان و مال قربان کرنے کے لیے پیش پیش رہے اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ وفات کے وقت وہ آپ ﷺ کی مخالفت کیوں کرتے؟ پھر آپ ﷺ نے تو زندگی بھر دین کو پھیلانے کے لیے صعوبتیں برداشت کیں۔ اس راہ میں نہ ڈرے، نہ گھبرائے اور نہ کہیں معمولی لچک اختیار کی۔ اگر یہ تحریر والا معاملہ کوئی ایسا ضروری ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی خاموش نہ رہتے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردستی رسول اللہ ﷺ کو تحریر سے روک دیا تھا تو یہ ایک طرح رسول اللہ ﷺ پر طعن ہے۔ کیا آپ ﷺ نے کبھی کسی کے ڈر سے کوئی دینی مسئلہ چھپایا.....؟ یا کیا آپ کسی کے روکنے سے کبھی کلمہ حق کہنے سے رُکے.....؟

اس واقعہ کے بعد چار روز تک آپ ﷺ زندہ رہے اور باقی احکام نافذ فرماتے رہے۔ اگر یہ کوئی اتنا اہم معاملہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے کبھی نظر انداز نہ کرتے۔ تحریر کے معاملے پر آپ ﷺ کے سکوت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق تھا اور ایسا کئی بار ہوا کہ آپ ﷺ نے بعض معاملات میں صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ آپ ﷺ خلافت کا معاملہ شورائی بنیادوں پر چلاتے تھے اور خلافت کا یہی حسن ہے کہ اس میں شورائی کا نظام موجود ہے اور آپ ﷺ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات مناسب سمجھتے، ان سے اتفاق کرتے تھے۔ اس ضمن میں کئی واقعات موجود ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے صرف ایک واقعہ درج کر رہے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے بحالت صحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے اتفاق کیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ وَمَعَنَا أَبُو بَكْرٍ



وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطِعَ دُونَنَا، (فَفَزِعْنَا) فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَخَرَجْتُ ابْتَغِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَتَّى آتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ (فَدُرْتُ) بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ أَبَا؟ فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رِبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِّنْ بَيْتِ خَارِجَةَ وَالرَّبِيعُ الْجَدُولُ - قَالَ: فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: "أَبُو هُرَيْرَةَ؟" فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: "مَا شَأْنُكَ؟" قُلْتُ: كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتُ فَأَبْطَأَتْ عَلَيْنَا، فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطِعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَاتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ، فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّلَبُ، وَهَوَّلَاءِ النَّاسُ وَرَأَيْتُ - فَقَالَ: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!" وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، فَقَالَ: "أَذْهَبِ بِنَعْلَيْ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَّقِيكَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَّقَيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ: هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَعَثَنِي بِهِمَا، مَنْ لَّقَيْتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ تَدْيِي، فَخَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ: ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ، وَرَكِبَنِي عُمَرُ، (فَإِذَا) هُوَ عَلَى إِثْرِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَالِكُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" فَقُلْتُ: لَقَيْتُ عُمَرَ فَاخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ تَدْيِي ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "يَا عُمَرُ! مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟" قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ، مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بِشِرِّهِ بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ



عَلَيْهَا فَخَلَّيْهُمْ يَعْمَلُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "فَخَلَّيْهُمْ" ①

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی (اسی) جماعت میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کافی دیر تک واپس نہ آئے۔ ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں آپ کو قتل نہ کر دیا جائے۔ (اس تصور سے) ہم گھبرا گئے اور (مجلس سے) کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے مجھے گھبراہٹ دامن گیر ہوئی میں (وہاں سے) رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے کے لیے نکلا، میں انصار کے قبیلہ بنو نجار کے باغ کے پاس پہنچا۔ میں نے باغ کے ارد گرد چکر لگایا تاکہ دروازہ معلوم ہو، لیکن مجھے دروازہ نہ مل سکا۔ البتہ باہر واقع ایک کنویں سے پانی کا ایک نالہ باغ کے اندر جا رہا تھا۔ اور "رَبِيع" چھوٹے نالے کو کہتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ میں نے اپنے جسم کو سکیڑا اور اس (نالے) سے باغ میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے استفسار کیا "ابو ہریرہ!" میں نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول۔ آپ نے دریافت فرمایا: "کیا بات ہے؟" میں نے عرض کیا: آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کھڑے ہوئے اور چل دیے۔ آپ نے دیر کر دی تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں آپ کو قتل نہ کر دیا جائے (اس تصور سے) ہم خوفزدہ ہو گئے۔ سب سے پہلے میں گھبرایا چنانچہ میں اس باغ میں اپنے جسم کو سکیڑ کر داخل ہوا جیسے لومڑی جسم کو سکیڑ کر داخل ہوتی ہے اور میرے دوسرے رفقاء میرے پیچھے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کیا اور مجھے اپنے دونوں جوتے دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے ان جوتوں کو

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، رقم: ۳۱



اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جو شخص تمہیں ملے اور وہ دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اس کو جنت کی خوشخبری دے دو۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ سب سے پہلے جس سے میری ملاقات ہوئی وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے دریافت کیا: اے ابو ہریرہ! یہ دو جوتے کیسے (اٹھائے ہوئے ہو؟) (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ہیں۔ آپ نے مجھے انہیں عطا فرما کر بھیجا ہے کہ جس شخص سے تیری ملاقات ہو اور اس بات کی دل کے یقین سے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے تو تم اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے کے درمیان (ہاتھ) مارا جس سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تم واپس جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا اور سسکیاں بھر کر رونے لگا اور عمر رضی اللہ عنہ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ میرے پیچھے کھڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: ”ابو ہریرہ! کیا معاملہ ہے؟“ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: مجھے عمر رضی اللہ عنہ ملے اور میں نے ان کو وہ بات بتائی جس کے لیے آپ نے مجھے بھیجا تھا تو انہوں نے میرے سینے کے درمیان ضرب لگائی جس سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور (مجھے) کہا واپس جاؤ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دونوں جوتے دے کر بھیجا تھا کہ اس کی جس شخص سے ملاقات ہو اور وہ دل کے یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اس کو جنت کی خوشخبری دے دو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بالکل درست ہے۔“



عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ایسا نہ کریں۔ میں خوف محسوس کرتا ہوں کہ لوگ اس بشارت پر بھروسہ کر لیں گے۔ آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں۔ وہ عمل کرتے رہیں (عمر رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی موافقت کرتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا: ”لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔“

عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ عوام الناس کو اس قسم کی بشارت نہ دی جائے۔ انہیں ڈرتھا کہ لوگ کہیں عمل کرنا نہ چھوڑ دیں۔ البتہ خواص کو خوشخبری دی جائے وہ تو خوشخبری سن کر مزید اعمال کے لیے کوشاں رہیں گے۔

اس طرح یہ اعتراض کرنا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام خلافت کی وصیت لکھوائی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بعد خلافت کے حقدار تھے، لیکن حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نے خلافت پر قبضہ جمالیا۔

یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھنے سے روک دیا تھا اور بالفرض روکا بھی زبردستی تھا تو آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ویسے ہی بول دیتے کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے یا پھر چپکے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بول دیتے۔ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے فرامین میں کوئی بھی ایسی صریح روایت موجود نہیں ہے جس سے آپ ﷺ کے بعد خلافت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی واضح اشارہ موجود ہو اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصی رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ آپ ﷺ نے کوئی ایسی وصیت کی۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی درج ذیل روایت ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوفِّي فِيهِ فَقَالَ النَّاسُ: يَا أَبَا الْحَسَنِ، كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ؟ فَقَالَ: أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللَّهِ بَارِئًا، فَأَخَذَ بِيَدِهِ عَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ



وَاللَّهِ بَعْدَ ثَلَاثِ عَشْرِ الْعَصَا، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَرَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَوْفَ يُتَوَفَّى مِنْ وَجَعِهِ هَذَا، إِنِّي لَأَعْرِفُ وَجُوهَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عِنْدَ الْمَوْتِ، إِذْهَبُ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلِنَسْأَلُهُ فِيمَنْ هَذَا الْأَمْرُ، إِنْ كَانَ فِينَا عَلِمْنَا ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِنَا عَلِمْنَاهُ، فَأَوْصِي بِنَا فَقَالَ عَلِيُّ: إِنَّا وَاللَّهِ لَئِنْ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَنْعَنَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ بَعْدَهُ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَسْأَلُهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ مرض وفات میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے پوچھا: اے ابوالحسن (رضی اللہ عنہ)! رسول اللہ ﷺ اب کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: الحمد للہ اچھے ہیں۔ تب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ کی قسم! تم تین دن کے بعد محکوم اور لاٹھی کے غلام بن جاؤ گے کیونکہ اللہ کی قسم! میرے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ عنقریب اس مرض سے وفات پا جائیں گے۔ میں عبدالمطلب کی اولاد کا منہ دیکھ کر پہچان لیتا ہوں جب وہ مرنے والے ہوتے ہیں۔ آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس امر کے متعلق دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد کون آپ کا خلیفہ ہوگا؟ اگر آپ نے ہم لوگوں کو خلافت دی تو معلوم ہو جائے گا اور اگر آپ نے کسی دوسرے کو خلافت سوچی تو بھی معلوم ہو جائے گا اور ہمارے متعلق حسن سلوک کی اسے وصیت فرمائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم آپ سے اس بابت دریافت کریں اور آپ نے ہمیں محروم فرمادیا تو آپ کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلیفہ نہ بنائیں گے۔ اللہ کی قسم! میں تو رسول اللہ ﷺ سے خلافت کے متعلق سوال نہیں کروں گا۔

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، رقم: ۴۴۴۷



اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ ﷺ نے اگر ہمیں محروم کر دیا تو آپ کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

### امامت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خواہش

بیماری کی وجہ سے جب آپ ﷺ پر مسجد میں جا کے جماعت کروانا دشوار ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی جگہ امامت کروائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَأُذِنَ فَقَالَ: ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ)) فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّلَاثَةَ فَقَالَ: ((إِنَّكُمْ صَوَاحِبُ يَوْسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ)) فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى، فَوَجَدَ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ يَخْطَانِ مِنَ الْوَجَعِ فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أَتَى بِهِ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْ جَنْبِهِ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي، وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَفِي رِوَايَةٍ جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا ①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں مبتلا ہوئے اور نماز کے وقت اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ اس وقت آپ سے

① صحیح البخاری کتاب الاذان، باب حد المريض أن يشهد الجماعة، رقم: ۶۶۴



کہا گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (شدت غم سے) لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے دوبارہ وہی حکم دیا تو پھر وہی عرض کیا گیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ وہی کہا اور فرمایا: ”تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہم نشین عورتیں معلوم ہوتی ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے چلے گئے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ کمی محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر نکلے گویا میں اب بھی آپ کے دونوں پاؤں کی طرف دیکھ رہی ہوں کہ ضعف مرض کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو، پھر آپ کو لایا گیا آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے پھر آپ نے نماز شروع کی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتداء کی جبکہ باقی لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بحالت قیام نماز ادا کی۔

تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اور صحابی کی امامت کے لیے کہا گیا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور دیگر کبار صحابہ موجود تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں دفعہ انکار فرما دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اور کسی صحابی کی امامت قبول نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر صحابہ کی طرف اشارہ کرنے والی خواتین کو یہ کہتے ہوئے جھڑک دیا کہ تم مجھے یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی خواتین کی طرح اس موقف سے بہکانا چاہتی ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے امامت کروائی اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو اس وقت موجود تھے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور کسی بھی صحابی نے اعتراض نہ کیا اور کوئی اعتراض کرتا بھی کیسے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خود مصلے پر



کھڑے نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی امامت کا فیصلہ تو نبی کریم ﷺ نے کیا تھا اور یہ فیصلہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا تا کہ کسی کو اعتراض نہ رہے۔ اس روایت میں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت کا فیصلہ فرما دیا۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے یہ فیصلہ بھی فرما دیا کہ میرے بعد لوگوں کے مسائل بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حل فرمایا کریں گے۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتِ امْرَأَةً النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ، قَالَتْ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ؟ كَأَنَّهَا تَقُولُ: الْمَوْتُ، قَالَ ﷺ: ((إِنْ لَمْ تَجِدْنِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ))<sup>①</sup>

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ پھر آپ کے پاس آئے۔ اس نے کہا اگر میں پھر آؤں اور آپ کو نہ پاؤں، اس سے اس کی مراد آپ ﷺ کی وفات تھی۔ آپ نے فرمایا: ”اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس چلی جانا۔“

یعنی اگر میں نہ ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوں گے جو میری جگہ تم لوگوں کے مسائل حل کریں گے۔ اس روایت میں واضح طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ ہے۔

### دنیا کی بجائے آخرت کی خواہش

آخری ایام میں نبی کریم ﷺ کو باری تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو دنیا کو اختیار کر لیں اور اگر چاہیں تو وفات کی صورت میں آخرت کو اختیار فرمائیں۔ اور نبی ﷺ نے دنیا کی بجائے آخرت کی خواہش کی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ،

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۶۵۹



فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ) فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: مَا يُبْكِي هَذَا الشَّيْخَ؟ إِنْ يَكُنِ اللَّهُ خَيْرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ الْعَبْدُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، قَالَ: ((يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكُ إِنَّ أَمَّنَ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَا تَخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّةُ، لَا يَبْقَيْنَ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ، إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ))<sup>①</sup>

نبی ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ دنیا میں رہے یا جو اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کر لے تو اس نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے۔“ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روتے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بوڑھا کس لیے روتا ہے؟ بات تو صرف یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کو دنیا یا آخرت دونوں میں سے جسے چاہے پسند کرنے کا اختیار دیا ہے۔ پس اس نے آخرت کو پسند کیا ہے (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ مگر بعد میں یہ راز کھلا کہ) بندے سے مراد خود رسول اللہ ﷺ تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو بکر تم روؤ مت میں لوگوں میں سے کسی کے مال اور صحبت کا اتنا زریہ بار نہیں جتنا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا ہوں۔ اگر میں اپنی امت سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و محبت ضرور ہے۔ دیکھو مسجد میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے دروازے کے سوا سب کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔“

ہر نبی کو فوت ہونے سے پہلے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے۔ پھر اسے دنیا

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر فی المسجد، رقم: ۴۶۶



اور آخرت کے حوالہ سے اختیار دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث میں ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ صَاحِبُ يَقُولُ: ((إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُحْيَا، أَوْ يُخَيَّرُ)) فَلَمَّا اشْتَكَى وَحَضْرَةُ الْقُبْضِ، وَرَأْسُهُ عَلَى فِخْدِي غُشِّي عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَفَاقَ شَخَصَ بَصْرُهُ نَحْوَ سَقْفِ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ: (اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى) فَقُلْتُ: إِذَا لَا يَخْتَارُنَا، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حَدِيثُهُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَاحِبُ ①  
رسول اللہ ﷺ حالت صحت میں فرماتے تھے کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک جنت میں اس کا مقام اسے نہیں دکھایا جاتا۔ پھر اسے زندگی یا (موت کا) اختیار دیا جاتا ہے۔ "جب آپ بیمار ہوئے اور وفات کا وقت قریب آیا تو آپ میری ران پر سر رکھے ہوئے تھے۔ پہلے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر افاقہ ہو گیا تو چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا: "اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔" اس وقت میں نے دل میں کہا: اب آپ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں کریں گے اور اس سے مجھے آپ کی اس حدیث کی تصدیق ہو گئی جو بحالت صحت فرمایا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے بوقت وفات ((اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى)) کا کلمہ کہہ کے دنیا کی بجائے آخرت کو ترجیح دی اور باری تعالیٰ کی رفاقت کو پسند فرمایا کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔

### ایامِ علالت میں محبوب بیوی کے گھر قیام کی خواہش

نبی کریم ﷺ کی زندہ بیویوں میں سے سب سے زیادہ محبت آپ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے نبی ﷺ نے غزوہ ذات

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، رقم: ۴۴۳۷



السلاسل میں امیر بنا کر بھیجا، جب میں واپس آیا تو میں نے عرض کیا:

أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: ((عَائِشَةُ)) فَقُلْتُ: مِنْ الرِّجَالِ؟ فَقَالَ:

((أَبُوهَا)) قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ)) فَعَدَّ رَجَالًا ①

آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”عائشہ (رضی اللہ عنہا)۔“ میں نے عرض کیا: ”مردوں میں سے کون؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: ”ان کے والد گرامی (ابوبکر رضی اللہ عنہ)“ میں نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ”پھر

عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)“ اس طرح درجہ بدرجہ آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی یہ محبت مرتے دم تک برقرار رہی بلکہ آپ ﷺ

اپنے ایامِ علالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری والے دن کو دور خیال کرتے ہوئے بار بار

یہ پوچھتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا۔ اس کے بعد کہاں ہوں گا، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں:

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيَتَعَدَّرُ فِي مَرَضِهِ: ((أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ، أَيْنَ أَنَا

غَدًا)) اسْتَبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمِي قَبَضَهُ اللَّهُ بَيْنَ سَحْرِي

وَنَحْرِي، وَدُفِنَ فِي بَيْتِي ②

رسول اللہ ﷺ اپنے مرضِ وفات میں بار بار اظہار خیال فرماتے: میں آج

کہاں ہوں گا اور کل کہاں ہوں گا؟“ اور میری باری کو بہت دور خیال کرتے

تھے۔ بالآخر جب میرا دن آیا تو اللہ نے آپ (کی روح) کو میرے

پھیپھڑے اور سینے کے درمیان قبض کیا اور آپ میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے کہ آپ ﷺ ان کے بستر پر موجود ہوتے تو آپ پر

وحی کا نزول ہوتا۔ نبی ﷺ کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب بھی خود اللہ تعالیٰ نے کیا اور

جب ان پر تہمت لگی تو دفاع بھی اللہ تعالیٰ نے کیا اور ان کی برأت میں آیات نازل

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۶۶۲ ② صحیح البخاری، کتاب

الجنائز، باب موت الفجأة، رقم: ۱۳۸۹



فرمائیں اور بوقت وفات آپ ﷺ نے انہی کے گھر قیام کا ارادہ فرمایا اور ان کے جسم سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے۔

تیری پاکیزگی پر نطق فطرت نے شہادت دی  
تجھے عظمت عطا کی عافیت بخشی فضیلت دی  
تیری اگر سحر پرور ادا پر حرف آ جاتا  
خدا کا انتخابی فیصلہ مخدوش کہلاتا  
خدائے لم یزل کا بارہا تجھ پر سلام آیا  
مبارک ہیں وہ لب جن پر ادب سے تیرا نام آیا  
رسول اللہ ﷺ نے رکھا ہے صدیقہ رضی اللہ عنہا لقب تیرا  
فقط فرشی نہیں عرشی بھی کرتے ہیں ادب تیرا  
تیرا حجرہ امین خاص ہے ذات رسالت کا  
بساط ارض پر ٹکڑا یہی ہے باغ جنت کا  
اس میں رحمۃ للعالمین ﷺ رہتے ہیں  
تیرا حجرہ ہے جس کو گنبد خضراء بھی کہتے ہیں  
اسی سے حشر کے دن سرور کونین اٹھیں گے  
مگر تنہا نہیں مع اشیخین اٹھیں گے  
تیرے رحمت کدہ سے مغفرت کی ابتداء ہوگی  
اور اسی پر امتوں کی عافیت کی انتہاء ہوگی

(عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ)

### موت کے قریب مسواک کی خواہش

نبی کریم ﷺ کو مسواک بہت پسند تھی۔ احادیث کے مطابق آپ ﷺ نمازوں کے ساتھ، سوکر اٹھنے پر اور گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک کیا کرتے تھے اور وفات کے قریب جب آپ ﷺ کو سہارا دے کر اٹھایا جاتا اس وقت بھی آپ ﷺ نے مسواک کی



خواہش کا اظہار کیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک کو اپنے دانتوں سے چبا کر نرم کیا اور آپ ﷺ کو دی۔ صحیح بخاری کی روایت میں یہ سارا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللَّهِ عَلَيَّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تُوِّفِيَ فِي بَيْتِي، وَفِي يَوْمِي، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي، وَأَنَّ اللَّهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ دَخَلَ عَلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَبِيَدِهِ السَّوَاكُ وَأَنَا مُسْنِدَةٌ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَرَأَيْتُهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ السَّوَاكَ، فَقُلْتُ: آخُذْهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ: ((أَنْ نَعَمْ)) فَتَنَاوَلْتُهُ، فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ، وَقُلْتُ: أَلَيْنُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ ((أَنْ نَعَمْ)) فَلَيْنَتْهُ، فَأَمَرَهُ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ أَوْ عُلبَةٌ يَشْكُ عَمْرُ فِيهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ يَقُولُ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكْرَاتٍ)) ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ: ((فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى)) حَتَّى قَبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ ①

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری باری کے دن میرے گھر میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کا سر میرے پھیپھڑے اور گردن کے درمیان تھا اور اللہ نے آخری وقت میرا اور آپ کا لعاب دہن ملا دیا کیونکہ میرے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ایک تازہ مسواک پکڑے ہوئے آئے۔ میں اس وقت آپ کو سہارا دیے ہوئے تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ مسواک کو ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے ہیں اور مجھے معلوم تھا کہ آپ مسواک کو پسند کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مسواک آپ کے لیے لے لوں۔ آپ نے سر مبارک سے اشارہ کر کے فرمایا: ”ہاں۔“ چنانچہ میں نے وہ مسواک

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، رقم: ۴۴۴۹



لے کر آپ کو دی لیکن آپ کو سخت محسوس ہوئی، اس لیے میں نے کہا: میں اسے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ”ہاں۔“ میں نے اسے چبا کر نرم کر دیا۔ پھر آپ نے اسے دانتوں پر پھیرا اور آپ کے سامنے ایک پانی کا مشکیزہ یا پیالہ تھا اس میں آپ ہاتھ تر کر کے منہ پر پھیرتے اور اور فرماتے لا الہ الا اللہ موت میں بڑی سختیاں ہوتی ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ”اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔“ یہاں تک کہ آپ کی روح مبارک نکل گئی اور ہاتھ نیچے ڈھلک گیا۔

اس حدیث سے مسواک کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت بھی جب آپ کے لیے مسواک چبانا دشوار تھا اور سخت بیماری کا عالم تھا، مسواک کو ترک نہیں کیا۔ پس مسواک دانتوں کی صفائی کے لیے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بھی ہے۔



صحابہ رضی اللہ عنہم کی

خواہشات



## آج ان کا خدمتگار رہوں گا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض دفعہ گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلتے کہ آج سارا دن نبی ﷺ کی مجلس میں رہیں گے۔ آپ کی خدمت کریں گے تاکہ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر سکیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی ہی خواہش کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے گھر وضو کیا اور باہر نکلے، دل میں کہنے لگے کہ میں آج رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ وہ مسجد میں آئے اور نبی ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا: آپ باہر اس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ لہذا میں پوچھتا ہوں اور چاہ اریں تک جا پہنچا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ اس کا دروازہ کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا تھا، چنانچہ جب آپ رفع حاجت سے فارغ ہوئے اور وضو کر چکے تو میں آپ کے پاس گیا، آپ چاہ اریں یعنی اس کی منڈیر کے درمیان کنویں میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی پنڈلیوں کو کھول کر کنویں میں لٹکا رکھا تھا۔ میں آپ کو سلام کر کے لوٹ آیا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا کہ میں آج رسول اللہ ﷺ کا دربان بنوں گا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون؟ انہوں نے کہا: ابو بکر۔ میں نے کہا: ذرا اٹھہر جائیے۔ میں نے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ابو بکر اجازت مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”ان کو آنے دو اور انہیں جنت کی خوشخبری دے دو۔“ لہذا میں نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: اندر آ جائیے، رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اندر آئے اور رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب آپ کے ساتھ منڈیر پر بیٹھ گئے اور انہوں نے بھی اس طرح اپنے دونوں پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے جس طرح نبی ﷺ



نے لٹکار رکھے تھے اور اپنی پنڈلیاں بھی کھول دیں۔ میں واپس جا کر بیٹھ گیا اور میں اپنے بھائی کو گھر میں وضو کرتے چھوڑ آیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اگر اللہ کو اس کی بھلائی منظور ہے تو ضرور اس کو یہاں لے آئے گا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی دروازہ ہلا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا: عمر بن خطاب! میں نے کہا: ذرا ٹھہر جائیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ کو سلام عرض کر کے گزارش کی کہ عمر (رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے ہیں اور آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”انہیں اجازت اور جنت کی بشارت دے دو۔“ اس پر میں نے واپس جا کر کہا اندر آ جائیے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ چنانچہ وہ اندر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کنویں کی منڈیر پر آپ کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے۔ پھر میں واپس آ کر دروازے پر بیٹھ گیا اور دل میں وہی کہنے لگا کہ اگر اللہ فلاں کے ساتھ بھلائی چاہے گا تو اسے لے آئے گا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور دروازے کو حرکت دینے لگا۔ میں نے پوچھا: کون ہے؟ اس نے کہا: عثمان۔ میں نے کہا: ٹھہریے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو آپ نے فرمایا: ”انہیں اندر آنے کی اجازت دو اور جو آزمائش انہیں پہنچے گی اس کے بدلہ میں جنت کی بشارت بھی دے دو۔“ چنانچہ میں آیا اور ان سے کہا: آ جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے اس مصیبت پر جو آپ پر پہنچے گی جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اندر آ گئے اور انہوں نے منڈیر کو بھرا ہوا دیکھا تو وہ آپ کے سامنے دوسری جانب بیٹھ گئے۔<sup>①</sup>

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھر سے یہی خواہش لے کر نکلے تھے کہ آج کا سارا دن رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں گزاروں گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کر دیا۔ صاحب علم اور پرہیزگار آدمی کی مجلس میں بیٹھنے سے بندے کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور اس کی روحانی قوت بڑھتی ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے اچھے دوست کو کستوری بیچنے والے سے

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذاً خلیلاً، رقم: ۳۶۷۴



تشبیہ دی ہے کہ جس کے پاس آدمی جتنی دیر تک بیٹھتا ہے، خوشبو سے اس کا دماغ معطر رہتا ہے۔ پس نیک مجالس کی ایک روحانی خوشبو ہوتی ہے۔ جس سے ایمان کو قوت و تازگی ملتی ہے۔ پرہیزگار لوگوں کے پاس بیٹھنے کی خواہش بھی ہونی چاہیے اور وقت نکال کر ان کی صحبت میں بیٹھنا بھی چاہیے۔ ان کی صحبت سے ایمان کے وہ عطر بیز جھونکے ملتے ہیں جو روح کو تازہ کر دیتے ہیں۔ شیطانی مجالس ایمانی حرارت کو کم کر دیتی ہیں۔ جو لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں لہو و لعب کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں، وہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔ موسیقی کی روح نہیں بلکہ نفس امارہ کی غذا ہے، نفس امارہ ہمیشہ برائی کا متلاشی رہتا ہے اور انسان میں گناہ کی خواہشات جگاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان لوگوں کے پاس جب بھی وقت ہوتا تھا وہ اسے نیکی اور تقویٰ کی مجالس میں گزارنے کی خواہش رکھتے تھے۔

### کاش مجھے بھی خواب آئے

عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر کوئی خواب دیکھتے تو آپ ﷺ سے بیان فرماتے۔ آپ ﷺ اس کی تعبیر فرماتے اور کبھی کبھی خود اپنا بھی کوئی خواب بیان فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے دل میں بھی یہ خواہش اٹھی کہ کوئی خواب دیکھوں۔ چنانچہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَمَنِّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا، فَأَقْصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبَيْرِ، وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَإِذَا فِيهَا أَنْاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ أَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ قَالَ فَلَقِينَا مَلَكًا آخَرَ فَقَالَ لِي: لَمْ تُرَعْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ



فَقَالَ: ((نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِن اللَّيْلِ)) فَكَانَ بَعْدَ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا<sup>①</sup>

نبی ﷺ کے زمانہ حیات میں جب کوئی شخص خواب دیکھتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتا۔ مجھے بھی آرزو ہوئی کہ میں کوئی خواب دیکھوں اور رسول اللہ ﷺ سے بیان کروں۔ میں ابھی نوجوان تھا اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں سویا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے خواب دیکھا کہ جیسے دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور جہنم کی جانب لے گئے ہیں، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کنویں کی طرح پیچ دار بنی ہوئی ہے۔ اس پر دو چرخیاں ہیں اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں۔ میں جہنم سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہمیں ایک فرشتہ ملا جس نے مجھ سے کہا کہ ڈرو نہیں۔ میں نے یہ خواب (اپنی بہن) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”عبد اللہ اچھا آدمی ہے، کاش وہ تہجد پڑھا کرتا۔“ اس کے بعد (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ ”عبد اللہ اچھا آدمی ہے کاش وہ تہجد پڑھتا ہوتا“ تہجد کی فضیلت کو واضح کرتا ہے کہ تہجد پڑھنا جہنم سے نجات کا باعث ہے۔ اسی طرح اس روایت میں ایک خواب کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ جس پر نبی ﷺ نے تہجد پڑھنے کی ترغیب دی۔ خواب کا ہماری زندگی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ اس لیے خوابوں سے متعلق مختصر معلومات قلمبند کی جا رہی ہیں۔

✽ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ اچھا خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور بہت سے برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور بعض انسان کے ذہنی خیالات

① صحیح البخاری، کتاب الجمعہ، باب فضل قیام اللیل، رقم: ۱۱۲۱، ۱۱۲۲



ہوتے ہیں۔ یعنی بندہ سارا دن جو کام کرتا یا سوچتا ہے، وہی خواب میں دیکھ لیتا ہے۔ جب کوئی آدمی برا خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ تین بار تعویذ پڑھے، اپنی بائیں جانب تھوکے اور کروٹ بدل لے، وہ برا خواب اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوقنادہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے:

((الرُّؤْيَا مِنَ اللَّهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُتْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ)) فَقَالَ: إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا أَثْقَلَ عَلَيَّ مِنْ جَبَلٍ فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ فَمَا أَبَالِيهَا<sup>①</sup>

”اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ناپسندیدہ خواب شیطان کی طرف سے۔ پھر جب کوئی تم میں سے برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تھوکے اور اللہ کی پناہ مانگے اس کے شر سے، پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔“ ابو سلمہ نے کہا کہ میں بعض خواب ایسے دیکھتا جو کہ پہاڑ سے بھی زیادہ مجھ پر بھاری ہوتے، لیکن جب میں نے یہ حدیث سنی تو مجھے کچھ پروا نہ رہی۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا تُمْرِضُنِي قَالَ: فَلَقِيتُ أَبَا قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: وَأَنَا كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا فَتُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثُ بِهَا إِلَّا مَنْ يُحِبُّ وَإِنْ رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَنْفُتْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّهَا وَلَا يُحَدِّثُ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ))<sup>②</sup>

① صحیح مسلم، کتاب الروایاء باب الرویا من اللہ والحلم من الشیطان، رقم: ۲۲۶۱/۲

② صحیح مسلم کتاب الروایاء باب الرویا الصالحة من اللہ ومن رأى ما یکره، رقم: ۲۲۶۱/۴



ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں بعض خواب ایسے دیکھتا کہ بیمار ہو جاتا تھا۔ پھر میں ابوقنادہ رضی اللہ عنہ سے ملا (ان سے اس کے متعلق پوچھا) انہوں نے کہا کہ میرا بھی یہی حال تھا، یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: ”اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو بیان نہ کرے مگر اپنے دوست سے اور جب برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھو کے اور شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے تو اس سے نقصان نہ پائے گا۔“

عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ))<sup>①</sup>

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو برا سمجھے تو بائیں طرف تین بار تھو کے اور تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور جس کروٹ پر لیٹا ہو، اس سے پھر جائے۔“

❁ جو آدمی جھوٹا خواب بیان کرے قیامت والے دن اسے بطور سزا کے جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کا کہا جائے گا اور جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كَلِيفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ))<sup>②</sup>

”جو آدمی ایسا خواب بیان کرے جو اس نے نہیں دیکھا اسے قیامت کے دن جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کا کہا جائے گا اور وہ ایسا کبھی نہیں کر پائے گا۔“

① صحیح مسلم، کتاب الرؤیاء باب إذا رأى ما يكره فليتعوذ ليتحول، رقم: ۲۲۶۲

② صحیح البخاری کتاب التعبير باب من كذب في حلمه، رقم: ۷۰۴۲



✿ خواب میں نبی ﷺ کی زیارت بھی ہو سکتی ہے اور شیطان نبی ﷺ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِي))<sup>①</sup>

”جس شخص نے (خواب میں) مجھے دیکھا تو اس نے یقیناً حق ہی دیکھا کیونکہ

شیطان میری مشابہت اختیار نہیں کر سکتا۔“

✿ دن کے خواب بھی رات کے خواب کی مثل ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بات غلط ہے کہ دن کے خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ کا بھی یہی موقف ہے کہ رات اور دن کے خواب یکساں ہیں۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے درج ذیل روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ کے ایک دن کے خواب کا ذکر ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ تَحْتَ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَأَطَعَمَتْهُ، وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: (نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُرَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَرَكِبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ، أَوْ: مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: (نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُرَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ) كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: ((أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ)) فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي

① صحيح البخاری، کتاب التعبير باب من رأى النبی فی المنام، رقم: ۶۹۹۷



سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ، فَهَلَكَتْ ①

رسول اللہ ﷺ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کی بیوی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اس کے بعد وہ آپ کے سر سے گرد و غبار صاف کرنے لگیں حتیٰ کہ آپ سو گئے پھر جب بیدار ہوئے تو آپ ہنس رہے تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے کچھ لوگ مجھے اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو بادشاہوں کی طرح سمندر میں سوار ہیں یا بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہیں۔“

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں شریک کرے، چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد پھر سر رکھ کر سو گئے پھر جب ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس لیے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے چند لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے پھر میرے سامنے پیش کیے گئے، جیسا کہ آپ نے پہلی دفعہ فرمایا تھا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ مجھے کو ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تم تو پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی ہو۔“ پھر ایسا ہوا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندر میں سوار ہوئیں اور سمندر سے نکلتے وقت اپنی سواری سے گر کر ہلاک ہو گئیں۔

اس روایت سے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ثابت کیا ہے کہ رات اور دن کے خواب برابر ہیں اور یہی امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا موقف ہے۔

① صحیح البخاری، کتاب التعبير، باب رؤیا بالنہار، رقم: ۷۰۰۱، ۷۰۰۲



## وہ آئیں گھر ہمارے

کتنے خوش نصیب تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ وہ بارگاہ رسالت میں آ کر آپ ﷺ سے درخواست کرتے کہ یا رسول اللہ ہمارے گھر تشریف لائیں اور پھر عرب کے چاند کو اپنے گھر میں جلوہ افروز دیکھتے۔ آپ ﷺ کی آمد سے ان کا گھر مہک اٹھتا تھا۔ پھر وہ آپ ﷺ کے رُخ تاباں کا دیدار بھی کرتے تھے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جھڑنے والے پھول بھی اکٹھے کرتے تھے۔ آج احادیث کی کتابیں انہی پھولوں سے معطر ہیں۔ عرب کے ان دیہاتی لوگوں کی قسمت کے کیا کہنے، جو تھے تو بکریوں کے چرواہے، لیکن امام کائنات ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے سے خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي میں شامل ہو کر زمانے کے بہترین لوگ بن گئے اور ان کے کچے جھونپڑے دنیا کے بہترین گھر تھے کہ ان گھروں میں رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے، ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھے اور ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے۔ ان کے آنسو کس قدر قیمتی تھے کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ اپنے دلاسہ سے خشک فرماتے اور ان کی خوشیاں کس قدر قابل رشک تھیں کہ جن میں محمد عربی ﷺ کی آمد بہار کا جھونکا بن جاتی تھی۔

ہاتھ آئے اگر خاک تیرے نقشِ قدم کی  
سر پر کبھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں

نبی ﷺ بعض دفعہ خود ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور کبھی کوئی صحابی خود یہ خواہش لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا کہ آپ ﷺ ان کے گھر کو رونق بخشیں۔ ہم یہاں عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایسی ہی ایک درخواست لے کر بارگاہ رسالت میں آئے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ،  
وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ: أَتَى



رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصْرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي، فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ، سَأَلَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ لَهُمْ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي، فَاتَّخِذْهُ مُصَلِّي، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُوبَكْرٍ

حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: ((أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ)) قَالَ:

فَأَشْرْتُ إِلَى نَاحِيَةِ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا

فَصَفَفْنَا، فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ: وَحَبَسْنَا عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا

لَهُ، قَالَ: فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُوعَدَدٍ، فَاجْتَمَعُوا،

فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوْ ابْنُ الدُّخَيْشِنِ؟ فَقَالَ

بَعْضُهُمْ: ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

((لَا تَقُلْ ذَلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ))

قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى

الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ))<sup>①</sup>

حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عتبان بن

مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انصاری اصحاب میں سے ہیں جو شریک

بدر تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بینائی خراب ہو گئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن

بارش کی وجہ سے جب وہ نالہ بہنے لگتا ہے جو میرے اور ان کے درمیان ہے تو

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب المساجد فی البيوت، رقم: ۴۲۵



میں نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں نہیں آسکتا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو جائے نماز قرار دے لوں۔ راوی کہتا ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں ان شاء اللہ جلد ہی ایسا کروں گا۔“ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی پس آپ میرے گھر میں داخل ہوئے اور بیٹھنے سے پہلے فرمایا: ”تم اپنے گھر میں کس جگہ نماز پڑھنا چاہتے ہو تا کہ میں وہاں نماز پڑھوں۔“ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کے ایک گوشہ کی نشاندہی کی تو آپ نے وہاں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی۔ ہم بھی صف بستہ ہو کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد سلام پھردیا، پھر ہم نے آپ کے لیے کچھ حلیم تیار کر کے آپ کو روک لیا اس کے بعد اہل محلہ میں کئی آدمی گھر میں آ کر جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ مالک بن دخیشن یا دُخشن کہاں ہے؟ کسی نے کہا: وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا مت کہو کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔“ وہ شخص بولا: اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں بظاہر تو ہم اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقین کے حق میں دیکھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر آگ کو حرام کر دیا ہے جو لا الہ الا اللہ کہہ دے بشرطیکہ اس سے اللہ کی رضا مندی ہی مقصود ہو۔“

مذکورہ حدیث میں ہمارے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں جن میں سے چند ایک

درج ذیل ہیں:



✿ معلم کو اپنے شاگرد کے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے اور اس طرح پیر کو اپنے مرید کے گھر میں بلا اجازت داخل نہیں ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ جو کائنات کے ہادی و رہبر اور مرشد ہیں، عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگ رہے ہیں۔ حالانکہ عتبان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے صحابی اور آپ کے شاگرد ہیں۔

✿ گھر کے ایک کمرے یا کونے کو عبادت کے لیے خاص کیا جاسکتا ہے جہاں نقلی نماز ادا کریں اور فرائض کی مسجد میں ادائیگی کے بعد سنتیں گھر میں اس مقام پر ادا کریں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ گھر میں موجود خواتین اور بچے اس سے ایک تربیتی سبق حاصل کریں گے اور آج ہمارے لیے افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ ہم گھر میں عبادت کے لیے تو کوئی کمرہ یا کونا کھدرا خاص نہیں کرتے، لیکن شیطانی آلات کے لیے ضرور گھر میں ایسی جگہ کا اہتمام کرتے ہیں جہاں سب بیٹھ کے شیطانی کھیل سے لطف اندوز ہو سکیں۔ آہ! کبھی مسلمانوں کے گھروں میں تلاوت کی آواز گونجا کرتی تھی اور رات کی تاریکیوں میں وہ آہوں اور سسکیوں سے معمور ہوتے تھے۔ جب ہم سے وہ آہ سحرگاہی اور دعائے نیم شبی چھن گئی تو ہمارے دلوں سے روحانی سکون بھی جاتا رہا۔

کبھی چھوڑی ہوئی محفل بھی یاد آتی ہے راہی کو

کھٹک سی جو سینے میں ہے کہیں غم منزل نہ بن جائے

✿ نبی کریم ﷺ نے کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے والے کو منافق کہنے سے روک دیا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ انسانیت کو ملانے کا درس لے کر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے کافر و منافق وغیرہ کہنے سے حتی المقدور گریز کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ آپ کی زندگی کا مقصد ہی نہیں تھا۔ آپ ﷺ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرنے، انہیں آپس میں ملانے اور انسانیت کا درس دینے کے لیے آئے تھے اور اپنی کوشش و جہد کو انہی چیزوں پر مرکوز رکھا۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ ﷺ کے طریق کو چھوڑ کے کفر و منافقت کے فتوؤں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔



## مرنے سے پہلے دو رکعت کی خواہش

حرم سے باہر مقام تنعیم پر سولی کو گاڑھ دیا گیا تھا اور اعلان کرنے والے لوگوں کو جمع کر رہے تھے۔ ڈھنڈورچی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے اور لوگوں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ایک صحابی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے شہید کرنا چاہتے تھے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں، ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اور اب حارث بن عامر کے بیٹے جنہوں نے دھوکے سے کسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا تھا، انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے تو کافر کو میدان جنگ میں بہادری کی طرح لڑتے ہوئے جہنم واصل کیا تھا اور یہ کافر لوگ خبیب رضی اللہ عنہ کو بزدلوں کی طرح جم غفیر کی صورت میں قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ چلتے ہوئے جب پھانسی گھاٹ کے قریب پہنچے تو ان کی پر وقار آواز گونجی: اگر تمہاری اجازت ہو تو میں دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سارا واقعہ اپنی صحیح میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةَ رَهْطٍ عَيْنًا وَأَمَرَ عَلَيْهِمُ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَنْطَلَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْهَدَاةِ بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ ذُكِرُوا الْحَيِّ مِنْ هُدَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ فَنَفَرُوا لَهُمْ بِقَرِيبٍ مِنْ مِائَةِ رَجُلٍ رَامٍ فَاقْتَصَّوْا آثَارَهُمْ حَتَّى وَجَدُوا مَا كَلَّهُمُ التَّمْرَ فِي مَنْزِلٍ نَزَلُوهُ قَالُوا نَوَى تَمْرٍ يَشْرَبُ فَاتَّبَعُوا آثَارَهُمْ فَلَمَّا أَخْبَرَ بِهِمْ عَاصِمٌ وَأَصْحَابُهُ لَجَّوْا إِلَى فَدَفِدٍ فَأَحَاطَ بِهِمُ الْقَوْمُ فَقَالُوا لَهُمْ: انزِلُوا وَأَعْطُونَا بِأَيْدِيكُمْ وَلَكُمْ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ أَنْ لَا نَقْتُلَ مِنْكُمْ أَحَدًا فَقَالَ عَاصِمٌ بْنُ ثَابِتٍ أَمِيرُ الْقَوْمِ أَمَا أَنَا وَاللَّهِ لَا أَنْزِلُ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ اللَّهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



فَرَمَوْهُمْ بِالنَّبْلِ فَقَتَّلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةِ وَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ عَلَى  
 الْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ مِنْهُمْ خُبَيْبُ الْأَنْصَارِيُّ وَزَيْدُ بْنُ الدِّثْنَةِ وَرَجُلٌ آخَرُ  
 فَلَمَّا تَمَكَّنُوا مِنْهُمْ أَطْلَقُوا أَوْتَارَ قَسِيهِمْ فَرَبَطُوهُمْ بِهَا فَقَالَ: الرَّجُلُ  
 الثَّلَاثُ هَذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ وَاللَّهِ لَا أَصْحَبُكُمْ إِنَّ لِي بِهِؤُلَاءِ لَأَسْوَأَ يُرِيدُ  
 الْقَتْلَ فَجَرَّوهُ وَعَالَجُوهُ فَأَبَى أَنْ يَصْحَبَهُمْ فَقَتَّلُوهُ فَاَنْطَلَقُوا بِخُبَيْبِ  
 وَزَيْدِ بْنِ الدِّثْنَةِ حَتَّى بَاعُوهُمَا بِمَكَّةَ بَعْدَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَابْتَاعَ بَنُو  
 الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ خُبَيْبًا وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ  
 الْحَارِثَ بْنَ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلِ يَوْمَ بَدْرٍ فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أَسِيرًا حَتَّى  
 أَجْمَعُوا قَتْلَهُ فَاسْتَعَارَ مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ مُوسَى يَسْتَجِدُّ بِهَا  
 لِلْقَتْلِ فَأَعَارَتْهُ إِيَّاهَا فَدَرَجَ بِنْتُ لَهَا قَالَتْ وَأَنَا غَافِلَةٌ حَتَّى آتَاهُ فَوَجَدْتُهُ  
 يُجْلِسُهُ عَلَى فِخْدِهِ وَالْمُوسَى بِيَدِهِ، قَالَتْ: فَفَزِعْتُ فَزَعَةً عَرَفَهَا  
 خُبَيْبٌ، قَالَ: أَتَخَشِينَ أَنِّي أَقْتُلُهُ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ فَقَالَتْ: وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ  
 أَسِيرًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ خُبَيْبِ قَالَتْ وَاللَّهِ لَقَدْ وَجَدْتُهُ يَوْمًا يَأْكُلُ قِطْفًا  
 مِنْ عِنَبٍ فِي يَدِهِ وَإِنَّهُ لَمُوثِقٌ فِي الْحَدِيدِ وَمَا بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرَةٍ  
 وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّهُ لَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللَّهُ خُبَيْبًا فَلَمَّا خَرَجُوا بِهِ مِنَ الْحَرَمِ  
 لِيَقْتُلُوهُ فِي الْحِجْلِ قَالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ دَعُونِي أَرْكَعُ رَكَعَتَيْنِ فَتَرَكَوهُ  
 فَارْكَعَ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ: وَاللَّهِ لَوْلَا أَنْ تَحْسِبُوا أَنَّ مَا بِي جَزَعًا مِنْ  
 الْقَتْلِ لَزِدْتُ اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلِهِمْ بَدَدًا وَلَا تَبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا  
 فَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلَّهِ مَصْرَعِي  
 وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَاءُ يُبَارِكْ عَلَيَّ أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ ثُمَّ قَامَ  
 إِلَيْهِ أَبُو سِرْوَعَةَ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهُ وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنٌّ لِكُلِّ  
 مُسْلِمٍ قَتَلَ صَبْرًا الصَّلَاةَ وَاسْتَجَابَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لِعَاصِمِ بْنِ ثَابِتِ



يَوْمَ أُصِيبَ فَأَخْبَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُصِيبُوا خَبَرَهُمْ وَبَعَثَ نَاسًا مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ حِينَ حَدَّثُوا أَنَّهُ قُتِلَ لِيُؤْتَى بِشَيْءٍ مِنْهُ يُعْرَفُ وَكَانَ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ عَظْمَائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَبَعَثَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى عَاصِمٍ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَّتُهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى أَنْ يَقَطَعُوا مِنْهُ شَيْئًا<sup>①</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دس آدمی فوج کی طرف سے جاسوسی کرنے کے لیے بھیجے اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار مقرر کیا، چنانچہ وہ روانہ ہو گئے۔ جب مقام ہدہ میں جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے، پہنچے تو قبیلہ ہذیل یعنی بنو لحيان کو ان کا علم ہو گیا اور ایک سوتیرا انداز ان کے واسطے چلے اور جس جگہ انہوں نے کھجوریں بیٹھ کر کھائیں تھیں جو بطور زاد راہ کے مدینہ سے لائے تھے، وہاں پہنچ کر کہنے لگے یہ مدینہ کی کھجوریں ہیں۔ پھر وہ کھجوروں کے نشان کی وجہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے جو کافروں کو دیکھا تو ایک اونچی جگہ پر پناہ لے لی۔ کافروں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے تم اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ہم اقرار کرتے ہیں کہ کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ سردار جماعت یعنی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم آج میں تو کافر کی پناہ میں نہ اتروں گا۔ الہی ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے حال کی اطلاع دے دے۔ کفار نے یہ سن کر ان کے تیر مارے اور عاصم سمیت سات آدمیوں کو شہید کر دیا۔ باقی تین آدمی یعنی خبیب انصاری، زید بن دثنہ اور ایک اور شخص قول و قرار لے کر کفار کی پناہ میں چلے گئے۔ کافروں کا جب ان پر قابو حاصل ہو گیا تو کمانوں کی تانت اُتار کر ان کو مضبوط جکڑ لیا۔ ان میں تیسرا آدمی بولا یہ پہلی عہد شکنی ہے اللہ کی قسم میں تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا،

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شہد بدرا، رقم: ۳۹۸۶



مجھے ان شہیدوں کی راہ پر چلنا ہے۔ کافروں نے اس کو پکڑ کر کھینچا اور ہر چند ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ گیا، آخر کار اس کو قتل کر دیا اور خبیب و ابن دثنہ کو لے چلے اور واقعہ بدر کے بعد دونوں کو فروخت کر دیا۔ خبیب کو حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا۔ جنگ بدر کے دن خبیب نے ہی حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ بہر حال خبیب ان کے پاس قید رہے۔ حارث کی بیٹی کا بیان ہے کہ جب سب کافر خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوئے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے بالوں کی اصلاح کرنے کے لیے مجھ سے اُسترا مانگا، میں نے دے دیا اور میری بے خبری میں میرا چھوٹا بچہ لڑھکتا ہوا ان کی طرف چلا گیا تو خبیب نے میرے اس لڑکے کو ران پر بٹھالیا مجھے اس وقت خبر نہ ہوئی جب میں اس کے پاس پہنچی اور میں نے دیکھا کہ میرا لڑکا اُس کی ران پر بیٹھا ہے اور اُسترا اُس کے ہاتھ میں ہے تو میں گھبرا گئی۔ خبیب نے بھی خوف کے آثار میرے چہرے پر دیکھ کر پہچان لیا اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں اس بات کا خوف ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ بنت حارث کہتی ہے بخدا! میں نے خبیب سے بہتر کبھی کوئی قیدی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم میں نے ایک روز دیکھا کہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا انگور کا ایک خوشہ ہاتھ میں لیے کھا رہا ہے، حالانکہ ان دنوں مکہ میں وہ پھل نہیں تھا۔ درحقیقت وہ خدا داد حصہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو مرحمت فرمایا تھا۔ جب کفار خبیب کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو قتل ہونے سے قبل خبیب بولے مجھے ذرا چھوڑ دو میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کافروں نے چھوڑ دیا۔ خبیب نے دو رکعتیں پڑھ کر کہا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ یہ لوگ گمان کریں گے کہ موت سے ڈر گیا ہوں تو نماز طویل پڑھتا پھر کہنے لگے الہی ان سب کو ہلاک کر دے ایک کو باقی نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھے۔

اگر حالت اسلام میں میرا قتل ہو تو پھر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ اللہ کی راہ



میں کس پہلو پر میری موت ہوگی۔ میرا یہ مارا جانا اللہ کی راہ میں ہے اور اگر اللہ چاہے گا تو کٹے ہوئے عضو کے جوڑوں پر برکت نازل فرما دے گا۔ اس کے بعد حارث کے بیٹے نے خبیب کو قتل کر دیا۔ حضرت خبیب سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ہر اس مسلمان کے لیے جو اللہ کی راہ میں گرفتار ہو کر مارا جائے قتل ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ جاری کیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے شہید ہوتے وقت جو دعائیں تھی اللہ تعالیٰ نے وہ قبول کر لی اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر دے دی اور حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے عاصم رضی اللہ عنہ وغیرہ کے مصائب کی کیفیت بیان فرمادی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر کے دن کفار کے ایک بڑے سردار کو مارا تھا اس لیے کافروں نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ جا کر عاصم کی کوئی نشانی لے آؤ تاکہ نشانی کے ذریعہ سے عاصم کی شناخت ہو جائے لیکن کچھ بھڑیں (زنبور) حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابر کی طرح مسلط فرمادیں اور ان بھڑوں نے قریش کے قاصدوں سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کو محفوظ رکھا اور کفار حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے بدن کا گوشت نہ کاٹ سکے۔

حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ وہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ کتنے بابرکت لوگ تھے جو جان بھی باری تعالیٰ کی خاطر ہی دیتے اور مرنے سے پہلے گھبراہٹ کی بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہونا چاہتے۔ موت سامنے کھڑی ہے لیکن ۔

تختہء دار پہ آئے تو اسے چوم لیا  
ایسے بھی جی دار زمانے نے کم دیکھے ہیں

یہ عجب توحید کا درس ہے کہ کافروں کے جھرمٹ میں، موت کے سامنے اللہ کو سجدہ کر کے اعلان کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں، ہماری گردن صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتی ہے، کسی بت کے سامنے نہیں۔ یہ لوگ صنم خانوں میں توحید کی ضرب لگانے والے تھے۔



## نیکیوں کے لیے مال کی خواہش

مال کا اگر صحیح استعمال کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ اس مال کے ذریعہ سے نیکیاں بھی خریدی جاسکتی ہیں اور برائیاں بھی لوگوں پر رحم بھی کیا جاسکتا ہے اور ظلم بھی اور اس مال کے ذریعہ سے بندہ نیکی کے راستے بھی کھول سکتا ہے اور ظلم کے راستے بھی۔ آپ ﷺ نے اس آدمی کو قابل رشک قرار دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایک دفعہ چند غریب صحابہ رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ان کے لیے مال کی دُعا کریں۔ اس لیے کہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ مال دار لوگ نیکیوں میں ان سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ مال کے ذریعہ نیکیاں خرید رہے ہیں۔ مجاہدین کی مدد کر رہے ہیں، فقراء پر خرچ کرتے ہیں اور غریب لوگ ایسی نیکیاں نہیں کر سکتے۔ پس انہوں نے آپ ﷺ سے مال کے لیے دُعا کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے

جَا الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ (ﷺ) فَقَالُوا: اذْهَبْ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالذَّرَجَاتِ الْعُلَى وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِّنْ أَمْوَالٍ يَحْجُونَ بِهَا وَيَعْتَمِرُونَ وَيَجَاهِدُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ فَقَالَ الْإِحَادِ ثُكْمٌ بِهَا إِنَّ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَن سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانِيهِمْ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ)) فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا فَقَالَ: بَعْضُنَا نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنُحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ)) فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ



فَقَالَ: تَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ حَتَّى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ①

محتاج اور نادار لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے مالدار، دولت مند لوگوں نے بلند درجات کما لئے اور ہمیشہ کا چین لوٹ لیا وہ ہماری ہی طرح نماز پڑھتے ہیں ہماری ہی طرح روزے رکھتے ہیں اور ان کے پاس مال و زر اس کے علاوہ ہے جس کے ساتھ وہ حج اور عمرہ کرتے ہیں جہاد اور صدقہ کرتے ہیں (اور ہم محتاجی کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کر سکتے) آپ نے فرمایا: ”تمہیں ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آگے بڑھنے والوں کو پکڑ لو گے اور جو تمہارے پیچھے ہیں ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پاسکے گا اور تم اپنے زمانہ والوں میں سے سب سے اچھے ہو جاؤ گے تمہاری برابری صرف وہی کر سکے گا جو تمہارے جیسے عمل کرے گا ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار ”سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر“ کہہ لیا کرو۔“ (راوی کہتا ہے) پھر ہم لوگوں نے اس حدیث میں اختلاف کیا بعض لوگ کہنے لگے: سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار کہنا چاہیے آخر میں ابوصالح کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر سب تینتیس تینتیس بار کہو۔

اسی سے ملتا جلتا مضمون صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ (ﷺ) قَالُوا لِلنَّبِيِّ (ﷺ): يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّنُورِ بِالْأَجُورِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيُصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ قَالَ: ((أَوْلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُونَ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَ أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ

① صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلاة: ۸۴۳



صَدَقَةٌ وَنَهَى عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ آيَاتِي أَحَدُنَا شَهْوَتُهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا جُرٌّ قَالَ: ((أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَالِلِ كَانَ لَهُ أَجْرًا))<sup>①</sup>

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے چند صحابہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مال و دولت والے اجر و ثواب میں بڑھ گئے اس لیے کہ وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور اسی طرح روزے رکھتے ہیں جیسے ہم روزے رکھتے ہیں (لیکن اس کے ساتھ) وہ اپنے زائد مالوں سے صدقہ دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے لیے بھی تو اللہ نے صدقہ کا سامان کر دیا ہے ہر تسبیح صدقہ ہے ہر تکبیر صدقہ ہے اور تمہیں صدقہ ہے اور ہر لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور اچھی بات سکھانا صدقہ ہے بری بات سے روکنا صدقہ ہے اور ہر شخص کے بدن کے ٹکڑے میں صدقہ ہے۔“ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی اپنی شہوت پوری کرتا ہے (اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے) کیا اس میں بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیوں نہیں دیکھو اگر وہ اسے حرام میں صرف کر لے تو کیا اس پر وبال نہیں ہوگا۔۔۔؟ اسی طرح جب حلال میں صرف کرتا ہے تو ثواب ہوتا ہے۔“

اور مذکورہ تعداد میں تسبیحات و تکبیرات پڑھنے کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی اگر رات کو سونے سے پہلے اس عمل کو دہرائے تو اس کی دن بھر کی تھکاوٹ کا فوراً ہو جائے گی اور وہ نئے سرے سے ہشاش و بشاش ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا شَكَّتْ مَا تَلَّقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّخِي فَآتَتْ النَّبِيَّ (ﷺ) تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ

① صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف: ۱۰۰۶



أَخْبَرْتُهُ، قَالَ: فَجَاءَ نَاوَقْدُ أَخَذَنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْتُ أَقَوْمٌ، فَقَالَ: ((مَكَانَكَ)) فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِيهِ عَلَى صَدْرِي فَقَالَ ((الَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ خَادِمٍ إِذَا أَوْيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَا جَعَكُمَا فَكَبِيرًا اِثْلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَ سَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَ اِحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَهَذَا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ خَادِمٍ))<sup>①</sup>

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ شکوہ کیا کہ چکی پیسنے سے ان کے ہاتھ پر نشان پڑ گئے ہیں اور وہ نبی ﷺ کے پاس ایک لونڈی مانگنے کے لیے آئیں اتفاق سے نبی ﷺ نہ ملے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے آنے کا مقصد بیان کر دیا (اور چلی آئیں) جب نبی ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے (حضرت فاطمہ کے آنے کا) ذکر کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم اپنے بستروں پر سونے کے لیے جا چکے تھے میں نے آپ کو دیکھ کر اٹھنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا: ”اٹھو نہیں اپنی جگہ پر رہو“ آپ تشریف لا کر ہم دونوں کے بیچ میں بیٹھ گئے، میں نے آپ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی آپ نے فرمایا: میں تم دونوں کو ایسی ترکیب نہ بتاؤں جو تمہارے لیے ایک خدمت گار سے بڑھ کر ہو جب تم دونوں اپنی خوابگاہ میں اپنے بچھونوں پر جانے لگو تو ۳۳ بار اللہ اکبر کہو ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ یہ عمل تمہارے لیے ایک خدمت گار سے بڑھ کر ہوگا۔“

① صحیح البخاری کتاب الدعوت باب التكبير والتسبيح عند المنام، رقم: ۶۳۱۸



## جنت کی خواہش میں کھجوریں پھینک دیں

صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خواہش اُخروی کامیابی ہوا کرتی تھی اور انہوں نے اس کے حصول کو اپنا مقصد اور منشور بنا رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے خود بھی ان الفاظ میں آخرت کی کامیابی کو ہی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا ہے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾<sup>①</sup>

”پس جو شخص آگ سے بچا کے جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

چنانچہ اگر یہ کامیابی کسی صحابی کو قریب نظر آئی ہے تو اس نے اس کے حصول میں اتنی بھی دیر نہیں لگائی کہ ہاتھ میں پکڑا ہوا لقمہ ہی منہ میں ڈال لیا جائے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ: أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ، فَأَيْنَ أَنَا؟ قَالَ: ((فِي الْجَنَّةِ)) فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ<sup>②</sup>

”اُحد کے دن ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: فرمائیے اگر میں جہاد میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: جنت میں۔ یہ سن کر اس نے فوراً اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک دنیا کا حصول بھی آخرت کو بہتر بنانے کے لیے ہوتا تھا۔ جب دنیا ان پر فراخ کر دی گئی تو اُحد میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دفعہ شام کو کھانا لایا گیا اور وہ روزے سے تھے۔ جب ان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو انہیں اُحد کے شہداء یاد آ گئے۔ فرمانے لگے:

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر تھے جب وہ شہید ہوئے تو انہیں ایک چادر

① آل عمران: ۱۸۵ ② صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة احد، رقم: ۴۰۴۶



میں کفن دیا گیا جس سے اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے وہ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ پھر ہمارے لیے دنیا کشادہ کر دی گئی اور ہمیں دنیا کا ساز و سامان دے دیا گیا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا ہمیں دنیا کی صورت میں جلد بدلہ نہ دے دیا گیا ہو پھر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔<sup>①</sup>

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔

عَنْ خَبَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللَّهِ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ فَمِنَّا مَنْ مَاتَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِيهَا قَتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكْفِيهِ بِهِ إِلَّا بُرْدَةً إِذَا غَطَيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غَطَيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ، وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ<sup>②</sup>

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے صرف اللہ کی رضا کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہجرت کی تو ہمارا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے تو مرنے تک اپنے بدلے میں کچھ نہ کھایا۔ انہی لوگوں میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور ہم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے لیے ان کا پھل پک گیا اور وہ اسے اٹھا اٹھا کر کھاتے ہیں۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے ان کے کفن کے لیے کچھ نہ ملا بس ایک چادر تھی اگر اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر کچھ اذخر گھاس ڈال دو۔

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد، رقم: ۴۰۴۵

② صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا لم يجد كفنا الا ما يوارى راسه، رقم: ۱۲۷۶



## میرے قدم بھی لکھے جائیں

صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر وقت نیکی کی دُھن لگی رہتی اور نیکی کے حصول کے لیے محنت مشقت کرتے۔ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا نماز میں حائل نہ ہوتا اور گرمیوں کی تپتی دوپہریں ظہر کی نماز سے نہ روک سکتیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کا گھر مسجد سے اتنا دور تھا کہ میرے خیال میں کوئی اور آدمی اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا لیکن وہ ہر نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ اس سے کہا گیا کہ آپ کوئی گدھا خرید لیں تاکہ اندھیرے اور سخت گرمی میں اس پر سوار ہو کر آجایا کریں۔ اس نے کہا:

مَا يَسُرُّنِي أَنْ مَنَزَلِي إِلَى جَنْبِ الْمَسْجِدِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ يُكْتَبَ لِي مَمْشَايَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوعِي إِذَا رَجَعْتُ إِلَى أَهْلِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((قَدْ جَمَعَ اللَّهُ لَكَ ذَلِكَ كُلَّهُ))<sup>①</sup>

اس نے کہا کہ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو، میں تو چاہتا ہوں کہ میرا مسجد کی طرف چل کر جانا اور جب میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آؤں تو میرا لوٹنا بھی لکھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یقیناً اللہ نے تیرے لیے یہ سب جمع فرما دیا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے اور انہیں اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے وفات سے پہلے اپنی سب سے بڑی خواہش کا اظہار اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ان الفاظ میں کیا۔ فرمانے لگے:

اے عبداللہ! تم ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو، عمر آپ کو

① صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، رقم: ۶۶۳



سلام کہتا ہے پھر ان سے کہنا میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب یہ پیغام پہنچایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي فَلَا وَثَرَنَهُ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِي

میں خود اس جگہ کا ارادہ رکھتی تھی لیکن آج میں اُن کو خود پر مقدم رکھوں گی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لوٹ کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہاں دفن ہونے کا جتنا خیال تھا اتنا کسی اور چیز کا نہیں تھا۔ جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہنا اور عرض کرنا کہ عمر آپ کے حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور نہ مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کر دینا۔ پھر فرمایا: دیکھو میں خلافت کا حقداران چند افراد سے بڑھ کر کسی کو نہیں پاتا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک راضی رہے۔ یہ لوگ میرے بعد جس کو خلیفہ بنائیں وہی خلیفہ ہوگا۔ اس کی بات سننا اور اس کا کہا ماننا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان، حضرت علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ اتنے میں ایک انصاری نوجوان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشی مبارک ہو اسلام میں آپ کا جو مقام ہے اسے آپ جانتے ہی ہیں پھر آپ خلیفہ بنے تو انصاف کرتے رہے اور اب آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھتیجے میری تو یہ آرزو ہے کاش یہ خلافت برابر برابر رہے نہ مجھے اس کا ثواب ملے اور نہ میرے اوپر کچھ وبال ہو۔<sup>①</sup>

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفجاءة بغتة، رقم: ۱۳۹۲



## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیر کے دن فوت ہونے کی خواہش

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور وہ ان دنوں مرض الموت میں تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمانے لگے:

كَمْ كَفَنْتُمْ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحْوَلِيَّةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ، وَقَالَ لَهَا: فِي أَيِّ يَوْمٍ تُوفِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَتْ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، قَالَ: ارْجُو فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ فَنَظَرَ إِلَيَّ ثَوْبٌ عَلَيْهِ كَانَ يُمَرِّضُ فِيهِ بِهِ رَدْعٌ مِّنْ زَعْفَرَانٍ، فَقَالَ: اغْسِلُوا ثَوْبِي هَذَا وَزِيدُوا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ فَكَفَّنُونِي فِيهِمَا، قُلْتُ: إِنَّ هَذَا خَلْقٌ، قَالَ: إِنَّ الْحَيَّ أَحَقُّ بِالْجَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ إِنَّمَا هُوَ لِلْمُهَلَّةِ فَلَمْ يُتَوَفَّ حَتَّى أَمْسَى مِنْ لَيْلَةِ الثُّلَاثَاءِ وَدُفِنَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ ①

تم نے نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ میں نے کہا: تین سوتی سفید کپڑوں میں، نہ ان میں قمیص تھی اور نہ عمامہ۔ پھر انہوں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی؟ انہوں نے بتایا: پیر کے دن۔ انہوں نے پوچھا: آج کون سا دن ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پیر کا دن۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ اب سے رات تک کسی وقت میں بھی رخصت ہو جاؤں گا پھر اپنے کپڑے پر نظر ڈالی جو بیماری میں پہنا ہوا تھا اس پر زعفران کا نشان تھا۔ فرمایا: یہ کپڑا دھولینا اور اس کے ساتھ دو کپڑے اور ملا لینا اور ان میں مجھے کفن دینا۔ عرض کیا: یہ کپڑا تو پرانا ہے۔ انہوں نے فرمایا: نیا کپڑا زندہ آدمی کو زیادہ درکار ہوتا ہے بہ نسبت مردے کے۔ کیونکہ مردے کا کپڑا تو پیپ اور خون کے لیے ہے۔ پھر اس دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے یہاں

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب موت يوم الاثنين، رقم: ۱۳۸۷



تک کہ منگل کی رات آگئی اور صبح ہونے سے پہلے دفن کر دیے گئے۔  
 نئے کپڑے کا حقدار یقیناً ایک زندہ انسان ہی ہے جو ضرورت مند ہے۔ یہ صحابہ کی  
 سوچ اور فکر تھی اور ہر وقت قبر کا تصور ان کے سامنے رہتا۔ اسی لیے فرمایا کہ کپڑا تو لہو اور  
 پیپ کے لیے ہے۔ قبر میں اعمال کی روشنی ہوتی ہے، نئے لباس یا خوشبو کی نہیں۔ لباس کی  
 کیفیت تو یہ ہے کہ ۔

کئی بار ہم نے دیکھا کہ جن کا مُشْتِئِین بدن تھا معطر کفن تھا  
 جو قبر کہن ان کی اُکھڑی نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

قبر میں روشنی اعمال کی ہوگی۔ باری تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت بھی اعمال کی ہے۔ عمل  
 اچھے ہیں تو بندہ قیمتی ہے اگر عمل گندے ہیں تو دنیا والوں کے ہاں تو بندہ اچھا ہو بھی سکتا ہے،  
 باری تعالیٰ کے ہاں نہیں۔ اللہ کے ہاں وہ تبھی اچھا ہوگا اگر گناہوں کی معافی مانگ لے اور  
 حقیقت میں بندگی کرنے والا بندہ بن جائے۔ اس لیے کہ زندگی درحقیقت وہی ہے جس  
 میں بندگی ہے اور زندگی بے بندگی شرمندگی ہے اور زندگی میں اگر بندگی نہیں کی تو اچھا کفن  
 اور خوشبو میں مہر کا یا بدن کیڑوں کی غذا بننے کے ساتھ تا حشر حسرتوں میں ڈوبا رہے گا۔

تَفَكَّرْتُ فِي حَشْرِي وَ يَوْمَ قِيَامَتِي

وَاصْبَاحَ خُلُوعِي فِي الْمَقَابِرِ ثَاوِيًا

”میں نے اپنے حشر اور قیامت کے دن کے بارے میں غور کیا کہ جب میرا

رُخسار قبر میں پڑا ہوگا۔“

فَرِيدًا وَجِيدًا بَعْدَ عِزِّ وَرِفْعَةٍ

رِهِينًا بِجُرْمِي وَالتَّرَابِ وَسَادِيًا

”عزت و بلندی کے بعد اکیلا پڑا ہوں گا میرا بدن قابو ہوگا اور مٹی ہی تکیہ

ہوگی۔“

تَفَكَّرْتُ فِي طُولِ الْحِسَابِ وَ عَرْضِهِ



وَذَلِّ مَقَامِي حِينَ أُعْطِيَ كِتَابِيَا

”میں نے طویل و عریض محاسبہ پر سوچا اور جس وقت اعمال نامہ ملے گا اس وقت پریشان سوچا۔“

وَلَكِنْ رَجَائِي فِيكَ رَبِّي وَخَالِقِي  
بِأَنَّكَ تَعْفُو يَا إِلَهِي خَطَائِيَا

”مگر اے میرے رب اور اے میرے خالق! تجھ پر امید ہے کہ اے میرے معبود تو میرے گناہوں کو معاف کر دے گا۔“

## دو تہائی مال صدقہ کرنے کی خواہش

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، مِنْ وَجَعِ اسْتَدَّ بِي

فَقُلْتُ: إِنِّي قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ مَا تَرَى، وَأَنَا ذُو مَالٍ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا

ابْنَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلثِي مَالِي؟ قَالَ: ((لَا)) فَقُلْتُ بِالشَّطْرِ؟ فَقَالَ: ((لَا))

ثُمَّ قَالَ: ((الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ، أَوْ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ،

خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي

بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ)) فَقُلْتُ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ أُخَلِّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ: ((إِنَّكَ لَنْ تُخَلِّفَ فَتَعْمَلَ

عَمَلًا صَالِحًا إِلَّا أزدَدَتْ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، ثُمَّ لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلِّفَ حَتَّى

يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ

وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ)) يَرِثِي لَهُ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ ①

رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے سال جبکہ میں ایک سنگین مرض میں مبتلا تھا،

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب رثا النبی ﷺ سعد بن خولة، رقم: ۱۲۹۵



میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ میری بیماری کی شدت کو آپ دیکھ رہے ہیں، میں مالدار آدمی ہوں مگر ایک بیٹی کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں ہے۔ کیا میں اپنے مال سے دو تہائی خیرات کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں“ میں نے عرض کیا: کیا اپنا آدھا مال؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں“ پھر میں نے عرض کیا: کیا ایک تہائی خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”ایک تہائی کا مضائقہ نہیں اگرچہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑنا تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فقیر چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم اللہ کی خوشنودی کے لیے جو کچھ صرف کرو گے اس کا اجر تمہیں ضرور ملے گا۔ حتیٰ کہ جو نوالہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی ثواب ملے گا۔“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بیماری کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ”تم ہرگز پیچھے نہ رہو گے جو نیک اعمال کرو گے ان سے تمہارے درجات میں اضافہ ہوتا جائے گا اور تمہارا مرتبہ بلند ہوتا رہے گا اور شاید تم بعد تک زندہ رہو گے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو تم سے نفع پہنچے گا اور کچھ لوگوں کو تمہاری وجہ سے نقصان ہوگا۔ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کامل کر دے اور انہیں ایڑیوں کے بل مت لوٹا۔“ (یعنی ان کو مکہ میں موت نہ آئے) لیکن بے چارے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ جن کے لیے رسول اللہ ﷺ اظہار رنج و ترس فرما رہے تھے وہ مکہ ہی میں انتقال کر گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے۔ عراق و ایران ان کے ہاتھوں فتح ہوئے اور بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن حجۃ الوداع والے سال وہ اپنی علالت کے پیش نظر سمجھتے تھے کہ شاید ان کی وفات کا وقت آ گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے وفات سے پہلے



دو تہائی مال صدقہ کرنے کی خواہش اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اس ارادہ سے روک دیا۔ اس لیے کہ وصیت میں ورثاء کو ان کے حق سے محروم کرنا درست نہیں، کوئی بھی آدمی اپنی کل جائیداد سے تیسرے حصہ تک کی وصیت کر سکتا ہے۔ علماء کرام نے وصیت کے معاملہ میں تین شرطوں کو لازمی قرار دیا ہے:

- ① ..... قرض کی ادائیگی کے بعد تیسرے حصہ یا اس سے کم کی وصیت ہو۔
- ② ..... کسی حرام کام کی وصیت نہ کرے اس لیے کہ نافرمانی کے کاموں میں اطاعت نہیں ہوگی۔
- ③ ..... ان ورثاء کے حق میں وصیت نہ کرے جو ترکہ میں حصہ دار بنتے ہوں۔

### عبادت کے لیے جگہ چاہتا ہوں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اللہ کے سامنے روئیں، آنسو برسائیں۔ اسی سے لو لگائیں۔ اگر کوئی دنیاوی چیز محبوب کی عبادت میں حائل ہوتی اس کو چھوڑ دیا کرتے۔ جو جگہ عبادت کے لیے مناسب نہ ہوتی وہاں سے ترک سکونت کر لیتے۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد یہی تھا۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی میں اسی لیے مسلمان میں اسی لیے نمازی

اس ضمن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ کس قدر نصیحت آموز ہے کہ جب انہوں نے مکہ کی سرزمین میں عبادت میں تنگی محسوس کی تو کسی ایسی جگہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جہاں وہ رب تعالیٰ کے سامنے اطمینان قلب سے سربسجدہ ہو سکیں۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

میں نے اپنے ہوش میں اپنے والدین کو دین حق کی پیروی کرتے ہوئے ہی دیکھا ہے اور ہم پر کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا تھا کہ صبح و شام دونوں وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس نہ آتے ہوں۔ پھر جب مسلمانوں کو سخت اذیت



دی جانے لگی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما ہجرت کی نیت سے ملک حبش جانے لگے۔ جب مقام برک الغماد پہنچے تو انہیں ابن دغنے ملا جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا: اے ابو بکر! کہاں جا رہے ہو، انہوں نے کہا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیر و سیاحت اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔ ابن دغنے کہنے لگا کہ تمہارے جیسا شخص نہ تو نکلنے پر مجبور ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی نکال سکتا ہے کیونکہ تم تو جو چیز لوگوں کے پاس نہیں ہوتی وہ انہیں مہیا کرتے ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہو، ناداروں کی کفالت کرتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور راہ حق میں کسی کو مصیبت آئے تو تم اس کی مدد کرتے ہو لہذا میں تمہارا حامی ہوں، تم مکہ لوٹ چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما ابن دغنے کے ساتھ مکہ لوٹ آئے۔ پھر ابن دغنے رات کے وقت قریش کے سرداروں سے ملا اور ان سے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہما جیسا شخص نہ تو نکلنے پر مجبور ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی نکال سکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو لوگوں کو وہ چیزیں مہیا کرتا ہے جو ان کے پاس نہیں ہوتیں، رشتہ داروں سے اچھا سلوک اور بے کسوں کی کفالت کرتا ہے اور جب کبھی کسی کو حق کے راستہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی مدد کرتا ہے نیز مہمان نواز ہے۔ غرض قریش نے ابن دغنے کی پناہ مسترد نہ کی اور اس سے کہا کہ تم ابو بکر کو سمجھا دو وہ گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں اور وہیں نماز یا جو چاہیں ادا کریں۔ علانیہ یہ کام کر کے ہمارے لیے اذیت کا باعث نہ بنیں کیونکہ علانیہ کرنے سے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ ابن دغنے نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو یہ پیغام پہنچایا اور وہ اسی شرط پر مکہ میں رہ گئے۔ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کرتے نماز علانیہ ادا نہ کرتے اور نہ ہی اپنے گھر کے سوا کہیں اور تلاوت کرتے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے دل میں خیال آیا تو انہوں نے



اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنائی وہاں نماز ادا کرتے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے، پھر ایسا ہوا کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے بکثرت ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ سب کے سب تعجب کرتے اور آپ کی طرف متوجہ رہتے چونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑی گریہ و زاری کرنے والے شخص تھے۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا تھا یہ حال دیکھ کر سردار ان قریش گھبرا گئے بالآخر انہوں نے ابن دغنے کو بلا بھیجا اس کے آنے پر انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے ابو بکر کو تمہاری وجہ سے اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں۔ مگر انہوں نے اس سے تجاوز کرتے ہوئے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی ہے۔ جس میں علانیہ نماز ادا کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے بگڑ نہ جائیں تم انہیں منع کرو، اگر وہ یہ منظور کر لیں کہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں گے تو امان برقرار بصورت دیگر اگر نہ مانیں اور اس پر ضد کریں کہ علانیہ عبادت کریں گے تو تم اپنی پناہ اس سے واپس مانگ لو کیونکہ ہم لوگ تمہاری پناہ توڑنا پسند نہیں کرتے اور ہم ابو بکر کی علانیہ عبادت کو بھی کسی صورت میں برقرار نہیں رکھ سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ابن دغنے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم سے کس بات پر معاہدہ کیا تھا لہذا تم اس پر قائم رہو یا پھر میری امان مجھے واپس کر دو کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ عرب کے لوگ یہ خبر سنیں کہ جس کو میں نے امان دی تھی اسے پامال کر دیا گیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تیری امان واپس کرتا ہوں اور میں صرف اللہ کی امان پر خوش ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: مجھے تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے وہاں کھجوروں کے درخت ہیں اور اس کے دونوں طرف پتھر یلے میدان ہیں یعنی سیاہ پتھر ہیں یہ سن کر جس نے ہجرت کرنی تھی وہ



مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اکثر لوگ جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ بھی مدینہ لوٹ آئے۔<sup>①</sup>

مذکورہ حدیث سے کتنی ہی روشن باتوں کا پتہ چلتا ہے، چند درج ذیل ہیں:

✽ جس جگہ بندہ رب تعالیٰ کی عبادت اچھے انداز سے نہ کر سکے اس جگہ کو خیر باد کہہ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ دُنیا میں آنے کا حقیقی مقصد تو آخرت کی تیاری ہے۔ اگر آخرت کی کامیابی ہی جاتی رہی تو دُنیا کی کامیابی کوئی فائدہ مند نہ ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں اپنی خواہش کا یوں اظہار کیا ہے: فَأَرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ وَأَعْبُدُ رَبِّي "میری خواہش ہے کہ میں زمین میں چلوں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔"

✽ گھر میں عبادت کی غرض سے ایک کمرہ یا کونہ مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں مسجد بنالی اور وہاں عبادت میں مشغول ہو گئے۔

✽ جو امان یا معاہدہ عبادت الہی میں حائل ہو اسے ختم کیا جاسکتا ہے۔

اسلام نے عبادت اور دنیا دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے کا حکم دیا ہے نہ تو اکیلی دنیا اور نہ ہی اکیلی عبادت دونوں میں توازن ضروری ہے۔ اس لیے کہ اکیلی عبادت رہبانیت کی طرف لے جاتی ہے اور اکیلی دُنیا مادہ پرستی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ یعنی تجارت بھی ہو اور عبادت بھی، اللہ کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے اور بندوں کے حقوق کا بھی۔ اگر کسی صحابی نے اکیلی عبادت کے لیے ترک دُنیا کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے:

مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِشَعْبٍ فِيهِ عَيْنِيَّةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَأَعْجَبَتْهُ فَقَالَ: لَوْ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هَذَا الشَّعْبِ وَلَنْ أَفْعَلَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: ((لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ہجرة النبي ﷺ واصحابه، رقم: ۳۹۰۵



سَبْعِينَ عَامًا أَلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ؟ اغزوا في سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُؤَادًا نَاقَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ) ①

اصحاب رسول میں سے ایک آدمی کا ایک ایسی گھاٹی سے گزر رہا جس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا، اس نے اس کے دل کو لہرایا تو اس نے کہا کاش میں لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس گھاٹی میں اقامت پذیر ہو جاؤں (تو کیا خوب ہو) لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا یہاں تک کہ (پہلے) رسول اللہ ﷺ سے اجازت لوں۔ پس اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اس لیے کہ تمہارے کسی ایک آدمی کا اللہ کی راہ میں قیام (جہاد) کرنا اس کے اپنے گھر کی ۷۰ سالہ نماز سے بہتر ہے۔ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل کر دے؟ (اس لیے) تم اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جس نے اللہ کے راستے میں اونٹنی کے دوبارہ دوہنے کے درمیانی وقفے جتنی مدت کے لیے بھی جہاد کیا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔“

معلوم ہوا لوگوں سے کنارہ کش ہو کر صرف عبادت میں مصروف ہو جانا بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ معاشرہ افراد سے مل کر ترکیب پاتا ہے اور اگر اس کے بہترین لوگ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور غاروں میں چلے جائیں گے تو برائی کو روکنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ اس سے معاشرے میں بگاڑ لازم آئے گا اور اگر وہ تنہا عبادت میں مشغول رہے تو جہاد کون کرے گا اور جہاد کے لیے لوگوں کو تیار کون کرے گا؟ تنہا عبادت کا فائدہ صرف زاہد کی اپنی ذات کو ہے جبکہ جہاد و قتال اور تبلیغ و اصلاح کا فائدہ بے شمار لوگوں کو ہے۔

وہ رَبِّ مَجْهُدٍ مِّنْ مَّحَبَّةٍ كَرَّةٍ

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہ

① (حسن) سنن الترمذی ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الغدو والروح، رقم: ۶۵۰



يَا رَسُولَ اللَّهِ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللَّهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ، فَقَالَ: ((إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللَّهُ وَإِزْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ))<sup>①</sup>

”یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز سے بے رغبتی ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔“

دنیا سے بے رغبتی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی محبت ایمانی راستے میں کہیں حائل نہ ہو بندہ ایمانی امور کو ہمیشہ مقدم رکھے اور دنیا صرف دنیا گزارنے اور آخرت کو تعمیر کرنے کے لیے کمائے اور لوگوں سے بے رغبتی ہونے کا مطلب ہے جو چیزیں لوگوں کے پاس ہیں ان میں حرص نہ رکھے اور لوگوں کے پاس کیا چیزیں ہیں، یہی مال و دولت ہے اور دیگر دنیا کا سامان ہے اور یہ چیزیں لوگوں کی محبوب اشیاء ہیں، بھلا جو کسی سے اس کی محبوب چیز مانگے وہ آدمی اس سے کیونکر محبت کرے گا اور جو لوگوں کے ساز و سامان اور مراتب و مناصب سے بے نیاز ہو لوگ اس کی طرف رغبت کریں گے۔

### وحی کا نزول دیکھنے کی خواہش

وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہوا ہو۔ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں نبی ﷺ کو اس وقت دیکھوں جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو۔ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ موقع پیدا کر دیا کہ میں نے آپ ﷺ کو اس کیفیت میں دیکھ لیا۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَرِنِي النَّبِيَّ ﷺ حِينَ يُوحَى إِلَيْهِ، قَالَ: فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ بِالْجِعْرَانَةِ، وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، كَيْفَ تَرَى فِي

① (حسن) سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب الزہد فی الدنیا، رقم: ۴۱۰۲



رَجُلٍ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ، وَهُوَ مُتَضَمِّنٌ بِطَيْبٍ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ سَاعَةً، فَجَاءَهُ الْوَحْيُ، فَأَشَارَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَيَّ فَجِئْتُ، وَعَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثَوْبٌ قَدْ أُظْلِيَ بِهِ، فَأَدْخَلْتُ رَأْسِي، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُحَمَّرُ الْوَجْهِ، وَهُوَ يَغْطُّ، ثُمَّ سُرِّي عَنْهُ، فَقَالَ: ((أَيْنَ الَّذِي سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ؟)) فَأْتَيْتُ بِرَجُلٍ، فَقَالَ: ((اغْسِلِ الطَّيْبَ الَّذِي بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَانزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجَّتِكَ))<sup>①</sup>

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہو آپ مجھے دکھائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک روز نبی ﷺ مقام جعرانہ میں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ بھی وہاں حاضر تھا اتنے میں ایک شخص نے آپ کے پاس آ کر پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کی بابت کیا حکم دیتے ہیں؟ جس نے عمرہ کا احرام باندھا مگر وہ خوشبو سے آلودہ ہے؟ اس پر نبی ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا: پھر آپ پر وحی آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف اشارہ کیا جب میں آیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سر پر ایک کپڑا تھا جس سے آپ پر سایہ کیا گیا تھا میں نے اپنا سر اس کپڑے کے اندر کیا تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سرخ ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ جب آپ کی یہ حالت ختم ہوئی تو فرمایا: ”وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرہ کے متعلق سوال کیا تھا؟“ چنانچہ وہ شخص حاضر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”جو خوشبو تجھے لگی ہوئی ہے اسے تین دفعہ دھو ڈالو اور اپنا جبہ اتار دو اور عمرہ میں بھی اس طرح کرو جیسے حج میں کرتے ہو۔“

وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ نبی کے علاوہ کسی بھی بندے پر وحی نہیں آ سکتی خواہ وہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو۔ نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں۔

① صحیح البخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلق ثلاث مرات، رقم: ۱۵۳۶



ایک وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ وہ وحی ہے جس کے الفاظ و معانی دونوں کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ اصطلاحاً اس وحی کو وحی متلو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور دوسری وحی وہ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اس کے معانی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ نبی ﷺ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ یہ وہ فرامین ہیں جو آپ نے شریعت کی تشریح و توضیح میں مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے۔ تمام صحیح و حسن احادیث وحی غیر متلو ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أحياناً يأتيني مثل صلصلة الجرس، وهو أشده عليّ، فيفصم عني وقد وعيتُ عنه ما قال، وأحياناً يتمثل لي الملك رجلاً، فيكلمني فأعي ما يقول) قالت عائشة رضي الله عنها: ولقد رأيته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد، فيفصم عنه وإن جبينه ليتفصد عرقاً. ①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کبھی تو وحی آنے کی کیفیت گھنٹی کی ٹن ٹن کی طرح ہوتی ہے اور یہ کیفیت مجھ پر بہت گراں گزرتی ہے پھر جب فرشتے کا پیغام مجھے یاد ہو جاتا ہے تو یہ موقوف ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آ کر مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وحی آتی تو اس کے موقوف ہونے پر آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑتا تھا۔

① صحیح البخاری، کتاب بدء الوحي، رقم: ۲



مذکورہ حدیث میں وحی کے نزول کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں، کبھی جبرائیل امین اپنی اصلی صورت میں بھی نبی ﷺ کے سامنے آئے ہیں اور کبھی خواب میں کسی امر کی وحی کر دی جاتی تھی۔

### اب عمرہ آپ کی خواہش سے

ثمامہ بن اثال اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخالف تھے اور کئی اعتبار سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کر چکے تھے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کے مسجد نبوی پہنچ گئے۔ گرفتار کرنے والوں کو پتہ نہیں تھا کہ یہ یمامہ کا بادشاہ ثمامہ بن اثال ہے۔ انہوں نے اسے لا کے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا۔ مکمل واقعہ صحیح بخاری کی اس روایت میں ان الفاظ میں موجود ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قَبْلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أَثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةِ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟)) فَقَالَ: عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ، إِنْ تَقْتُلَنِي تَقْتُلْ ذَادِمٍ، وَإِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَيَّ شَاكِرٍ، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ، فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ، فَتُرِكَ حَتَّى كَانَ الْغَدُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: ((مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟)) قَالَ: مَا قُلْتُ لَكَ: إِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَيَّ شَاكِرٍ، فَتُرِكَ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ، فَقَالَ: ((مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟)) فَقَالَ: عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ، فَقَالَ: ((أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ)) فَاذْهَبُوا إِلَى نَحْلِ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، يَا مُحَمَّدُ، وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَيَّ مِنَ الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ،



فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهَكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينِكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ، وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَ تَنِي، وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ، فَمَاذَا تَرَى؟ فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ، فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ: صَبَوْتَ، قَالَ: لَا وَاللَّهِ، وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا وَاللَّهِ، لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةٌ حِنْطَةٌ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ ﷺ ①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے نجد کی طرف چند سوار روانہ کئے تو وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ لائے۔ جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے۔ پوچھا: ”اے ثمامہ تیرا کیا خیال ہے؟“ اس نے کہا: میرا اچھا خیال ہے۔ اگر آپ مجھے ماردیں گے تو ایسے شخص کو ماریں گے جو خونى ہے اور اگر آپ احسان رکھ کر مجھے چھوڑ دیں گے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیے طلب فرمائیں۔ یہ سن کر آپ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پوچھا: ”اے ثمامہ کیا خیال ہے؟ اس نے کہا میرا خیال وہی ہے جو کل عرض کر چکا ہوں کہ اگر آپ احسان کریں گے تو ایک قدر دان پر احسان کریں گے۔ آپ نے پھر اسے رہنے دیا اور تیسرے دن پوچھا: ”اے ثمامہ کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اچھا ثمامہ کو چھوڑ دو۔“ تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ مسجد کے قریب ایک تالاب پر گیا وہاں غسل کر کے مسجد میں آ گیا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامة بن اثال، رقم: ۴۳۷۲



نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ مجھے روئے زمین پر آپ کے چہرہ سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ برا معلوم نہ ہوتا تھا اور اب مجھے آپ کا چہرہ سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی اور دین برا معلوم نہ ہوتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا نہ تھا اور اب آپ کا شہر مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کیا جب میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے مبارک باد دی، نیز اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ آیا تو کسی نے اس سے کہا تو بے دین ہو گیا ہے۔ اس نے کہا نہیں بلکہ میں محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں، اللہ کی قسم! اب رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے۔

جب بندہ مسلمان ہو جاتا ہے پھر عبادت بھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ اور حکم کے مطابق کرتا ہے۔ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ پہلے جب عمرہ کرنے کے لیے جا رہے تھے تو کافر تھے اور جب اسلام قبول کر لیا تو اپنا سب کچھ آپ ﷺ کو سونپ دیا، اس لیے انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ: اب عمرہ کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کی خواہش اور حکم سے۔ عبادت کے حوالہ سے یہ کتنی پیاری خواہش ہے کہ جس میں نبی ﷺ کے حکم کی پابندی ہے اور آپ ﷺ کے حکم سے اسے مشروط کیا جا رہا ہے۔ اگر حکم نبوی ہے تو اس خواہش کی تکمیل کے لیے قدم اٹھا لیتا ہوں اور حکم نہیں تو میں آپ کے اشارے پر رُک جاؤں گا۔ ایک مسلمان کے لیے اطاعت کا یہی جذبہ ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے انہیں عمرہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔



## سابقہ جرم کی تلافی کی خواہش

جب بندہ تاریک راتوں میں اندھیروں کا ہم سفر ہو تو بہت جگہوں پر ٹھوکر کھاتا ہے یہی ٹھوکریں بعض دفعہ ایسے مسافر کے لیے سنگین جرم بن جاتی ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی منزل تو تاریکی ہو لیکن وہ روشنی تک جا پہنچے تاریک راستوں کا ایسا خوش نصیب مسافر جب روشنی تک جا پہنچتا ہے تو ماضی کی ٹھوکریں اس کے لیے احساسِ ندامت بن جاتی ہیں اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ندامتوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ سابقہ جرائم کی تلافی کرنا چاہتا ہے کچھ ایسا ہی صحابی رسول ﷺ، حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا انہوں نے دورِ جاہلیت میں اپنے آقا کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ رسول کریم ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے تو اس کے لیے آزادی ہوگی ہو ایوں تھا کہ جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی کو قتل کر کے جہنم واصل کیا تھا اور اس کے بھتیجے جبیر بن مطعم نے چچا کا بدلہ لینے کے لیے اپنے سیاہ فام غلام وحشی بن حرب کو یہ لالچ دیا کہ اگر وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے تو بدلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا اور جب وحشی نے یہ کام سرانجام دے دیا تو اسے آزاد کر دیا گیا لیکن جب مکہ فتح ہوا تو اللہ رب العزت نے وحشی کے تاریک سینہ میں بھی اسلام کی شمع روشن کر دی اب اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہونے لگا پھر اس کے دل میں یہ خواہش اٹھی کہ مجھے اپنے سابقہ جرم کی تلافی کے لیے کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے بیتے دنوں کا پچھتاوا اگر مکمل ختم نہیں ہوتا تو کسی حد تک کم ہو جائے اور ضمیر سے اٹھنے والی بار بار کی وہ دستک جو اسے شرمندگی کے کچوکے لگاتی ہے ختم ہو جائے آخر سوچنے کے بعد ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جیسے انہوں نے دورِ جاہلیت میں ایک عظیم مسلمان جرنیل کو شہید کر دیا تھا ایسے ہی کفر کے کسی بڑے سرغنہ کو قتل کر دینا چاہیے اس مقصد کے لیے انہوں نے میدانِ جہاد میں نکلنے کا فیصلہ کیا آئیے وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واقعہ سنتے ہیں:



عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ قَالَ لِيُوحِشِي: أَلَا تُخْبِرُنَا بِقَتْلِ حَمْزَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ حَمْزَةَ قَتَلَ طُعَيْمَةَ بِنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ بِبَدْرٍ؛ فَقَالَ لِي مَوْلَايَ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ: إِنْ قَتَلْتَ حَمْزَةَ بِعَمِّي فَأَنْتَ حُرٌّ، قَالَ: فَلَمَّا أَنْ خَرَجَ النَّاسُ عَامَ عَيْنِينَ، وَعَيْنِينَ جَبَلٌ بِحِيَالِ أُحُدٍ، بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ وَاِدٍ، خَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ إِلَى الْقِتَالِ، فَلَمَّا أَنْ اصْطَفَوْا لِلْقِتَالِ، خَرَجَ سِبَاعٌ فَقَالَ: هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ، قَالَ: فَخَرَجَ إِلَيْهِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: يَا سِبَاعُ، يَا بَنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطَّعَةِ الْبُظُورِ، اتَّحَادُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ ﷺ؟ قَالَ: ثُمَّ شَدَّ عَلَيْهِ، فَكَانَ كَأَمْسِ الذَّاهِبِ، قَالَ وَكَمَنْتُ لِحَمْزَةَ تَحْتَ صَخْرَةٍ، فَلَمَّا دَنَا مِنِّي رَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِي، فَأَضَعُهَا فِي نَتْنِهِ حَتَّى خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِ وَرَكِيهِ، قَالَ: فَكَانَ ذَلِكَ الْعَهْدَ بِهِ، فَلَمَّا رَجَعَ النَّاسُ رَجَعْتُ مَعَهُمْ، فَأَقَمْتُ بِمَكَّةَ حَتَّى فَشَا فِيهَا الْإِسْلَامُ، ثُمَّ خَرَجْتُ إِلَى الطَّائِفِ، فَأَرْسَلُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَسُولًا، فَقِيلَ لِي: إِنَّهُ لَا يَهِيْجُ الرُّسُلَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ مَعَهُمْ حَتَّى قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَلَمَّا رَأَى قَالَ: ((أَنْتَ وَحِشِي؟)) قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ((أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟)) قُلْتُ: قَدْ كَانَ مِنَ الْأَمْرِ مَا قَدْ بَلَغَكَ، قَالَ: ((فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي؟)) قَالَ: فَخَرَجْتُ، فَلَمَّا قَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَخَرَجَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ، قُلْتُ: لِأَخْرُجَنَّ إِلَى مُسَيْلِمَةَ، لَعَلِّي أَقْتُلُهُ فَأَكْفِي بِهِ حَمْزَةَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ، فَكَانَ مِنْ أَمْرِهِ مَا كَانَ، فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي ثَلْمَةِ جِدَارٍ، كَأَنَّهُ جَمَلٌ أَوْرَقٌ، نَائِرُ الرَّأْسِ، فَرَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِي، فَأَضَعُهَا بَيْنَ تَدْيِيهِ حَتَّى خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِ كَتْفَيْهِ، قَالَ: وَوَثَبَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَضْرَبَهُ بِالسَّيْفِ عَلَى هَامَتِهِ<sup>①</sup>

① صحيح البخارى، كتاب المغازى باب قتل حمزة بن عبدالمطلب رقم: ٤٥٧٢



عبداللہ بن عدی بن خیاری سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا تو ہمیں قتلِ حمزہ رضی اللہ عنہ کی خبر نہیں بتائے گا اس نے کہا: ہاں بتاؤں گا۔ ان کے قتل کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن طعیمہ بن عدی بن خیاری کو قتل کیا تو میرے آقا حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اگر تو میرے چچا کے بدلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مار ڈالے تو تو آزاد ہے۔ اس نے کہا کہ جب قریش کے لوگ کوہِ عینین کی لڑائی کے سال نکلے۔ (عینین احد پہاڑ کے بازو میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔) دونوں کے درمیان ایک نالہ ہے۔ اس وقت میں بھی لڑنے والوں کے ہمراہ نکلا۔ جب لوگوں نے لڑائی کے لیے صف بندی کی تو سباع نے صف سے نکل کر کہا کوئی ہے لڑنے والا۔ یہ سنتے ہی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور کہنے لگے اے سباع! اے ام انمار کے بیٹے! جو عورتوں کا ختنہ کرتی تھی، کیا تو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ وحشی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے کل کا دن گزر جاتا ہے اس طرح اسے صفحہ ہستی سے نابود کر دیا۔ وحشی کہتا ہے کہ پھر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے ایک پتھر کی آڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میرے قریب آئے تو میں نے اپنے نیزے سے اس پر وار کیا اور ان کو نیزہ ایسا پیوست کیا کہ ان کی دونوں سرینوں کے پار ہو گیا وحشی نے کہا بس یہ ان کا آخری وقت تھا۔ پھر جب قریش مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آ کر مکہ میں مقیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ مکہ میں بھی دین اسلام پھیل گیا۔ اس وقت میں طائف چلا گیا لیکن جب اہل طائف نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کئے اور مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو کچھ نہیں کہتے لہذا میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا اور جب



میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا: ”وحشی تو ہی ہے؟“ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو نے ہی شہید کیا تھا۔“ میں نے عرض کیا: آپ کو تو سب کیفیت پہنچ چکی ہے، فرمایا: ”کیا تو اپنا منہ مجھ سے چھپا سکتا ہے؟“ وحشی کا بیان ہے کہ پھر میں اٹھ کر باہر آ گیا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور مسیلمہ کذاب نمودار ہوا تو میں نے سوچا کہ مسیلمہ کے مقابلہ کے لیے چلنا چاہیے، شاید اسے قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بدلہ اتا رسکوں۔ پھر میں مسلمانوں کے ہمراہ نکلا اور مسیلمہ کے لوگوں نے جو کیا سو کیا، وہاں پر میں نے اتفاقاً ایک ایسے شخص کو دیکھا جو پراگندہ بالوں کے ساتھ ایک شکستہ دیوار کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ گویا وہ خاکستری رنگ والے اونٹ کی مانند ہے، میں نے اپنا نیزہ اسے یوں مارا کہ اس کی دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھ کر اس کے دونوں شانوں کے پار کر دیا۔ پھر ایک انصاری نے دوڑ کر اس کی کھوپڑی پر تلوار کا وار کر دیا۔

اگرچہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن وحشی بن حرب نے اپنے دل کو سکون دینے کے لیے جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب کو قتل کیا گویا انہوں نے اپنے تئیں عہد جاہلیت کے ایک جرم کا بدلہ چکا دیا۔

### خدمتِ رسول ﷺ میں آخری سلام کی خواہش

غزوہ حنین کے بعد قبیلہ ہوازن کے شکست خوردہ لوگ جب بھاگ کر وادی اوطاس میں چلے گئے اور جنگ کی تیاری کرنے لگے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک جہادی لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی جانب بھیجا تا کہ وہ وہاں پناہ گزین کافروں کی سرکوبی کریں چنانچہ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ جنگ ہوئی کافروں کا سپہ سالار درید بن صمہ اس جنگ میں قتل ہوا اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے بھی گھٹنے میں ایک تیر لگا جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا لیکن انہوں نے وفات سے



پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اپنی آخری خواہش کا یوں اظہار کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کا آخری سلام پہنچا دیں امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُجَيْنٍ بَعَثَ أَبَا عَامِرٍ عَلَى جَيْشٍ إِلَى أَوْطَاسٍ، فَاَنْتَهَى إِلَيْهِمْ فَلَقِيَ دُرَيْدَ ابْنَ الصَّمَّةِ، فَقَتَلَ دُرَيْدًا وَهَزَمَ اللَّهُ أَصْحَابَهُ، قَالَ أَبُو مُوسَى: وَبَعَثَنِي مَعَ أَبِي عَامِرٍ، فَرُمِيَ أَبُو عَامِرٍ فِي رُكْبَتِهِ، رَمَاهُ جُشَمِيُّ بِسَهْمٍ فَأَثَبَتْهُ فِي رُكْبَتِهِ، فَاَنْتَهَيْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا عَمُّ مَنْ رَمَاكَ؟ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَبُو مُوسَى فَقَالَ: ذَاكَ قَاتِلِي الَّذِي رَمَانِي، فَقَصَدْتُ لَهُ فَلَحِقْتُهُ، فَلَمَّا رَأَى وَلِيَّ، فَاتَّبَعْتُهُ وَجَعَلْتُ أَقُولُ لَهُ: أَلَا تَسْتَحْيِي، أَلَا تَتُّبْتُ، فَكَفَّ، فَاخْتَلَفْنَا ضَرْبَتَيْنِ بِالسَّيْفِ فَقَتَلْتُهُ، ثُمَّ قُلْتُ لِأَبِي عَامِرٍ: قَتَلَ اللَّهُ صَاحِبَكَ، قَالَ: فَاَنْزِعْ هَذَا السَّهْمَ، فَنَزَعْتُهُ فَنَزَا مِنْهُ الْمَاءُ، قَالَ يَا ابْنَ أَخِي: أَقْرَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ، وَقُلْ لَهُ: اسْتَغْفِرْ لِي، وَاسْتَخْلَفَنِي أَبُو عَامِرٍ عَلَى النَّاسِ، فَمَكَّتْ يَسِيرًا ثُمَّ مَاتَ، فَرَجَعْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ عَلَى سَرِيرٍ مُرْمَلٍ وَعَلَيْهِ فِرَاشٌ، قَدَاثَرٌ رِمَالُ السَّرِيرِ بِظَهْرِهِ وَجَنْبِيهِ، فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبْرِنَا وَخَبْرِ أَبِي عَامِرٍ، وَقَالَ: قُلْ لَهُ اسْتَغْفِرْ لِي، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: ((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبِيدِ أَبِي عَامِرٍ)) وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطِيهِ، ثُمَّ قَالَ: ((اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ)) فَقُلْتُ: وَلِي فَاسْتَغْفِرْ، فَقَالَ: ((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسِ ذَنْبُهُ، وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا))<sup>①</sup>

① صحيح البخاری، کتاب المغازی باب غزوة اوطاس رقم: ۴۳۲۳، صحيح مسلم، کتاب فضة

الصحابه باب من فضائل ابي موسى و ابي عامر الاشعريين رقم: ۲۴۹۸



حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے تو ابو عامر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر ایک لشکر کے ہمراہ اوطاس کی طرف روانہ کیا جو وہاں پہنچ کر درید بن صممہ سے نبرد آزما ہوئے۔ درید جنگ میں مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھیوں کو شکست سے دوچار کیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے بھی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا اور ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایک جسمی آدمی کا تیر لگا جو کہ وہاں پیوست ہو کر رہ گیا۔ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا: ”چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟“ انہوں نے قبیلہ بنو جشم کے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا کہ فلاں شخص میرا قاتل ہے جس نے مجھے تیر مارا ہے۔ میں دوڑ کر اس کے پاس جا پہنچا، مگر جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگ نکلا میں اس کے پیچھے ہولیا اور کہنے لگا تجھے شرم نہیں آتی تو ٹھہرتا کیوں نہیں؟ آخر وہ رک گیا۔ پھر میرے اور اس کے درمیان تلوار کے دو وار ہوئے بالآخر میں نے اسے مار ڈالا۔ پھر واپس آ کر میں نے ابو عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ نے تمہارے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا اب یہ تیر تو نکالو۔ میں نے تیر نکالا تو زخم سے پانی بہنے لگا۔ انہوں نے مجھے کہا میرے بھتیجے! نبی ﷺ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنا اور آپ سے کہنا کہ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ پھر ابو عامر رضی اللہ عنہ نے مجھے لوگوں پر اپنا قائم مقام مقرر کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انتقال کر گئے۔ پھر میں واپس آیا تو نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کے گھر حاضر ہوا۔ اس وقت آپ بان سے بنی ہوئی چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جس پر بستر (نہیں) تھا اور چار پائی کے بان کے نشانات آپ کے پہلو اور پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے تمام حالات بیان کیے اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی عرض کیا اور ان کی



دعائے مغفرت کی درخواست بھی پہنچائی تو آپ نے پانی طلب فرمایا وضو کر کے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی: ”اے اللہ! عبید یعنی ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔ میں آپ کی بگلوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔ پھر فرمایا: ”اے اللہ! اسے قیامت کے دن انسانوں میں سے اکثر پر برتری عطا کر۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے بھی دعائے مغفرت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ”اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ بخش دے اور روز قیامت انہیں مقام عزت عطا فرما۔“

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ وضو کر کے دعا مانگنا مستحب ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے وضو کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

### سچ سے رضا کی خواہش

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی سستی کی وجہ سے جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے انہوں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا لیکن پھر انہوں نے عزم کر لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو وہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں جھوٹ نہیں بولیں گے اور پھر سارا واقعہ سچ سچ کہہ دینے سے انہیں رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا پچاس دن تک نبی ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے ناراض رہے اور جب باری تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے انہیں معاف فرمادیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اس خواہش اور عزم کا اظہار کیا کہ وہ سچ کے ساتھ اگر اتنے بڑے امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں تو آئندہ بھی کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے یہ سارا واقعہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات میں شریک رہا۔ صرف غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا تھا۔ البتہ غزوہ بدر میں



بھی میں شریک نہیں تھا لیکن جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ نے کسی پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک قافلہ کا ارادہ کر کے باہر نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے وقت طے کئے بغیر مسلمانوں کا سامنا دشمن سے کر دیا تھا۔ میں تو عقبہ کے موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جہاں میں نے اسلام پر قائم رہنے کا مضبوط قول و اقرار کیا تھا۔ اگرچہ لوگوں میں غزوہ بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ مجھے بیعت عقبہ کے بدلے میں غزوہ بدر میں شرکت کا موقع ملا ہوتا اور میرا قصہ یہ ہے کہ میں جس زمانے میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہا، اتنا طاقتور اور خوشحال تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا اللہ کی قسم! اس سے پہلے میرے پاس دو اونٹنیاں کبھی جمع نہ ہوئی تھیں۔ جبکہ اس موقع پر میرے پاس دو اونٹنیاں موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں جانے کا ارادہ کرتے تو اس کو مکمل طور پر ظاہر نہ کرتے بلکہ کسی اور مقام کا نام لیا کرتے تھے لیکن یہ غزوہ چونکہ سخت گرمی میں ہوا اور طویل بیابان کا سفر تھا اور شہ زیادہ تعداد میں تھے۔ اس لیے آپ نے مسلمانوں سے یہ معاملہ صاف صاف بیان فرما دیا تاکہ اس جنگ کے لیے اچھی طرح تیار ہو جائیں اور انہیں وہ سمت بھی بتلا دی جس سمت آپ جانا چاہتے تھے اور آپ کے ساتھ مسلمان کثیر تعداد میں تھے اور کوئی رجسٹر و دفتر وغیرہ نہ تھا جس میں ان کے نام محفوظ ہوتے۔

حضرت کعب بن لؤیؓ کہتے ہیں کہ صورت حال ایسی تھی کہ جو شخص لشکر میں سے غائب ہونا چاہتا وہ یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر بذریعہ وحی آپ کو اطلاع نہ دی گئی تو میری غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہ چل سکے گا اور رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کا ارادہ ایسے وقت میں کیا تھا جب پھل پک چکے تھے اور ہر طرف سایہ عام تھا خیر آپ نے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کیا لیکن میری کیفیت یہ تھی کہ میں صبح کے وقت اس ارادہ سے نکلتا کہ میں بھی باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر تیاری کروں گا۔ لیکن جب شام کو واپس آتا تو کوئی فیصلہ نہ کر سکا ہوتا۔ پھر میں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ



میں تیاری مکمل کرنے پر پوری طرح قادر ہوں، اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ لوگوں نے زور و شور سے تیاری کر لی۔

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمان روانہ ہو گئے اور میں اپنی تیاری کے سلسلہ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ پھر میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ میں آپ کی روانگی کے ایک یا دو دن بعد تیاری مکمل کر لوں گا اور ان سے جا ملوں گا۔ لیکن ان کے روانہ ہو جانے کے بعد بھی یہی کیفیت رہی کہ صبح کے وقت تیاری کے خیال سے نکلتا لیکن جب گھر لوٹتا تو وہی کیفیت ہوتی، یعنی کچھ بھی نہ کر سکا ہوتا۔ پھر دوسری صبح کو بھی اسی خیال سے نکلتا لیکن جب واپس آتا تو کچھ نہ کیا ہوتا۔ میری کیفیت مسلسل یہی رہی یہاں تک کہ مسلمان تیز تیز چل کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے پھر ارادہ کیا کہ میں بھی چل پڑوں اور ان سے جا ملوں۔ کاش کہ میں نے ایسا کر لیا ہوتا لیکن یہ سعادت میرے مقدر ہی میں نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد حالت یہ تھی کہ جب میں باہر لوگوں کے پاس جاتا اور ان میں چل پھر کر دیکھتا تو جو بات مجھے غمگین کرتی یہ تھی کہ جو شخص نظر آتا وہ صرف ایسا ہوتا جس پر نفاق کا الزام تھا یا پھر وہ ضعیف اور کمزور لوگ ہوتے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دے دیا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں تو مجھے کہیں بھی یاد نہ فرمایا۔ مگر جب تبوک پہنچ گئے اور ایک موقع پر لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے تو فرمایا کعب بنی سلمہ نے کیا کیا؟ بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا: اسے صحت و خوشحالی کی دو چادروں نے روک رکھا ہے اور وہ اپنی ان چادروں کے کناروں کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل نے اس سے کہا تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! ہم نے کعب میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ یہ آنگٹوں کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر جب یہ خبر ملی کہ آپ واپس آنے والے ہیں تو خیال ہوا کہ کوئی حیلہ سوچنا چاہیے تاکہ میں آپ کی خفگی سے بچ جاؤں اور اس سلسلہ میں میں نے اپنے خاندان کے ہر صاحب امر شخص سے مدد مانگی۔ پھر یہ اطلاع ملی کہ آپ



مدینہ کے قریب آگئے ہیں تو یہ خیال باطل میرے قلب سے نکل گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ بول کر آپ کی ناراضگی سے نہ بچ سکوں گا۔ اس لیے سچ بولنے کا ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت تشریف لائے اور آپ کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف فرما ہوتے۔ چنانچہ جب آپ نماز سے فراغت کے بعد ملاقات کے لیے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والوں نے آنا شروع کیا اور قسمیں اٹھا کر آپ کے سامنے طرح طرح کے عذر پیش کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیان کردہ عذر ہائے لنگ کو قبول کر لیا۔ ان سے بیعت لی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کی نیتوں کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ الغرض میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے جب آپ کو سلام کیا تو آپ مسکرائے لیکن ایسی مسکراہٹ جس میں غصے کی آمیزش تھی۔ پھر فرمایا: ”ادھر آؤ۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا بجا ارشاد! اللہ کی قسم! میں اگر آپ کے علاوہ کسی اور دنیاوی شخصیت کے سامنے ہوتا تو میں ضرور یہ خیال کرتا کہ میں کسی عذر بہانے سے اس کے غضب سے نجات پاسکتا ہوں کیونکہ میں قوت گویائی اور دلیل بازی میں ماہر ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لوں تو عنقریب اللہ آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے گا اور آپ مجھ سے پھر ناراض ہو جائیں گے۔ لیکن اگر میں آپ سے ساری بات سچ سچ بیان کر دوں تو آپ مجھ سے ناراض تو ہوں گے تاہم مجھے اُمید ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے کوئی معذوری نہ تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی قسم! میں اتنا نومند اور خوشحال کبھی نہ تھا جتنا اس موقع پر تھا۔ جس میں میں آپ کے ساتھ جانے سے رہ گیا۔ میری یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ شخص ہے جس نے صحیح بات بتائی



ہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اچھا جاؤ اور انتظار کرو تا آنکہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمائے۔“ چنانچہ میں اٹھ گیا اور جب میں جانے لگا تو بنی سلمہ کے کچھ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور ساتھ چلنے لگے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہمارے علم میں نہیں ہے کہ تم نے آج سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو تو تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عذر پیش کرنے سے کیوں قاصر رہے جیسا کہ دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے آپ کی خدمت میں عذر پیش کئے ہیں۔ تم نے جو گناہ کیا تھا، اس کی تلافی کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لیے استغفار ہی کافی تھا۔ اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ ایک دفعہ تو میں نے ارادہ کر لیا کہ میں واپس جاؤں اور جو کچھ میں نے آپ سے کہا تھا، اس کے متعلق کہوں کہ وہ جھوٹ تھا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کیا یہ معاملہ جو میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ بھی ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے ہاں، دو اور شخصوں نے بھی وہی کچھ کہا ہے جو تم نے کہا ہے اور ان کو بھی وہی جواب ملا جو آپ کو ملا ہے۔ میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع العمری رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا انہوں نے میرے سامنے دو ایسے نیک شخصوں کے نام لیے جو غزوہ بدر میں شرکت کر چکے تھے اور ان کا طرز عمل میرے لیے لائق نمونہ تھا۔ چنانچہ ان دونوں کا ذکر سن کر میں (نے اپنا ارادہ بدل دیا اور) آگے چل پڑا اور رسول اللہ ﷺ نے باقی تمام پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف ہم تینوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا دیا تھا۔ لہذا لوگ ہم سے دور دور رہنے لگے اور ہمارے لیے اس حد تک بدل گئے کہ میں محسوس کرنے لگا کہ یہ کوئی اجنبی سرزمین ہے۔ ہم پچاس دن تک اسی حال میں رہے دوسرے دونوں ساتھی تو تھک ہار کر گھر میں بیٹھ گئے اور روتے رہے لیکن میں چونکہ سب میں جوان اور طاقتور تھا لہذا باہر نکلا کرتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوا کرتا اور بازاروں میں پھرا کرتا تھا لیکن مجھ سے کوئی شخص بات نہ کرتا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اس وقت حاضر ہوتا جب آپ نماز کے بعد لوگوں



کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ میں جب آپ کو سلام کرتا تو اپنے دل میں یہی سوچتا رہتا کہ آیا میرے سلام کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک متحرک ہوئے تھے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور زدیدہ نظروں سے آپ کی طرف دیکھتا رہتا۔ جس وقت میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ دوسری طرف دیکھنے لگتے۔ جب لوگوں کی یہ بے اعتنائی بہت طویل اور ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ یہ صاحب میرے چچا زاد بھائی اور میرے محبوب ترین دوست تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا لیکن اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا میں نے ان سے کہا: ”اے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست جانتے ہو؟ لیکن وہ خاموش رہے میں نے ان سے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر یہی بات دہرائی تو کہنے لگے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں منہ موڑ کر واپس چلا آیا اور دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ علاقہ شام کا ایک نبطی جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آیا تھا۔ لوگوں سے پوچھ رہا تھا، کوئی شخص ہے جو مجھے کعب بن مالک کا گھر بتا سکے؟ لوگ میری طرف اشارہ کر کے اسے بتانے لگے، جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر زیادتی کی ہے حالانکہ تمہیں اللہ نے اس لیے نہیں بنایا کہ تم ذلیل و خوار اور برباد رہو، لہذا تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہیں شایان شان عزت و مرتبہ دیں گے۔ میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہا یہ بھی ایک امتحان ہے اور وہ خط لے کر تنور کی طرف گیا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ پھر جب پچاس دنوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد آیا اور



کہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی رفیقہ حیات سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ میں نے کہا: کیا اسے طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں، بس اس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی اس قسم کا حکم دیا گیا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس معاملہ کا فیصلہ صادر نہ فرمادیں وہیں مقیم رہو۔ حضرت کعب بن زئیہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ہلال بن امیہؓ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہلال بن امیہؓ ایک ناتواں اور بوڑھا شخص ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے تو کیا آپ یہ بھی ناپسند فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں! آپ نے فرمایا: ”نہیں، لیکن تم ان کے قریب نہ جانا۔ اس نے عرض کیا: ”اللہ کی قسم! اسے تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں اور جس دن سے یہ معاملہ پیش آیا ہے وہ مسلسل رورہے ہیں۔ یہ سن کر میرے بعض اہل خانہ نے مشورہ دیا کہ اگر تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے سلسلہ میں اجازت لے لو تو کیا حرج ہے؟ جیسے آپ نے حضرت ہلال بن امیہؓ کی بیوی کو خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

میں نے کہا: ”اللہ کی قسم! میں اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے ہرگز اجازت نہ طلب کروں گا۔ نامعلوم میرے اجازت طلب کرنے پر آپ کیا جواب دیں؟ کیونکہ میں ایک جوان آدمی ہوں، الغرض اس کے بعد دس دن اور گزر گئے حتیٰ کہ جس دن سے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دن سے پچاس دن پورے ہو گئے تو پچاسویں رات کی صبح کو میں اپنے ایک گھر کی چھت پر نماز فجر سے فراغت کے بعد بیٹھا تھا اور میری حالت بعینہ وہی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ میں اپنی جان سے تنگ تھا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی تھی کہ اچانک میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کوہ سلع پر چڑھ کر اپنی بلند ترین آواز میں پکار رہا تھا۔ اے کعب بن مالکؓ! خوش ہو جاؤ میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ آزمائش



کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی ہے، لہذا لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے دوڑ پڑے۔ کچھ لوگ خوشخبری دینے کے لیے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کے طرف گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑا کر میری طرف چلا اور ایک دوڑنے والا جو قبیلہ اسلم کا فرد تھا دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور اس کی آواز گھوڑے سے تیز نکلی۔ لہذا یہ شخص جس کی آواز سے میں نے خوشخبری سنی تھی۔ میرے پاس پہنچا تو میں نے اپنے کپڑے اتار کر خوشخبری دینے والے کو انعام میں پہنا دیئے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس اس دن ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی جوڑا نہ تھا، لہذا میں نے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کے لیے چل پڑا اور لوگ گروہ درگروہ مجھ سے ملتے اور توبہ قبول ہونے کی مبارک دیتے ہوئے کہتے، تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا۔

حضرت کعب بن زئیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن زئیؓ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی شخص میری طرف اٹھ کر نہیں آیا اور حضرت طلحہ بن زئیؓ کے اس سلوک کو میں کبھی نہیں بھولا۔ حضرت کعب بن زئیؓ کا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے خوشی سے دکتے ہوئے چہرے کے ساتھ فرمایا: ”تمہیں آج کا دن مبارک ہو۔ یہ دن ان تمام دنوں میں سے سب سے بہتر ہے جو تمہاری پیدائش کے بعد سے آج تک تم پر گزرے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔“ رسول اللہ ﷺ جس وقت خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح دمک اٹھتا تھا۔ جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو اور ہم اس چہرے کو دیکھ کر جان لیا کرتے تھے کہ آپ خوش ہیں۔ الغرض جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!



اس توبہ کی خوشی میں میں چاہتا ہوں کہ اپنا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے بطور صدقہ دے دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب نہیں، کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو کیونکہ ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اچھا میں اپنا وہ حصہ جو خیبر میں ہے روک لیتا ہوں۔ پھر نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف سچ بولنے کی برکت سے نجات دی ہے، اس لیے میں اپنی اس توبہ کی خوشی میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا ہمیشہ سچ بات کہوں گا چنانچہ اللہ کی قسم! میرے علم میں کوئی مسلمان نہیں ہے جس کا سچ بولنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنا عمدہ امتحان لیا ہو جتنا میرا اس دن سے لیا ہے جس دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو یہ عہد کیا تھا۔

میں نے جس دن رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہی اس دن سے آج تک کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا اور مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی ماندہ زندگی میں بھی مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔

اللہ کی قسم! جب سے مجھے اللہ نے دین اسلام کی رہنمائی فرمائی ہے اس کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نصیحتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سب سے بڑی نصیحت میرے نقطہ نگاہ سے یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی توفیق عطا ہوئی اور میں جھوٹ بول کر ہلاک نہ ہوا جیسے دوسرے وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے وقت ان لوگوں کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے زیادہ برے الفاظ کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”تمہارے لیے جلد ہی یہ لوگ اللہ کی قسمیں اٹھائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹو گے۔“

اس آیت تک ”تحقیق اللہ تعالیٰ بدکردار لوگوں سے راضی نہیں ہوگا۔“

حضرت کعب بن زئیہؓ کا بیان ہے ہم تینوں کا معاملہ ان لوگوں کے معاملہ سے مؤخر کر دیا گیا تھا جن کے عذر رسول اللہ ﷺ نے ان کی قسموں کی وجہ سے قبول کر لیے تھے، اور ان سے بیعت لے لی تھی اور ان کے گناہ معاف ہونے کی دعا بھی فرمادی تھی اور ہمارے



معاملے کا فیصلہ معلق کر دیا تھا تا آنکہ اللہ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اور وہ تینوں جن کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا تھا ان کی توبہ بھی قبول کی گئی۔“<sup>①</sup>

مذکورہ حدیث میں خواہش کے حوالہ سے ایک بہت بڑا درس موجود ہے اور وہ یہ کہ نیکی کی خواہش میں سستی نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ نیکی میں سستی پر بعض دفعہ نیکی ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور پھر گزرے وقت کو پالینے کی خواہشات صرف پچھتاوا میں اضافہ کرتی ہیں۔

نیکی کی وہ خواہشات جو بندے کی دسترس میں ہوں اور تھوڑی ہمت سے ان خواہشات تک رسائی ممکن ہو وہاں سستی نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ سستی بعض دفعہ قریب پڑی نیکی کو دور کر دیتی ہے اور وہی نیکی جسے آسانی سے جیب میں ڈالا جاسکتا تھا ہاتھ سے نکل جاتی ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا واقعہ اسی کی ایک مثال ہے۔ اس میں ہمارے لیے خواہش کے اعتبار سے بہت بڑا درس موجود ہے اور وہ یہ کہ نیکی میں سستی پر بعض دفعہ بندہ نیکی سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر گزرے وقت کو پالینے کی خواہشات کوئی فائدہ نہیں دیتیں ہر روز عمل خیر کا ارادہ کرنا اور پھر اُسے توڑ دینا ہی سستی ہے بعض دفعہ اسی ادھیڑ بن میں عمل خیر کا وقت گزر جاتا ہے جیسے بعض افراد کو کہتے سنا گیا ہے، ”بڑی خواہش تھی کہ میں والدین کی خدمت کرتا لیکن میں ایسا کرنے سکا“ والدین اگر زندہ ہوں تو خدمت میں سستی کرنا اور ان کے فوت ہو جانے پر کف افسوس ملنا کہ کاش میں ان کی خدمت کر کے جنت کو پالیتا عمر بھر کا پچھتاوا بن جاتا ہے بعض حضرات دنیا بھر کے ممالک کا سفر کر لیتے ہیں لیکن حج بیت اللہ کی ادائیگی میں سستی کر جاتے ہیں خواہش ہونے کے باوجود انہیں بیت اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوتا اور بستر مرگ پر اس کی خواہش میں تڑپنے رخصت ہو جاتے ہیں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن ان کی معمولی سی سستی نے انہیں تبوک کے جہاد سے پیچھے چھوڑ دیا بعد ازاں انہیں

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک رقم: ۴۴۱۸؛ صحیح مسلم،

کتاب التوبہ، باب حدیث توبہ کعب بن مالک وصاحبہ رقم: ۲۷۶۹



رسول ﷺ کی ناراضگی مول لینا پڑی اور پچاس دن تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بائیکاٹ کی وجہ سے ذہنی پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑا حالانکہ ان کی جہاد میں شمولیت کی خواہش تھی خوشحالی بھی تھی اور زادراہ بھی وافر تھا لیکن سستی نے یہ نیکی ان سے دور کر دی اور پھر وہ دور ہوتی ہوتی ان کی دسترس سے نکل گئی۔

### کاش میں اونٹنی کے پیچھے نہ جاتا

علم سے محبت رکھنے والے لوگ اگر اپنی کسی کوتاہی کے پیش نظر ایک علمی بات سے بھی محروم ہو جائیں تو انہیں بار بار یہی خیال ستاتا رہتا ہے کاش وہ اس بات کو سن کر اپنے سینہ میں محفوظ کر لیتے حضرت عمران بن حصینؓ ایک دفعہ آپ ﷺ کی مجلس میں موجود تھے اور علمی گفتگو ہو رہی تھی اچانک انہیں یہ اطلاع ملی کہ ان کی اونٹنی بھاگ گئی ہے چنانچہ انہیں اٹھ کے جانا پڑا پھر انہیں اس بات کا بڑا افسوس ہوا کہ وہ اس دن کے فرمودات مکمل سن نہیں پائے اور انہیں اس بات کی خواہش رہی کاش وہ مکمل حدیث آپ ﷺ سے سن لیتے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: جَاءَ نَفْرٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا بَنِي تَمِيمٍ أَبْشِرُوا، قَالُوا: بَشَرْتَنَا فَأَعْطِنَا، فَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، فَجَاءَهُ أَهْلُ الْيَمَنِ، فَقَالَ: (يَا أَهْلَ الْيَمَنِ، اقْبَلُوا الْبُشْرَى إِذْ لَمْ يَقْبَلَهَا بَنُو تَمِيمٍ)، قَالُوا: قَبِلْنَا، فَأَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ يُحَدِّثُ بَدَأَ الْخَلْقِ وَالْعَرْشِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا عِمْرَانُ رَاحِلَتُكَ تَفَلَّتْ، لَيْتَنِي لَمْ أَقْمُ. ①

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ بنو تمیم کے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ”اے بنو تمیم! تم خوش ہو جاؤ۔“ انہوں نے کہا: آپ نے ہمیں بشارت تو دے دی مال بھی دیجئے۔

① صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ وهو الذی یبدئ الخلق ثم یعیدہ،



اس سے آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا پھر آپ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے تو آپ نے ان سے بھی فرمایا: ”اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرو۔“ کیونکہ بنو نمیم نے اسے قبول نہیں کیا: انہوں نے کہا: ہم نے اسے قبول کیا، پھر نبی ﷺ نے ابتدائے آفرینش اور عرش کی باتیں بیان فرمائیں، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا: اے عمران! تمہاری اونٹنی کھل گئی ہے اسے پکڑو تو میں اٹھ کر چلا گیا لیکن میرے دل میں حسرت رہ گئی کہ کاش میں نہ اٹھتا تو بہتر ہوتا۔

علم کی تڑپ رکھنے والے لوگ اس وقت بھی مجلس علم میں موجود ہوتے ہیں جب دیگر لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ اس وقت بھی مصروف علم ہوتے ہیں جب دنیا سوز ہی ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسی ہی باتیں ایک موقع پر اپنے بارے میں یوں بیان فرمائی تھیں:

إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَوْلَا آيَاتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا، ثُمَّ يَتْلُو: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ﴾ إِلَىٰ قَوْلِهِ ﴿الرَّحِيمِ﴾ إِنَّ إِيحْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِيحْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ، وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِشِبَعِ بَطْنِهِ، وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ، وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ ①

لوگ کہتے ہیں: ابو ہریرہ نے بہت احادیث بیان کی ہیں حالانکہ اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر انہوں نے ان آیات کو تلاوت کیا: ”جو لوگ چھپاتے ہیں ان کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت کی باتوں کو جو ہم نے نازل کیں..... الرحیم تک۔ اور کہا: بے شک ہمارے

① صحیح البخاری کتاب العلم باب حفظ العلم رقم: ۱۱۸



مہاجر بھائیوں کو بازار میں خرید و فروخت کا شغل رہتا تھا اور ہمارے انصاری بھائی اموال (وزراعت) کے شغل میں لگے رہتے تھے لیکن ابو ہریرہ تو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود رہتا تھا اور ایسے موقع پر حاضر رہتا جہاں لوگ حاضر نہ رہتے اور وہ باتیں یاد کر لیتا جو دوسرے لوگ یاد نہ کرتے تھے۔

استاذ جب طالب علم کے شوق و ولولہ سے متاثر ہوتا ہے تو اپنی محبت کے بازو اس پر پھیلا دیتا ہے نبی کریم ﷺ نے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ علمی لگن دیکھی تو آپ ﷺ نے اپنی خصوصی شفقت سے انہیں نواز دیا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أُنْسَاهُ؟ قَالَ: ((ابْسُطْ رِدَاءَكَ)) فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ((ضُمَّهُ)) فَضَمَّمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ. ①

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”اپنی چادر پھیلاؤ۔“ چنانچہ میں نے چادر پھیلائی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بنایا اور چادر میں ڈال دیا، پھر فرمایا: ”اسے اپنے اوپر لپیٹ لو۔“ میں نے اسے لپیٹ لیا اس کے بعد میں کوئی چیز نہ بھولا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نسیان کو ختم کر دیا گیا اور انہوں نے تھوڑی مدت میں ہی احادیث کا ایک وافر حصہ حفظ کر لیا۔

## بغیر حساب و کتاب کے جنت میں دخول کی خواہش

کس مسلمان کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے کہ وہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں

① صحیح البخاری کتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم: ۱۱۹؛ سنن الترمذی، کتاب المناقب عن

رسول اللہ ﷺ، باب مناقب ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۸۳۵



داخل ہو جائے اور وہاں کی ابدی اور لافانی نعمتوں سے فیض یاب ہو اور کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسی خواہشات کیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں دخولِ جنت کی بشارت دے دی اب جنت ایسے مبشرین کا انتظار کر رہی ہے کہ کب وہ اس کے دروازوں سے قدم اندر رکھتے ہیں آپ ﷺ نے ایک مجلس میں بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والے لوگوں کی علامات کا ذکر فرمایا تو حاضرین مجلس میں سے عکاشہ بن محسنؓ کے دل میں یہ خواہش جاگ اٹھی کہ کاش ان کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہو جائے چنانچہ ان کی خواہش الفاظ بن کے زباں پر آ گئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَّمُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمْرُونَ مَعَهُمُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتَّى رَفَعَ لِي سِوَادٌ عَظِيمٌ، قُلْتُ: مَا هَذَا؟ أُمَّتِي هَذِهِ؟ قِيلَ: هَذَا مُوسَى وَقَوْمُهُ، قِيلَ: انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَإِذَا سِوَادٌ يَمَلَأُ الْأُفُقَ، ثُمَّ قِيلَ لِي: انْظُرْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا فِي آفَاقِ السَّمَاءِ، فَإِذَا سِوَادٌ قَدْ مَلَأَ الْأُفُقَ، قِيلَ: هَذِهِ أُمَّتُكَ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هَهُنَا سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ)) ثُمَّ دَخَلَ وَلَمْ يَبِينْ لَهُمْ فَأَفَاضَ الْقَوْمُ وَقَالُوا: نَحْنُ الَّذِينَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاتَّبَعْنَا رَسُولَهُ فَنَحْنُ هُمْ أَوْ أَوْلَادُنَا الَّذِينَ وُلِدُوا فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنَّا وُلِدْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَبَلَغَ النَّبِيُّ ﷺ فَخَرَجَ، فَقَالَ: ((هُمْ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَبُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ)) فَقَالَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنِ: أَمِنْهُمْ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) فَقَامَ آخِرُ فَقَالَ: أَمِنْهُمْ أَنَا؟ قَالَ: ((سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ))<sup>(1)</sup>

(1) صحيح البخاری، کتاب الطب، باب من اکتوی او کوی غیره وفضل من لم یکتو، رقم: ۵۷۰۵؛ صحيح مسلم، کتاب الايمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب، رقم: ۲۲۰.



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے سامنے اُمّتیں پیش کی گئیں اور ایک ایک دو دو نبی بھی گزرنے لگے جن کے ساتھ جماعتیں تھیں کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، پھر ایک بہت بڑی جماعت میرے سامنے لائی گئی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کی اُمّت ہے شاید میری ہی اُمّت ہو؟ مجھے کہا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمّت کے لوگ ہیں۔ البتہ آپ اُفق آسمان پر دیکھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت نے اُفق آسمان کو گھیر رکھا ہے، پھر مجھ سے کہا گیا کہ اُفق کے اس طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو واقعی بہت بڑی جماعت اُفق کو گھیرے ہوئے تھی، پھر مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت ہے اور ان میں سے ستر ہزار ایسے ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔“ پھر آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور لوگوں سے یہ ظاہر نہ فرمایا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہے، اس لیے وہ لوگ ہم ہی ہوں گے یا ہماری اولاد ہوگی جو حالت اسلام پر پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت کی پیدائش ہیں۔ یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”وہ تو ایسے لوگ ہیں جو منتر کرتے ہیں نہ بدشگونی لیتے ہیں اور نہ اپنے جسم داغتے ہیں بلکہ صرف اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ پھر کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ”عکاشہ تجھ سے سبقت لے چکا ہے۔“

اے اللہ! ہم گناہ گاروں کو بھی ایسے لوگوں میں شامل فرما دے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو کے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔



## سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری ہدیہ بھیجنے کی خواہش

نبی کریم ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور آپ ﷺ نے چونکہ اپنی ازواج کے لیے باری متعین فرمائی ہوئی تھی چنانچہ جس دن آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوتے لوگ اس دن آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف و ہدایا بھیجا کرتے تھے اور لوگ خصوصیت کے ساتھ اس دن کا انتظار کرتے جس دن آپ ﷺ کی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوتی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں:

أَنَّ نِسَاءَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كُنَّ حَزْبِينَ: فَحِزْبٌ فِيهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسُودَةُ، وَالْحِزْبُ الْآخَرُ فِيهِ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ قَدْ عَلِمُوا حُبَّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَائِشَةَ، فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ أَحَدِهِمْ هَدِيَّةً، يُرِيدُ أَنْ يُهْدِيَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَخْرَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ، فَيَقُولُ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هَدِيَّةً، فَلْيُهْدِهَا إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ مِنْ نِسَائِهِ، فَكَلَّمَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ لَهَا، فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا، فَسَأَلْنَهَا، فَقَالَتْ: مَا قَالَ لِي شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا: فَكَلِّمِي، قَالَتْ: فَكَلَّمْتُ حِينَ دَارَ إِلَيْهَا أَيْضًا، فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا، فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ: مَا قَالَ لِي شَيْئًا، فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِي حَتَّى يُكَلِّمَكَ، فَدَارَ إِلَيْهَا فَكَلَّمْتُ، فَقَالَ لَهَا: ((لَا تُؤْذِنِي فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَقُولُ: إِنَّ



نِسَاءً كَ يَنْشُدُنَاكَ اللَّهُ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَلَّمْتُهُ فَقَالَ: ((يَا بِنِيَّةُ،  
 أَلَا تُحِبِّينَ مَا أَحَبُّ؟)) قَالَتْ: بَلَى، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِنَّ فَأُخْبِرْتُهُنَّ، فَقُلْنَ:  
 ارْجِعِي إِلَيْهِ فَأَبَتْ أَنْ تَرْجِعَ، فَأَرْسَلَنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ، فَأَتَتْهُ  
 فَأَغْلَظَتْ، وَقَالَتْ: إِنَّ نِسَاءً كَ يَنْشُدُنَاكَ اللَّهُ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِي  
 قُحَافَةَ، فَرَفَعَتْ صَوْتَهَا حَتَّى تَنَاولَتْ عَائِشَةَ وَهِيَ قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا، حَتَّى  
 إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيَنْظُرُ إِلَى عَائِشَةَ هَلْ تَكَلَّمُ، قَالَ: فَتَكَلَّمْتُ عَائِشَةَ  
 تَرُدُّ عَلَيَّ زَيْنَبَ حَتَّى أُسَكِّتَهَا، قَالَتْ: فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى عَائِشَةَ،  
 وَقَالَ: ((إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ))<sup>①</sup>

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے دو گروپ تھے، ایک میں حضرت عائشہ، حضرت  
 حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں، دوسرے گروپ میں حضرت  
 ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ کی باقی ازواج مطہرات تھیں اور مسلمانوں کو یہ معلوم  
 تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے، لہذا اگر کوئی  
 شخص نبی کریم ﷺ کو ہدیہ دینا چاہتا تو وہ اس وقت کا انتظار کرتا جب رسول  
 اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے تو ہدیہ دینے والا وہ ہدیہ  
 رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجتا، (ایک دن)  
 حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروپ نے گفتگو کی اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم رسول  
 اللہ ﷺ سے اس بارے میں عرض کرو کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ جو شخص  
 رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دینا چاہے وہ بھیج دے خواہ آپ اپنی کسی بیوی کے  
 پاس ہوں، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے وہ بات کہہ دی جو

① صحیح البخاری، کتاب الہیبة و فضلہا والتحریر علیہا، باب من أهدى الی صاحبہ و تحری  
 بعض نسائه دون بعض رقم: ۲۵۸۱؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب فی فضل عائشہ  
 رقم: ۲۴۴۲؛ سنن نسائی، کتاب عشرة النساء باب حب الرجل بعض نسائه اکثر من بعض  
 رقم: ۳۹۴۴



ان کے گروپ نے انہیں کہی تھی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان کے گروپ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے گروپ نے کہا تم پھر آپ سے عرض کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اس کی جب باری آئی تو اس نے پھر آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے پھر کچھ نہ کہا۔ اس کے گروپ نے پھر پوچھا تو انہوں نے کہا: آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے گروپ نے کہا: جب تک آپ جواب نہ دیں آپ بات کرتی رہیں، پھر جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری آئی تو انہوں نے پھر بات چیت کی تو آپ نے فرمایا: ”تم مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تکلیف نہ دو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی بیوی کے کپڑے میں مجھ پر وحی نہیں اتری۔“ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے گزارش کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو تکلیف دینے پر اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد ان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ کی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان کے ذریعہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ پیغام پہنچایا کہ آپ کی بیویاں آپ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی بابت انصاف کے لیے اللہ کا واسطہ دیتی ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا: ”اے بیٹی! کیا تجھے وہ بات پسند نہیں جو میں پسند کرتا ہوں؟“ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ تو وہ لوٹ کر ان کے پاس گئیں اور انہیں بتایا، انہوں نے پھر انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا کہا۔ انہوں نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ چنانچہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس آ کر سخت گفتگو کی اور کہا آپ کی بیویاں ابو قحافہ کی پوتی کے سلسلہ میں اللہ کے واسطہ سے آپ سے عدل کا تقاضا کرتی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آواز بلند کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نشانہ بنایا، وہ بیٹھی ہوئی تھیں، انہیں خوب برا بھلا کہا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ جواب دیتی



ہے یا نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جواب دینا شروع کیا۔ بالآخر اسے خاموش کرادیا پھر نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فرمایا: ”آخروہ بھی ابو بکر کی بیٹی ہیں۔“

اس حدیث سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بھی پتہ چلتا ہے، سوچنا چاہیے ان لوگوں کو جو اس فرمان کو نظر انداز کر کے کھلے عام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن و تنقید کرتے ہیں۔

## پہلی بحری جنگ میں شرکت کی خواہش

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ))<sup>①</sup>

”جو بندہ اس حال میں فوت ہوا کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں

کبھی جہاد کی خواہش پیدا ہوئی وہ نفاق کے ایک حصہ پر فوت ہوا۔“

اس حدیث کے پیش نظر ہر دل میں جہاد کی محبت اور شہادت کی تمنا ہونی چاہیے۔

جذبہ جہاد مسلمان کا سرمایہ اور تلوار اس کا زیور ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم تو درکنار صحابیات بھی جہاد میں شرکت کی خواہش کیا کرتی تھیں جیسا کہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ سے سمندر میں جہاد کرنے والوں کے متعلق سنا تو فوراً آپ ﷺ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَيَّ أُمَّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ تَحْتَ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَأَطَعَمْتُهُ، وَجَعَلْتُ تَفْلِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عَرَضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَرَكَّبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ،

① صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو، رقم: ۱۹۱۰



مُلُوكًا عَلَى الْأَسِيرَةِ، أَوْ: مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِيرَةِ)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ: مَا يَضْحَكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عَرِضُوا عَلَيَّ غُرَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: ((أَنْتِ مِنَ الْأُولَى)) فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ، فَهَلَكَتْ ①

رسول اللہ ﷺ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اس کے بعد آپ کا سر مبارک دیکھنے لگیں حتیٰ کہ آپ سو گئے پھر جب بیدار ہوئے تو آپ ہنس رہے تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے کچھ لوگ مجھے اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو بادشاہوں کی طرح سمندر میں سوار ہیں یا بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہیں۔“ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں شریک کرے، چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد پھر سر رکھ کر سو گئے پھر جب ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس لیے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے چند لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش کیے گئے جیسا کہ آپ نے پہلی دفعہ فرمایا تھا۔“ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا آپ

① صحیح البخاری، کتاب التعبير، باب الرؤیا بالنہار رقم الحدیث: ۷۰۰۱، ۷۰۰۲، صحیح،

مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الغزوفی البحر، رقم: ۱۹۱۲



اللہ سے دعا کریں کہ مجھ کو ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تم پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی ہو۔“ پھر ایسا ہوا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندر میں سوار ہوئیں اور سمندر سے نکلتے وقت اپنی سواری سے گر کر ہلاک ہو گئیں۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے اس جنگ میں شامل ہونے والوں کے لیے جنت کے واجب ہونے کی خوشخبری دی ہے اور قیصر روم کے شہر پر حملہ کرنے والے پہلے گروہ کے مغفرت یافتہ ہونے کا اعلان کیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أُمِّ حَرَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّهَا سَمِعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا) قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: (أَنْتِ فِيهِمْ) قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ)) فَقُلْتُ أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((لَا))<sup>①</sup>

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ بحری جنگ لڑیں گے ان کے لیے جنت واجب ہے۔“ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں انہی میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”تم انہی میں ہو۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر روم کے دار الحکومت (قسطنطنیہ) پر حملہ آور ہوں گے وہ مغفرت یافتہ ہیں۔“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی ان لوگوں میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“

① صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر باب ما قبل فی قتال الروم رقم: ۲۹۲۴



## یہ چادر میرا کفن ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی استعمال شدہ اشیاء کو بطور تبرک استعمال کرتے تھے، ان برتنوں کو جن میں آپ ﷺ نے پانی پیا، آپ کے لباس، آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی اور آپ کے موئے مبارک کے حصول کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک و دو کرتے تھے اور جس کسی کے پاس ان میں سے کوئی چیز ہوتی وہ اسے متاع گراں مایہ سمجھتے ہوئے زندگی بھر سنبھال کے رکھتا۔ بعض دفعہ اپنی وفات کے بعد کفن میں ساتھ رکھ دینے کی وصیت کر دیتا تھا۔ ایک صحابی نے اس چادر کو جو آپ ﷺ کے جسم سے مس ہوئی تھی اپنا کفن بنانے کے لیے آپ سے مانگ لیا۔

عَنْ سَهْلِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ النَّبِيَّ ﷺ بِبُرْدَةٍ مَسْجُوعَةٍ، فِيهَا حَاشِيَتُهَا، أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ قَالُوا: الشَّمْلَةُ، قَالَ: نَعَمْ قَالَتْ: نَسَجْتُهَا بِيَدِي فَجِئْتُ لِأَكْسُو كَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّا إِزَارُهُ، فَحَسَنَهَا فُلَانٌ فَقَالَ: اكْسِينِيهَا، مَا أَحْسَنَهَا، قَالَ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنَتْ، لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، ثُمَّ سَأَلْتُهُ، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ، قَالَ: إِنِّي وَاللَّهِ، مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهَا، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي، قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ ①

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ایک عورت نبی ﷺ کے لیے تیار شدہ حاشیہ دار چادر لائی راوی نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا: بردہ ایک قسم کی چادر کو کہتے ہیں تو اس نے کہا: ہاں، (وہی چادر آپ کے پاس لائی) خیر عورت نے کہا: میں نے اسے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے اور آپ کو پہنانے کے لیے لائی ہوں۔ چنانچہ اس وقت

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه، رقم: ۱۲۷۷



آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی اس لیے اسے قبول فرمایا، پھر آپ باہر تشریف لائے تو وہ چادر آپ کا تہبند تھی۔ ایک شخص نے اس کی تعریف کی اور کہنے لگا کیا ہی عمدہ چادر ہے، یہ مجھے عنایت فرمادیتے۔ لوگوں نے اس سے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا کیونکہ نبی ﷺ نے انتہائی ضرورت کے پیش نظر اسے پہنا تھا مگر تو نے مانگ لی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے نہیں مانگی بلکہ اس لیے کہ وہ میرا کفن بنے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اسی چادر سے اس شخص کا کفن تیار ہوا۔

واضح رہے کہ یہ تبرک صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے خاص تھا آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی بھی آدمی کے لباس، بالوں، جوتوں یا دیگر زیر استعمال چیزوں سے تبرک لینا جائز نہیں ہاں وہ چیزیں جن کی برکت باری تعالیٰ کی طرف سے عام ہے مثلاً زم زم کے پانی یا عجوہ کھجور وغیرہ جیسی چیزوں کو برکت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔



حصہ سوم

ناپسندیدہ خواہشات



## دنیا ہی میں گناہوں کی سزا پانے کی خواہش

دنیا اور آخرت کی سزا میں بہت فرق ہے جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انتہا درجہ زیادہ حرارت والی ہے دنیا میں انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایسی آگ یا قیامت کے دن والی مشقتیں برداشت کر پائے آخرت کی سزا دنیا میں پانے کی تمنا کرنا ایک غیر شرعی امر ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا ہے اس کی دلیل درج ذیل روایت ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَادَ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((هَلْ كُنْتَ تَدْعُو بِشَيْءٍ أَوْ تَسْأَلُهُ إِيَّاهُ؟)) قَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَقُولُ: اللَّهُمَّ مَا كُنْتُ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْآخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((سُبْحَانَ اللَّهِ لَا تُطِيقُهُ، أَوْ لَا تَسْتَطِيعُهُ أَفَلَا قُلْتَ اللَّهُمَّ ﴿آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾؟)) قَالَ: فَدَعَا اللَّهُ لَهُ فَشَفَاهُ<sup>①</sup>

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو بیماری سے چوزے کی طرح ہو گیا تھا (یعنی بہت ضعیف اور ناتواں ہو گیا تھا)۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا! ”تو کچھ دعا کیا کرتا تھا یا اللہ سے کچھ مانگا کرتا تھا؟“ وہ بولا کہ ہاں! میں کہا کرتا تھا کہ اے اللہ! جو کچھ تو مجھے آخرت میں عذاب کرنے والا ہے، وہ دنیا ہی میں کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ! تجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تو (دنیا میں) اللہ کا عذاب اٹھا سکے، تو نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اے اللہ! مجھے دنیا میں بھی بھلائی

① صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب کراهية الدعاء بتعجيل العقوبة في



دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور مجھے جہنم کے عذاب سے بچا۔“ پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے اللہ عزوجل سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء عطا فرمادی۔

سزائیں بھگتنے کی دعا مانگنے کی بجائے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگنی چاہیے اور دونوں جہاں میں آزمائشوں اور فتنوں سے عافیت کی دعا مانگنی چاہیے اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا اور آخرت میں سلامتی مل گئی تو سمجھ لو کہ دونوں جگہ کامیابی مل گئی اور اس کامیابی سے بڑھ کے اور کوئی کامیابی نہیں۔

### عہدے کی خواہش

عہدہ کی حرص کرنے اور مانگ کر عہدہ لینے کو شرعی طور پر ناپسند کیا گیا ہے سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلِهِ وَكَلْتِ الْيَهُوَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا))<sup>①</sup>

”اے عبدالرحمن! کسی عہدے اور حکومت کی درخواست مت کرنا کیونکہ اگر مانگنے سے تجھے (عہدہ) دیا گیا تو تجھے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تجھے وہ بن مانگے دیا گیا تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔“

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ نے اس پر باب یہ قائم کیا ہے النهی عن طلب الامارة والحرص علیہا (امارت کی طلب اور اس پر حرص ہونے کی ممانعت) یعنی مذکورہ حدیث سے اس بات پر راہنمائی ملتی ہے کہ عہدہ مانگنا اور دل میں اس کی حرص رکھنا منع ہے، حرص کا تعلق خواہش سے ہے پس ایسی خواہش کرنا درست نہیں جس میں عہدہ کی طلب اور لالچ ہو اور اگر مانگنے پر عہدہ مل بھی جائے تو بندہ اس پر طمانیت نہیں پائے گا اس کے چھن جانے کی فکر لاحق رہے گی اور آخرت میں سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا

① صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب النهی عن طلب الامارة والحرص علیہا، رقم: ۱۶۵۲



حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضْرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِزْبِي وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا))<sup>①</sup>

یا رسول اللہ! آپ مجھے گورنری (وغیرہ) نہیں دیتے؟ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر مارا اور فرمایا: ”اے ابوذر! تو کمزور ہے اور یہ امانت ہے (یعنی بندوں کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق سب حاکم کو ادا کرنے ہوتے ہیں) اور قیامت کے دن اس عہدہ سے سوائے رسوائی اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا مگر جو اس کا حق ادا کرے گا اور سچائی سے کام لے۔“

نبی ﷺ اس آدمی کو عہدہ نہیں دیا کرتے تھے جو عہدہ کا طلب گار ہوتا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَمَعِيَ رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِي وَالْآخَرُ عَنْ يَسَارِي فَكَلَامُهُمَا سَأَلَ الْعَمَلَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَسْتَاكُ فَقَالَ: ((مَا تَقُولُ يَا أَبَا مُوسَى)) أَوْ ((يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ؟)) قَالَ فَقُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَطَّلَعَانِي عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمَا وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ قَالَ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكِهِ تَحْتَ شَفْتَيْهِ وَقَدْ قَلَصْتُ فَقَالَ: ((لَنْ أَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ))<sup>②</sup>

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میرے ساتھ اشعری قبیلہ کے دو آدمی تھے۔ ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ دونوں نے نبی ﷺ سے عامل بنا کر بھیجنے کی درخواست کی اور آپ ﷺ مسواک کر رہے تھے۔

① صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب كراهة الامارة بغير ضرورة رقم: ۱۸۲۵

② صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب النهی عن طلب الامارة والحرص علیها رقم: ۱۷۳۳، سنن

نسائی، کتاب الطهارة، باب هل يستاك الامام بحضرة رعيته، رقم: ۴



آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو موسیٰ! تم کیا کہتے ہو؟“ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے مجھ سے اپنے دل کی بات نہیں کہی اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ کام (عہدہ وغیرہ) کی درخواست کریں گے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: گویا میں آپ ﷺ کی مسواک کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ نچلے ہونٹ پر ٹھہری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم اس کو کبھی عہدہ نہیں دیتے جو عہدے کی درخواست کرے۔“

عہدہ مانگنے میں درحقیقت نفس کی طرف سے لالچ شامل ہے اور دنیاوی طور پر لالچی ہونا شخصیت پر ایک بدنماداغ ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ بندہ ایسے عیوب سے پاک ہو اس لیے عہدہ کے پیچھے بھاگنے اور اس کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع اور ہتھکنڈے اختیار کرنے کی بجائے اچھا بننے اور شخصیت کو سنوارنے پر زور دیا گیا ہے۔ جب بندے کی شخصیت وزنی ہو تو اسے عہدے کے پیچھے نہیں بھاگنا پڑتا بلکہ عہدے خود اس کی طرف چل کے آتے ہیں۔

## کسی امیر کا غیر شرعی امر میں اطاعت کی خواہش کرنا

نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

((لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ إِمَامٍ إِلَّا طَاعَةٌ فِي الْمَعْرُوفِ))<sup>①</sup>

”نافرمانی میں اطاعت نہیں ہوتی اطاعت تو صرف شرعی امر میں ہے۔“

کسی امیر کا اپنے تبعین سے غیر شرعی امر کی اطاعت کی خواہش کرنا درست نہیں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک جہادی لشکر کے امیر نے کسی بات پر غصے ہو کر لوگوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ آگ جلائیں اور پھر اس میں کود جائیں آپ ﷺ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ نے امیر کی اس بات کو ناپسند کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهَا رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ

① صحیح البخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازة خبر الواحد، رقم: ۷۲۵۷



يُطِيعُوهُ، فَغَضِبَ، فَقَالَ: أَلَيْسَ أَمْرُكُمْ النَّبِيُّ أَنْ تُطِيعُونِي؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا، فَجَمَعُوا، فَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَهَمُّوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يُمْسِكُ بَعْضًا، وَيَقُولُونَ: فَرَرْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنَ النَّارِ، فَمَا زَالُوا حَتَّى خَمَدَتِ النَّارُ، فَسَكَنَ غَضَبُهُ، فَبَلَغَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: ((لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الطَّاعَةَ فِي الْمَعْرُوفِ))<sup>①</sup>

نبی ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اس کا سالار ایک انصاری شخص کو مقرر فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت کرو۔ اتفاقاً اس کو غصہ آیا تو کہنے لگا: کیا نبی ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا۔ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! تب اس نے کہا: تم میرے لیے لکڑیاں جمع کرو۔ انہوں نے جمع کر دیں۔ اس نے کہا: اب آگ سلگاؤ۔ انہوں نے آگ بھی سلگائی۔ پھر اس نے کہا کہ اس میں کود پڑو۔ انہوں نے کودنے کا ارادہ کیا مگر بعض ایک دوسرے کو روکنے لگے اور انہوں نے کہا: ہم آگ سے راہ فرار اختیار کر کے تو نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں وہ یہی کہتے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ گئی اور اس کا غصہ بھی جاتا رہا۔ پھر جب نبی ﷺ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”اگر وہ اس آگ میں گھس جاتے تو قیامت تک اس سے نہ نکل سکتے کیونکہ اطاعت اس کام میں ضروری ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو۔“

### عبادت میں غیر شرعی خواہشات

عبادت میں ایسی خواہشات رکھنا کہ بندہ اعتدال کا راستہ چھوڑ کر بے اعتدالی اختیار کرے یا سنت نبوی ﷺ سے ہٹ کر اپنے کسی طریقہ کے مطابق عبادت کرے، ممنوع ہے جیسا کہ تین صحابی، سیدہ عائشہؓ سے نبی ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے کے لیے

① صحیح البخاری، کتاب المغازی باب سرية عبدالله بن حذافة السهمي وعلقمة بن



آئے اور جب انہیں نبی ﷺ کی عبادت بتائی گئی تو انہوں نے خود کو گناہ گار سمجھتے ہوئے یہ گمان کیا کہ انہیں اس سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے چنانچہ تینوں نے عبادت کے حوالہ سے اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا اور چلے آئے آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے انہیں عبادت میں اپنی مرضی کی خواہشات پر عمل کرنے سے روکنے کے لیے ان کے اس اقدام پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ: أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أَصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ: آخِرُنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أَفْطِرُ، وَقَالَ: آخِرُنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: ((أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خُشَاكُمُ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لِكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))<sup>①</sup>

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے گھر آئے۔ انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اس عبارت کو کم خیال کیا کہنے لگے۔ کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ، ان کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ (ہم گناہ گار لوگ ہیں ہمیں عبادت زیادہ کرنی چاہیے) پس ان میں سے ایک کہنے لگا: میں تو ساری عمر رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور دوسرے نے کہا: میں زمانہ بھر روزہ دار رہوں گا اور کبھی (دن کو) افطار نہیں کروں گا اور

① صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح رقم: ۵۰۶۳



تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کراؤں گا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کہیں۔۔۔؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں پس جس نے میرے طریقے سے منہ پھیر لیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“ روایت میں مذکور ہے کہ تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ کہے تھے:

قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ

نبی ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات میں ایسی خواہشات جائز نہیں جو بندے کو طریقہ نبوی ﷺ سے منحرف کر دیں ہر وہ کام جو سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر ہو اور بندے کے دل کو وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے اس جانب قدم بڑھانا نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے اس لیے کہ عمل وہی قبول ہوگا جو شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہسی اوست

وہ خواہشات جن کا تعلق عبادات کے ساتھ ہے ان میں سنت کی اتباع ضروری ہے نہیں تو پہاڑوں جیسے عظیم اور تھکا دینے والے اعمال بھی میزانِ عمل میں وزن پیدا کرنے سے قاصر رہیں گے باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن بعض لوگ ایسے بھی آئیں گے جنہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق مشقت طلب اعمال کیے ہوں گے مگر وہ اعمال چونکہ منہج نبوی ﷺ کے مطابق نہیں ہوں گے اس لیے ثواب کی بجائے وہ ان کے لیے وبالِ جان بن جائیں گے چنانچہ فرمایا:



﴿وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصَلَّىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝﴾<sup>(۱)</sup>

”کئی چہرے اس دن ذلیل ہوں گے، انہوں نے تھکا دینے والے اعمال کیے ہوں گے مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو جائیں گے۔“

حدیث مبارک میں آتا ہے کچھ لوگ قیامت کے دن میدانِ محشر میں اس کیفیت میں آئیں گے کہ ان کے اعضاء و ضوعبادات کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے اور وہ اپنی تشنہ لبی مٹانے کے لیے حوضِ کوثر کی جانب بڑھیں گے لیکن انہیں روک دیا جائے گا صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے دنیا میں عبادات، سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق کی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((بَيْنَا نَا قَائِمٌ إِذَا زُمِرَةٌ، حَتَّىٰ إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ، فَقَالَ: هَلُمَّ، فَقُلْتُ: أَيْنَ قَالَ: إِلَى النَّارِ وَاللَّهِ، قُلْتُ: وَمَا شَأْنُهُمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَىٰ أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَىٰ، ثُمَّ إِذَا زُمِرَةٌ، حَتَّىٰ إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ، فَقَالَ: هَلُمَّ، قُلْتُ: أَيْنَ؟ قَالَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهِ، قُلْتُ: مَا شَأْنُهُمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَىٰ أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَىٰ، فَلَا أَرَاهُ يَخْلُصُ مِنْهُمْ إِلَّا مِثْلُ هَمَلِ النَّعَمِ))<sup>(۲)</sup>

”میں قیامت کے روز حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں گا تو ایک گروہ میرے سامنے آئے

گا۔ میں ان کو پہچان لوں گا، اتنے میں میرے اور ان کے درمیان سے ایک شخص نکل کر ان لوگوں کو کہے گا ادھر آؤ۔ میں کہوں گا کدھر؟ وہ کہے گا جہنم کی طرف۔ اللہ کی قسم! میں کہوں گا اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کہے گا: یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد دین سے الٹے پاؤں برگشتہ ہو گئے تھے۔ پھر ان کے بعد ایک اور گروہ نمودار ہوگا میں ان کو بھی پہچان لوں گا تو میرے اور ان کے درمیان سے ایک شخص نکلے گا وہ ان سے کہے گا: ادھر آؤ میں پوچھوں گا کدھر؟ وہ کہے گا آگ کی طرف اللہ کی قسم! میں کہوں گا کس لیے؟ وہ کہے گا یہ لوگ آپ کی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم: ۶۵۸۷

(۱) الغاشیہ: ۲، ۳، ۴



وفات کے بعد لٹے پاؤں پھر گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں ان میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا ہاں جنگل میں آزادانہ چرنے والے اونٹوں کی طرح چند لوگ رہائی پائیں گے۔“

اپنی خواہش کے مطابق عبادت کرنے والے بروز محشر، پیغمبر کائنات ﷺ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے اور یہ ان کی کس قدر حرماں نصیبی ہوگی کہ نمازوں، تہجدوں اور دیگر عبادات کا وہ بینک بیلنس جو انہوں نے بڑی محنت سے جمع کیا ہوگا سب کھوٹا قرار پائے گا، ہاں یہ کھراتب ہوتا اگر ان کے اعمال سنت کے مطابق ہوتے:

تَعَصَى الرَّسُولَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ  
هَذَا لَعَمْرِي فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ  
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ  
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

”تو رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کے ساتھ محبت کا بھی دعویٰ کرتا ہے، زندگی گواہ ہے یہ بات انتہائی عجیب ہے جو عقل میں نہیں آتی اگر تو اس محبت کے دعوے میں سچا ہوتا تو ان کی اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا تابع دار ہوتا ہے۔“

### اپنی خواہش کے مطابق عبادت کی چند مثالیں

عہد رسالت میں جن لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق عبادت کرنا چاہی تھی نبی کریم ﷺ نے انہیں روک دیا اور ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اس لیے کہ ہر وہ عبادت جو عبادتِ مصطفیٰ ﷺ کی تصویر نہ ہو، جس میں منہج نبوی ﷺ کو نظر انداز کر دیا گیا ہو عند اللہ کوئی وزن نہیں رکھتی اس لیے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت وہی قبول ہوگی جو رسول کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہوگی اور اگر آپ ﷺ کے طریقہ کے مطابق نہیں تو عبادت خواہ کتنی ہی محنت طلب کیوں نہ ہو اللہ کے ہاں بندے کے مقام و مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔



رسی باندھ کر عبادت کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَرَأَى حَبْلًا مَمْدُودًا بَيْنَ سَارِيَتَيْنِ فَقَالَ: ((مَا هَذَا الْحَبْلُ)) فَقَالُوا: الزَّيْنَبُ تُصَلِّيُ فَاذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((حُلُوهُ لِيُصَلَّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَاذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ))<sup>(1)</sup>

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رسی دوستونوں کے درمیان بندھی ہوئی دیکھی آپ نے دریافت فرمایا: ”یہ رسی کا کیا ماجرا ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: یہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے ہے وہ نماز پڑھتی ہے اور جب تھک جاتی ہے تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے کھول دو تم میں سے کوئی اتنی دیر تک عبادت کرے جب تک ہشاش بشاش ہے اور جب وہ سست پڑ جائے تو بیٹھ جائے۔“

کسی آدمی کو باندھ کر طواف کروانا

کسی آدمی کا خود کوزنجیروں سے جکڑ کے عبادت کرنا غیر شرعی ہے۔ اس کی دلیل درج

ذیل حدیث ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ، رَبَطَ يَدَهُ إِلَى إِنْسَانٍ، بِسَيْرٍ أَوْ بِخَيْطٍ أَوْ بِشَيْءٍ غَيْرِ ذَلِكَ فَقَطَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: ((قُدُّهُ بِيَدِهِ))<sup>(2)</sup>

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے، اسی اثنا میں آپ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جس نے اپنا ہاتھ تسمہ یا دھاگے یا کسی اور چیز کے ذریعے دوسرے شخص سے باندھ رکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا، پھر فرمایا: ”ہاتھ پکڑ کر اسے لے چلو۔“

(1) صحیح (سنن النسائی، کتاب قیام اللیل و تطوع النهار باب الاختلاف علی عائشة فی احیاء اللیل

رقم الحدیث: ۱۶۴۳ (2) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الکلام فی الطواف، رقم: ۱۶۲۰



## سواری ہونے کے باوجود پیدل حج کے لیے جانا

باری تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ عبادت کے لیے اپنی جان کو عذاب میں مبتلا کریں، ننگے پاؤں دھوپ میں چلنا یا سینکڑوں میل کا سفر سائیکلوں پر کرنا، دہکتے کونلوں پر چل کر عبادت کا مظاہرہ کرنا، خود کو تیز دھار چیزوں سے زخمی کرنا محض ایک تکلف ہے عبادت نہیں۔ اسلام نے عبادت کا ایک پروقار طریقہ دیا ہے جس میں خود کو نہ عذاب میں مبتلا کرنا پڑتا ہے اور نہ خود کو یوں سزائیں دی جاتی ہیں نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو دیکھیں کتنے پروقار عبادت کے طریقے ہیں۔ ذیل کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى شَيْخًا يُهَادِي بَيْنَ ابْنَيْهِ، قَالَ: ((مَا بَالُ هَذَا؟))، قَالُوا: نَذَرْنَا أَنْ يَمْشِيَ، قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْدِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ)) وَأَمْرُهُ أَنْ يَرْكَبَ. ①

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ”اسے کیا ہوا ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: اس نے پیدل جانے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ ”اپنی جان کو تکلیف دے رہا ہے اللہ اس سے بے نیاز ہے۔“ پھر آپ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو کر جائے۔

سواری ہونے کے باوجود کسی آدمی کا پیدل سفر کرنا کہ اس ذریعہ سے وہ اللہ کے تقرب کو پالے گا درست نہیں اس لیے کہ یہ قرب الہی کا ذریعہ ہی نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ: (ارْكَبْهَا) فَقَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ: ((ارْكَبْهَا)) قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: ((ارْكَبْهَا وَيْلَكَ)) فِي الثَّلَاثَةِ أَوْ فِي الثَّانِيَةِ. ②

① صحیح البخاری، کتاب المحضرو جزاء الصيد، باب من نذر المشى الى الكعبة، رقم: ۱۸۶۵

② صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ركوب البدن، رقم: ۱۶۸۹



رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے اونٹ کو ہانک رہا تھا، آپ نے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جا۔“ اس نے عرض کیا کہ یہ تو قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جا۔“ دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا: ”تجھ پر افسوس اس پر سوار ہو جا۔“

جان لیجیے! اگر کوئی بندہ طاعت رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑتا ہے تو اس کے گناہوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور دینی اور دنیاوی اعتبار سے نقصانات بھی بڑھ جاتے ہیں اس ضمن میں ہم چند مثالیں صحیحین سے پیش کر رہے ہیں:

عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ أَبِي بَشِيرٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَانَمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ، فَقَالَ ((عِبَادَ اللَّهِ لَتَسَوَّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لِيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وَجُوهِكُمْ))<sup>①</sup>

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرماتے تھے گویا ان کے ساتھ آپ تیروں کو سیدھا فرما رہے ہیں یہاں تک کہ جب آپ محسوس فرماتے کہ ہم آپ کی طرف سے اس مسئلہ کو سمجھ گئے ہیں (تب آپ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کا آغاز فرماتے) پھر ایک دن آپ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے (اور مصلیٰ پر) کھڑے ہو گئے آپ اللہ اکبر کہنے ہی والے تھے آپ نے ایک آدمی کو دیکھا اس کا سینہ (صف سے) باہر نکلا ہوا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں ضرور سیدھی کر لو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا (یا تمہارے چہروں کو بدل دے گا۔)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

① صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب تسوية الصفوف واقامتها، رقم: ۴۳۶



أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِشِمَائِهِ، فَقَالَ: ((كُلْ بِيَمِينِكَ))  
 قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ، قَالَ: ((لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَّهُ إِلَّا الْكِبَرُ، قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا  
 إِلَى فِيهِ. ①

”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا، آپ نے اس سے فرمایا: ”اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔“ اس نے کہا: اس کی میں طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: ”تو اس کی طاقت نہ ہی رکھے۔“ اس کو داہنے ہاتھ سے کھانے سے صرف تکبر نے روکا تھا، پس وہ اپنے داہنے ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھاسکا۔

دینی اور دنیاوی اعتبار سے یہ چند نقصانات ہیں جو اطاعت رسول ﷺ سے منہ موڑنے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر بدنصیب کون ہوگا جسے دنیا میں اللہ کا غضب پکڑ لے اور آخرت میں جنت اور حوض کوثر سے دھتکار دیا جائے۔

### عبادات میں لوگوں کو خوش کرنے کی خواہش

غیر شرعی خواہشات میں ایک انتہائی مہلک خواہش یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت سے اللہ کو خوش کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو خوش کرنے کی بھی خواہش رکھے اور یہ مہلک اس لیے ہے کہ یہ خواہش عبادت کو بے وزن کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی عبادت کا کوئی مقام نہیں رہتا اور ریاکاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنا کوئی بھی عمل لوگوں میں مقام پیدا کرنے کے لیے کیا جائے عبادت سے متعلقہ کسی بھی عمل میں اگر ریاکاری آجائے تو وہ عمل برباد ہو جاتا ہے خواہ وہ عمل عظیم سے عظیم تر ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۗ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَ بَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ ②

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہے تو ہم ایسے لوگوں کو دنیا میں ہی

① صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب اداب الطعام والشراب، رقم: ۲۰۲۱ ② ہود: ۱۵، ۱۶



ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ برباد ہو جائے گا اور جو عمل کرتے رہے وہ بھی بے سود ہوں گے۔“

مفسرین نے اس آیت کو ان کافروں کے بارے میں بھی بیان کیا ہے جو ایمان کے بغیر دنیا میں نیک اعمال کرتے ہیں تو انہیں دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کے لیے سوائے آگ کے کچھ نہیں ہے اور ریاکار کا معاملہ بھی بعینہ ایسا ہی ہے اس کے نیک اعمال کی وجہ سے دنیا والے اس کی خوب تعریف کرتے ہیں اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس معاملہ میں اس کے ساتھ کمی نہیں کی جاتی لیکن آخرت میں سوائے آگ کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أُسْتُشِهَدَ، فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَّفَهُ، نِعْمَهُ، فَعَرَّفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّىٰ اسْتُشِهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّىٰ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ، وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَّفَهُ، نِعْمَهُ فَعَرَّفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا، قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ، وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّىٰ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَّفَهُ، نِعْمَهُ فَعَرَّفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ



جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ))<sup>①</sup>

”قیامت کے دن سب سے پہلے ایک شہید لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور شہیدانِ نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تو نے ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے لیے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جنگ کی، حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے بہادر کہلوانے کے لیے جنگ کی، دنیا میں تجھے بہادر کہہ دیا گیا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ آدمی لایا جائے گا جس نے خود بھی علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور قرآن پڑھا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد لائے گا اور وہ (عالم) ان کا اقرار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ”ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تو نے کیا عمل کیا؟“ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میں نے علم سیکھا، لوگوں کو سکھایا اور تیری خاطر لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا ہے تو نے علم اس لیے سیکھا تا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھ کر سنایا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، سو دنیا نے تجھے عالم اور قاری کہہ دیا۔ پھر حکم ہوگا اور منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد تیسرا آدمی لایا جائے گا جسے دنیا میں وسعت اور ہر طرح کی دولت سے نوازا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں بتائے گا وہ شخص ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، اللہ پوچھے گا ان نعمتوں کو پا کر تو نے کیا کام کیے؟ وہ کہے گا: یا اللہ میں نے تیری راہ میں ان تمام جگہوں پر مال خرچ کیا جہاں تجھے مال خرچ کرنا پسند تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے، تو نے مال صرف اس لیے خرچ کیا تا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور دنیا نے تجھے سخی کہہ دیا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

① صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، رقم: ۱۹۰۵



شہادت اور سخاوت جیسا عظیم عمل اور عالم و فاضل کا علم و فضل دنیا کی تعریف کے سوا اور کچھ حاصل نہ کر سکا بلکہ الٹا عذاب کا باعث بن گیا۔

ریا کار آدمی کا عمل کیسے برباد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دے کر سمجھایا ہے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صِدْقَتَكُمْ بِالَّذِينَ كَاذِبُوا كَالَّذِي يُنْفِقُ

مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ

تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١﴾

”جو شخص اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر

ایمان نہیں رکھتا اور نہ ہی آخرت کے دن پر، اس کے خرچ کی مثال ایسے ہے

جیسے کوئی چٹان ہو جس پر مٹی کی تہہ جم گئی ہو جب اسے زوردار بارش پہنچی تو اس

(پتھر) کو بالکل صاف چٹان (کی شکل میں) چھوڑ دیا ایسے لوگ اپنے کسی عمل

پر قادر نہ ہوں گے اور اللہ کا فرقہ قوم کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔“

ریا کار آدمی کا عمل بالکل اس چٹان کی مانند ہی ہوتا ہے جس پر کچھ گرد و غبار اور مٹی جمع

ہو جائے اور وہ اس مٹی کی تہہ میں اپنے عمل کا بیج چھپا دے تو وہ کبھی بار آور نہیں ہوگا جیسے ہی

بارش برسے گی چٹان صاف ہو جائے گی اور بیج بھی ضائع ہو جائے گا۔

اسلام میں ریا کاری کو انتہائی بری نظر سے اس لیے دیکھا گیا ہے کہ اس میں شرک کی

بُو پائی جاتی ہے اس لیے کہ نیک اعمال تو سارے اللہ کے لیے ہونے چاہئیں لیکن ریا کار

آدمی اس میں اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ بندوں کی رضا کو بھی شامل کر لیتا ہے اور جو کام

خالص اللہ کے لیے ہو اس میں بندوں کو شریک کرنا ہی تو شرک کہلاتا ہے، اسی لیے نبی ﷺ

کافر مان ہے:

((قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا أَعْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اشْرَكَ

فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكُهُ)) ﴿٢﴾

① البقرہ: ۲۶۴ ② صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب من اشرك في عمله غير الله، رقم: ۲۹۸۵



”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں دوسرے شریکوں کے مقابلے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو اس کو اس کے شرک سمیت چھوڑ دیتا ہوں۔“

اس حدیث میں دکھلا دے کہ شرک سے تعبیر کیا ہے کہ یہ بھی شرک خفی ہے لیکن یہ شرک اصغر ہے۔ اپنے عمل میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں متقی و پارسا بننا چاہتا ہے، اللہ ایسے بندے کو اس کے شرک سمیت چھوڑ دیتا ہے یعنی اس سے اپنی نظر رحمت ہٹا لیتا ہے اور اس عمل کو برباد اور اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے اور ایسا بندہ قیامت والے دن سب لوگوں کے سامنے رسوا ہوگا جیسا کہ حضرت جناب رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

((مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللَّهُ بِهِ))<sup>①</sup>

”جو شخص دکھلا دے کے لیے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن رسوا کر دے گا اور جو کوئی نیک عمل لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لیے کرتا ہے تو اللہ اس کے چھپے عیب لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کو اپنی امت کے لیے سب سے زیادہ خوف والی چیز قرار دیا ہے، فرمایا:

((إِنَّ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ: ((الرِّيَاءُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ تُحَازَى الْعِبَادُ بِأَعْمَالِهِمْ: اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاءُونَ وَبِأَعْمَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَانظُرُوا تَجِدُونَهُمْ جَزَاءً))<sup>②</sup>

”سب سے زیادہ خوف والی چیز جس کا مجھے تم پر ڈر ہے وہ شرک اصغر ہے“

① صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، رقم: ۶۴۹۹؛ صحیح مسلم کتاب الزهد

باب من اشرك في عمله غير الله رقم: ۲۹۸۷ ② سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ۹۵۱



لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے فرمایا: ”دکھاوا، جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اس دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے جاؤ ان لوگوں کے پاس جنہیں دکھانے کے لیے تم یہ عمل کرتے تھے اور دیکھو تمہیں ان کے ہاں کوئی بدلہ ملتا ہے؟“

قیامت والے دن بھلا بندے کیا بدلہ دے سکیں گے ہر ایک اپنے بچاؤ کی فکر میں پڑا ہوگا چنانچہ ریاکار آدمی ناکام و نامراد ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے گا یہاں تک کہ ریاکار نمازی بھی ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے قرآن حکیم میں ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝﴾<sup>①</sup>

”پس تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں۔“

ان آیات میں بے نمازون کے لیے وعید بیان نہیں ہوئی بلکہ نمازیوں کا ذکر ہے ایسے نمازی جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے اور ریاکاری کرتے ہیں وہ نمازیں پڑھنے کے باوجود ہلاکت کا شکار ہوں گے اور ان کی نمازیں میزانِ عمل میں بالکل بے وزن ہو کر رہ جائیں گی۔ ریاکار نمازیوں کو قیامت والے دن سخت شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا جب ان سے رب تعالیٰ کے سامنے جھکنے کی قوت سلب کر لی جائے گی اور ان کی کمر اکڑ کے ایک تختے کی شکل اختیار کر لے گی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ وَيَبْقَى مَنْ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِئَاءً وَسَمْعَةً فَيَذْهَبَ لِيَسْجُدَ فَيَعُوذَ ظَهْرُهُ، طَبَقًا وَاحِدًا))<sup>②</sup>

میں نے سنا نبی ﷺ فرما رہے تھے: ”قیامت والے دن ہمارا رب اپنی پنڈلی

① الماعون: ۴-۶ ② صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب یوم یکشف عن ساق، رقم: ۴۹۱۹



ظاہر کرے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت (اسے دیکھ کر) سجدہ میں گر پڑیں گے اور وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے سجدہ کیا کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پیٹھ اکڑ کر ایک تختہ بن جائے گی۔“

یہ بندے دنیا میں اپنی عبادتیں لوگوں سے داد پانے کے لیے کیا کرتے تھے، آہ کس قدر فریب نفس میں مبتلا تھے، انہوں نے رب کی بجائے لوگوں سے بدلے کی امید رکھی اور دنیا کی طرح لوگ بھی فانی ہیں، ان کی تعریف و توصیف بھی فانی ہے، یہ چیزیں مٹ جانے والی ہیں مٹ جائیں گی اور آخرت کا رسوا کن عذاب باقی رہ جائے گا، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَانَ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾<sup>①</sup>

”جس دن وہ اس (قیامت) کو دیکھیں گے تو انہیں ایسے محسوس ہوگا جیسے وہ (دنیا میں) ٹھہرے ہی نہیں یا اگر ٹھہرے بھی ہیں تو دن کا آخری حصہ یا دن کا پہلا حصہ۔“

انہیں دنیا کی گزاری ہوئی ساری زندگی ایک دن بھی دکھائی نہیں دے گی، جس دنیا کی حقیقت آخرت کے مقابلہ میں صرف چند لمحات کی سی ہے، اس کی خاطر بندہ اپنی عبادات قربان کر دے، کس قدر خسارہ کی تجارت ہے۔

فوائد:

بعض دفعہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت سے کوئی نیک عمل کر رہا ہوتا ہے، لیکن وہ لوگوں کو اس لیے دکھا کر کرتا ہے تاکہ وہ بھی ایسا عمل کریں یہ صورت جائز ہے بلکہ جتنے لوگ اسے دیکھ کر یہ عمل کریں گے ان کے ثواب میں بھی یہ شریک ہوگا، جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے:

① النازعات: ۴۶



﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾<sup>①</sup>

”اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بہت ہی اچھا ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔“

✿ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں کوئی عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال کے ان کے دل اس بندے کی طرف مائل کر دے اور لوگ اس کی تعریف کرنے لگیں، اس پر وہ بندہ خوشی محسوس کرے تو کوئی حرج والی بات نہیں یہ دنیا میں اس بندے کے لیے اللہ کی بشارت ہے، حضرت ابو ذر فرماتے ہیں:

قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ، قَالَ: ((تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ))<sup>②</sup>

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ کا کیا ارشاد ہے اگر کوئی آدمی نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (یہ ریا کاری تو نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مومن کو جلدی مل جانے والی خوشخبری ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کی اپنی نیت خالص ہو وہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اعمال کرے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کریں تو یہ ریا کاری نہ ہوگی بلکہ یہ اس کے حق میں ایک خوشخبری ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کے لیے نیک گواہی ہے۔

اللہ ہمیں شرک اور ریا کاری کے ہولناک گناہوں سے بچائے اور ہمارے دلوں کو صرف اپنی اطاعت کی طرف موڑ دے اس لیے کہ دلوں کی حکومت اللہ کے پاس ہے وہ جس طرف چاہے دلوں کو موڑ سکتا ہے۔

① البقرہ: ۲۷۱ ② صحیح مسلم، کتاب البر، باب اذا اثنی علی الصالح، رقم: ۲۶۴۲



## نا جائز ذرائع سے دولت کمانے کی خواہش

دولت انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے بہت سے لوگ دولت کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر لیں خواہ اس کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع ہی اختیار کیوں نہ کرنے پڑیں لیکن یاد رکھیے ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنا بھی گناہ ہے اور اس کی خواہش کرنا اور پھر اس خواہش کے پیچھے چلنا بھی گناہ ہے۔

حرام کمائی جس بھی نیکی میں شامل ہو جائے اسے برباد کر دیتی ہے اور نیکیوں کی بربادی کے علاوہ جہنم کے شعلے بھی حرام کمائی سے تیز ہو جاتے ہیں، حرام کمائی کا ایک لقمہ بھی پیٹ میں چلا جائے تو وہ آگ کا دہکتا ہوا انگارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۝﴾<sup>①</sup>

”بلاشبہ وہ لوگ جو یتیموں کا مال ازراہ ظلم کھا لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی

بھر رہے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو جائیں گے۔“

یتیم کا مال کھانا حرام ہے اور ایسا حرام مال کھانے والا خواہ پانچوں نمازوں کا پابند اور

تہجد گزار بھی ہو تب بھی جنت کے دروازے اس پر بند ہو جائیں گے، یہاں تک کہ سخت

محنت سے کی ہوئی نیکی بھی بالکل بے فائدہ اور بے وزن ہو جائے گی۔

مال و دولت کو آدمی بڑی محنت سے حاصل کرتا ہے اور مال سے جو نیکی کے کام

سرا انجام دیئے جاسکتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا نیکی کا کام صدقہ و خیرات بھی ہے، لیکن

صدقہ و خیرات اگر حرام کمائی سے ہو تو بارگاہِ الہی میں قبولیت حاصل نہیں کر سکتا، خواہ خرچ

کرنے والا اسے موسلا دھار بارش یا تیز آندھی کی مانند ہی خرچ کیوں نہ کرتا ہو اور اس کا

① النساء: ۱۰



تعلق زکوٰۃ سے ہو یا قربانی سے، نذر و نیاز سے ہو یا محتاجوں کی مدد کرنے سے اللہ تعالیٰ صرف اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتے ہیں، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَهُ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ))<sup>①</sup>

”اے لوگو! اللہ پاک ہے، پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے پیغمبروں کو دیا چنانچہ اس نے (پیغمبروں سے) فرمایا: اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو بلاشبہ میں تمہارے عملوں کو خوب جانتا ہوں۔“

یہ جملہ ”بلاشبہ میں تمہارے عملوں کو خوب جانتا ہوں۔“ اپنے اندر بہت معنویت رکھتا ہے اس سے متصل پیچھے حلال کمائی اور نیک اعمال اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر اپنی جاننے کی قوت کا اظہار فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی کمائی میں حرام کی آمیزش اس انداز سے کرو کہ کسی کو پتہ نہ چل پائے یہاں تک کہ خریدار، گاہک اور کاروبار سے منسلک تمام افراد اس سے بے خبر ہوں پھر بھی میں تمہارے اعمال کو جانتا ہوں اور تم اگر ایک برا عمل دروازے بند کر کے سب سے چھپا کر کرتے ہو کہ تمہارے ہمسائے بھی اس سے بے خبر ہوتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بیوی بچوں کو بھی نہیں پتہ لیکن میں تمہارے اس عمل سے بھی واقف و آشنا ہوں اس طرح جب تم صدقہ و خیرات کرتے ہو تو جس جس جگہ پر حرام کمائی کے سیاہ نقطے لگے ہوتے ہیں میرے علم میں ہوتے ہیں۔

① صحیح مسلم، کتاب الزکاة باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها، رقم: ۱۰۱۵



## کسی تکلیف کی بنا پر موت کی خواہش کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لِضُرِّ نَزَلَ بِهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنَّيًّا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ

أُحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي))<sup>①</sup>

”تم میں سے کوئی آدمی کسی نازل ہونے والی مصیبت کی وجہ سے موت کی خواہش نہ کرے اگر کوئی چارہ کار نہ ہو یوں کہے اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور اس وقت موت دے جب موت میرے لیے بہتر ہو۔“

زندگی انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک امانت ہے۔ اس کے چھن جانے کی خواہش کرنا اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے عطیہ کی ناقدری ہے زندگی سے راہ فرار کا سوچنے والے بعض کم عقل لوگ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خودکشی کی جانب قدم بڑھاتے ہیں اور انتہائی سنگدلی سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتے ہیں چونکہ موت کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہمارے معاشرہ میں خودکشی کا رجحان بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اس لیے ہم اس پر ذرا تفصیل سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

### خودکشی کی خواہش

موجودہ معاشرہ میں دگرگوں حالات اور پیش آمدہ مسائل سے تنگ آئے لوگوں میں خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے، خودکشی کیا ہے؟ خودکشی زندگی سے فرار کا نام ہے یا پھر مایوسی کے انتہائی قدم کا نام خودکشی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ بندہ یہ مایوسانہ قدم کیوں اٹھاتا ہے کہ اپنی انتہائی قیمتی متاع یعنی زندگی کو ٹھوکر مار دیتا ہے اور اس بات کو بھی یکسر نظر انداز کر دیتا ہے کہ اس کے ساتھ کتنے لوگوں کی زندگی وابستہ ہے وہ اپنے معصوم بچوں، نوبیاہتا

① صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحياة رقم: ۶۳۵۱، صحیح مسلم،

کتاب الدعاء، باب فی کراهیة تمنی الموت لضر ينزل والدعاء بالخير رقم: ۲۶۸۰



بیوی اور جھریوں بھرے چہرے اور کپکپاتے ہاتھوں والی ماں کو بھول جاتا ہے اور اس بات کو بھی فراموش کر دیتا ہے کہ آنے والے وقت کی سنگینیوں کا یہ کمزور لوگ کیسے مقابلہ کریں گے اس سے رشتوں کا احساس اور درد کیوں چھن جاتا ہے وہ اس قدر بے حسی کا مظاہرہ کیوں کرتا ہے پھر بعض دفعہ وہ اس قدر ظالم بن جاتا ہے کہ اپنے ساتھ وابستہ معصوم جانوں کو بھی زہر کے ٹیکے لگا کے ابدی نیند سلا دیتا ہے یا ان کے بازو پکڑ کے ٹرین کے آگے کو دے کہ انہیں بھی زندگی کی زنجیر سے آزاد کر دیتا ہے وہ اس قدر ظالم بن جاتا ہے آخر کیوں.....؟ یہ اور ان سے ملتے جلتے اور بھی کئی سوالات ذہنوں میں اٹھتے ہیں کہ معاشرہ میں بے چینی کی یہ لہر کیوں بڑھتی چلی جا رہی ہے؟

## خودکشی کی وجوہات اور ان کا حل

خودکشی کرنے والے لوگوں کے اندرونی و بیرونی حالات اور قرآن و حدیث کے مطالعہ سے خودکشی کی چند وجوہات جو سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں:

### دین سے رشتہ کمزور ہونا

خودکشی کرنے والے حضرات کی زندگی کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو ضروریہ بات سامنے آئے گی کہ ان کا دین سے رشتہ کسی نہ کسی مقام پر کمزور ہو چکا تھا سیرت نبوی ﷺ سے ان کا رشتہ کسی نہ کسی اعتبار سے کٹا ہوا تھا اس لئے کہ دین سے رشتہ بندے کے دل کو مضبوط رکھتا ہے اسے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی قوت ملتی ہے جو اسے مصائب اور پریشانیوں کے مقابلہ میں حوصلہ مند رکھتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا

تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١﴾

”بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر



فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہوں اور اس

جنت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

اس آیت کا ایک مفہوم تو واضح ہے کہ رب تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لینے کے بعد جو لوگ اس پر ڈٹے رہتے ہیں اس راہ میں آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوگا اور وہ جنت کے حقدار ہیں اور دوسرا مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ وہ دنیا سے گزرتے ہوئے بھی دین پر قائم رہتے ہیں انہیں دنیا کے مسائل اور پریشانیاں دین سے دور نہیں کرتیں ایسے لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جس سے ان کے دل میں ایک روحانی قوت پیدا ہوتی ہے پھر وہ خوف اور نقصان سے نہیں گھبراتے اور جو دین پر قائم نہ ہو وہ خوف اور نقصان کا شکار بھی ہوتا ہے اور ایسی گھبراہٹ میں بعض دفعہ اپنی جان کا خاتمہ بھی کر بیٹھتا ہے استقامت فی الدین سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جو مشکل گھڑی میں بندے کو اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (نہ خوف کرو نہ غم زدہ ہوں) کے تسلی بخش کلمات سے حوصلہ دیتے ہیں فرشتوں کے نزول سے دل کو طمانیت کا احساس ہوتا ہے اور دل میں ایسی روحانی قوت پیدا ہوتی ہے جو پریشانیوں کے مقابلہ میں ڈھال کا کام دیتی ہے اور بندہ مصیبت میں دل برداشتہ ہو کے صبر کا دامن چاک کرنے کی بجائے اسے اللہ کی طرف سے امتحان سمجھ کی صبر و ضبط سے اس کا مقابلہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو پانچ وقت مسجد میں نماز ادا کرنے والا نمازی اور پرہیزگار بندہ شاید ہی خودکشی کرنے والا ملے گا عموماً خودکشی کرنے والے کا رشتہ مسجد سے کٹا ہوتا ہے یا وہ نماز اور دیگر عبادات کی ادائیگی میں سست ہوگا رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝﴾<sup>①</sup>

”اور جو کوئی اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان مقرر

کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“

① الزخرف: ۳۶



جس کا دوست شیطان ہو وہ کامیابی نہیں پاسکتا شیطان بندے کو گناہ کی طرف مائل کرنے کے ساتھ ساتھ مایوسی اور اور ناامیدی کی طرف لے جاتا ہے ایسی مایوسی کی جانب جہاں بندہ سمجھتا ہے کہ میرے لئے مسائل اور پریشانیوں سے نکلنے کے سب راستے بند ہو چکے ہیں اور میں اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں ختم کر کے ہی نجات پاسکتا ہوں نتیجتاً وہ ایسا احمقانہ قدم اٹھالیتا ہے جبکہ پرہیزگار آدمی پریشانیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی سمجھتا ہے کہ اس کیلئے امیدوں کا ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ ہے اس کے رب کا دروازہ جو کبھی بند نہیں ہوا جہاں سے حوصلہ اور توانائی ملتی ہے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾<sup>①</sup>

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کیلئے (رنج و محن سے) نکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے وہ اسے کافی ہو جاتا ہے بلاشبہ اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے اور اس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“

دین کے ساتھ رشتہ بندے کے دل کو مضبوط رکھتا ہے اور مایوسی اس پر حملہ آور نہیں ہوتی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾<sup>②</sup>

”تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“

یعنی اگر تم ایمان والے ہو تو اچھے حالات کی امید رکھو رب تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرمائیں گے اور تمہارے مسائل بھی حل فرمادیں گے، کبھی بھی کاروبار یا گھر کے حالات سے ناامید ہو کے مایوسانہ قدم نہ اٹھاؤ، اور آج گھریلو حالات سے دلبرداشتہ ہو کر

② الزمر: ۵۳

① الطلاق: ۲-۳



خودکشیاں ہو رہی ہیں کہیں مرد جان کی بازی ہار رہے ہیں تو کہیں خواتین زہر کے گھونٹ پی رہی ہیں زندگی میں کبھی خوشی اور کبھی غم قانون قدرت ہے اور اس سے انبیاء بھی مستثنیٰ نہیں موسم کبھی ایک جیسا نہیں رہتا کبھی گرمی ہے کبھی سردی، کبھی بہار ہے تو کبھی خزاں، کمزور درخت موسموں کے جھکڑ برداشت کر لیتے ہیں لو کے تھپیڑے سہہ لیتے ہیں انسان کا حوصلہ تو پہاڑوں سے بھی بلند تر ہے خوشی اور غمی کی کیفیات پرندوں اور چرندوں پر بھی آتی ہیں کبھی آج تک کسی جانور نے خودکشی نہیں کی موسم سازگار نہ رہے وہ نئے راستوں کی تلاش میں ہجرت کر جاتے ہیں اور یہی مقابلہ، زندگی ہے عزیزوں کی وفات بے روزگاریاں، گھریلو عدم سکون، بیماریوں کے حوصلہ شکن ایام اور کاروباری زندگی کے نقصانات یہ وہ چیزیں ہیں جو بندے کے حوصلہ کو آزماتی ہیں اور ان چیزوں سے پنچہ آزمائی کا نام زندگی ہے نہ کہ ان پر آنسو برسانا

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے

مجھے اپنی ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

نیولین بونا پارٹ نے کہا تھا ”جنگ ہاں سکتا ہوں حوصلہ نہیں“ جنگ میں زندگی ہے اور حوصلہ میں تو انائی اسلام نے حوصلہ کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے دنیا کے عظیم ترین انسان حضرت محمد ﷺ کی حیات پاک کا مطالعہ کیجیے قرآن حکیم نے آپ ﷺ کی زندگی کو ہمارے لئے نمونہ قرار دیا ہے آپ نے حوصلہ کو برقرار رکھنے کا درس دیا آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں تین سال اس کیفیت میں گزارنے پڑے کہ آپ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا تھا آپ بچوں کو بھوک سے بلکتا دیکھتے تھے لیکن خوراک کا ذرہ تک نہ تھا سو کھا چمڑا بھگو کے کھانا پڑا جب اس قید سے رہائی ملی تو آپ کے شفیق چچا ابوطالب فوت ہو گئے غمگسار بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی داغ مفارقت دے گئیں آپ تھے اور آپ کی ناتواں بچیاں اور مکہ میں جان لیوا دشمنی..... لیکن لمحہ سوچئے! کیا آپ ﷺ کے پایہ استقلال میں لغزش آئی؟ آپ نے کوئی مایوسانہ قدم اٹھایا یا حوصلہ چھوڑا؟ آپ ﷺ تو اس بات کی عملی تصویر



بنے رہے۔

نشیمن پہ نشیمن یوں تعمیر کرتا جا  
کہ بجلیاں گرتے گرتے خود ہی بینرار ہو جائیں

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ آپ ﷺ سے پوچھا: کیا اُحد سے بھی سخت دن آپ پر کبھی آیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَالِقِيْتُ وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعُقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي  
عَلَى ابْنِ يَالِيلِ ابْنِ عَبْدِ كَلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا رَدْتُ فَأَنْطَلَقْتُ وَأَنَا  
مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِهِ فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي  
فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظْلَتْنِي فَانظُرْتُ فَإِذَا فِيهَا جَبْرِيلُ فَنَادَانِي مَلِكُ  
الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ: ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ، إِنْ  
شِئْتَ أَنْ أُطَبِّقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبِينَ فَقَالَ ﷺ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ  
مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ، لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))<sup>①</sup>

”میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں ان میں سے سب  
زیادہ مصیبت عقبہ کے دن کی تھی۔ جبکہ میں نے خود کو ابن عبد یالیل بن عبد  
کلال کے سامنے پیش کیا اور اس نے میرا کہنا نہ مانا میں رنجیدہ منہ چلتا ہوا  
وہاں سے لوٹا (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں) میں قرن ثعالب پہنچا تو  
ذرا ہوش آیا، میں نے اوپر سر اٹھایا تو دیکھا ایک بادل کے ٹکڑے نے مجھ پر  
سایہ کر دیا ہے پھر میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام موجود ہیں،  
انہوں نے مجھے آواز دی کہ اللہ نے وہ جواب سن لیا ہے جو تمہاری قوم نے  
تمہیں دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔  
آپ اسے کافروں کی بابت جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے

① صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة صلوات الله عليهم، رقم: ۳۲۳۱



نے آواز دی اور سلام کیا پھر کہا اے محمد ﷺ! تم چاہو تو مکہ کے دونوں جانب جو پہاڑ ہیں ان پر رکھ دوں، میں نے کہا نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔“

یہ امید کی انتہا ہے کہ ایک ایسا انسان جس کی پیش کردہ دعوت کو نہ صرف ٹھکرا دیا گیا بلکہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک بھی کیا گیا اس پر پتھر برسائے گئے کہ اسے اپنی جان بچا کے غم و الم سے نڈھال واپس پلٹنا پڑا لیکن حوصلہ کی داد دیجیے کہ ناامیدی کا دور دور تک نشاں نہیں آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی میں ان سے ناامید نہیں ہوا کہ انہیں دو پہاڑوں کے درمیان پسوا دوں ہمارے سامنے ایسے عظیم انسان کی زندگی بطور نمونہ کے موجود ہے اس کے باوجود ہم گھریلو حالات اور معمولی پریشانیوں سے ناامید ہو جاتے ہیں کسی کے چند حوصلہ شکنی والے کلمات سن کے حوصلہ ہار دیتے ہیں۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب  
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾<sup>①</sup>

”بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے،“

یہاں رب تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بَعْدَ الْعُسْرِ يُسْرًا تنگی کے بعد آسانی ہے بلکہ فرمایا مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا تنگی کے ساتھ آسانی ہے یعنی تنگی کا زمانہ صبر سے برداشت کرنے اور اس مشکل سے نکلنے کیلئے جدوجہد کرنے والا ہو تو ابھی تنگی کا زمانہ ختم نہیں ہوا ہو گا کہ آسانی شروع ہو جائے گی بشرطیکہ پھولوں پہ چلنے والے کانٹوں پر چلنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہوں ایک

① الم نشرح: ۵-۶



مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾<sup>①</sup>

”یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔“

یعنی ہمارا قانون ہے کہ دن ایک جیسے نہیں رہتا، گے سدا دھوپ نہیں رہے گی اور سدا چھاؤں بھی نہ رہے گی زخم لگے گا تو وقت گزرنے پر بھر بھی جائے گا تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا ایسا نہ ہو کہ زخم لگے تو تم بھرنے کا وقت ہی نہ دو، دھوپ میں چلنا پڑے تو تم چھاؤں تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کرو، اس سے پہلے تم زندگی سے فرار کا سوچنے لگو یہ فطرت سے بغاوت ہوگی اور فطرت سے بغاوت کرنے والا کبھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا گیا۔

مصائب میں دیندار اور دنیا دار کا کردار

عہد رسالت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو چند ایک خودکشیاں ہوئیں ان کا بنظر عمیق جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ خودکشی کرنے والے حضرات دین سے مضبوط رشتہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس رشتہ میں دراڑیں موجود تھیں ان لوگوں میں سے ایک کا قصہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا، فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا يَدْعُ لَهُمْ شَاذَةً وَلَا فَاذَةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ، فَقِيلَ: مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا صَاحِبُهُ، قَالَ: فَخَرَجَ مَعَهُ كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ، قَالَ: فَجَرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ سَيْفَهُ

① آل عمران: ۱۴۰



بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ تَدْيِيهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: (وَمَا ذَاكَ؟) قَالَ: الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ إِنْفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذَلِكَ، فَقُلْتُ: أَنَا لَكُمْ بِهِ، فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ، ثُمَّ جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ تَدْيِيهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ: (إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ))<sup>①</sup>

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کا مقابلہ ہوا دونوں طرف سے لوگ خوب لڑے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کی طرف لوٹے اور دوسرے اپنے لشکر کی طرف لوٹے تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک ایسا آدمی دکھائی دیا جو کسی اکے دے آدمی کو نہ چھوڑتا، اس کے پیچھے جا کر اپنی تلوار سے اسے مار دیتا تھا۔ کہا گیا اس نے تو آج وہ کام کر دکھایا ہے جو ہم میں سے کوئی نہ کر سکا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ تو جہنمی ہے۔“ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ راوی کا بیان ہے چنانچہ وہ شخص اس کے ساتھ چلا جب وہ ٹھہرتا تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب چلنے لگتا تو یہ بھی چلنے لگتا راوی کہتا ہے کہ وہ شخص سخت زخمی ہو گیا تو جلد مرنے کے لئے اس نے یوں کیا کہ اپنی تلوار کا دستہ زمین پر رکھا اور اس کی نوک اپنی چھاتی سے لگائی اور اس پر جھول کر خود کو ہلاک کر ڈالا۔ پھر وہ دوسرا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، رقم: ۴۲۰۲



اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا بات ہے؟“ اس شخص نے کہا: وہ شخص جس کا آپ نے ابھی ابھی ذکر کیا تھا کہ وہ جہنمیوں سے ہے اور لوگوں پر آپ کا یہ کہنا شاق گزرا تھا۔ پھر میں نے ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے اس کی خبر گیری کرتا ہوں، چنانچہ میں اس کے پیچھے نکلا تو دیکھا کہ وہ شخص لڑتے لڑتے سخت زخمی ہو گیا۔ پھر اس نے جلد مر جانے کے لئے یوں کیا کہ اس نے اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر لگایا اور اس کی نوک کو اپنے سینے کے درمیان رکھ کر اس پر جھول کر خود کو ہلاک کر ڈالا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص لوگوں کی نظر میں اہل جنت کے سے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے جبکہ ایک آدمی لوگوں کی نگاہ میں جہنمیوں جیسے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ اس آدمی کی وفات پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُمْ يَا فُلَانُ، فَأَذِّنْ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ))<sup>①</sup>

”اے فلاں! اٹھو اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں وہی جائے گا جو مومن ہوگا اور اللہ کی قدرت ہے کہ وہ کبھی فاجر آدمی سے بھی دین کی تائید کر دیتا ہے۔“

نبی ﷺ کے فرمان سے پتہ چلا کہ یہ آدمی فاجر تھا اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں بہادری کے جوہر دکھا رہا تھا لیکن اس کا دین سے رشتہ کمزور تھا اور وہ روحانی قوت جو دین کی وجہ سے رب تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے بندہ مصائب میں ثابت قدم رہتا ہے اس کے پاس نہ تھی اس لئے جب وہ زخمی ہوا تو درد کی شدت کو برداشت نہ کر سکا اگر وہ تھوڑا سا صبر کر لیتا تو شہادت جیسا عظیم اعزاز اسے سر بلند کر دیتا لیکن وہ صبر اس لئے نہیں کر سکا کہ دینی رشتہ کمزور تھا جس کی خبر نبی ﷺ نے پہلے دے دی تھی اور آپ ﷺ

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، رقم: ۴۲۰۳



کے پہلے بتا دینے میں ایک یہ راز بھی پنہاں تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اگر قلبی رشتہ رب تعالیٰ سے مضبوط نہ ہو تو مصائب میں صبر کی توفیق نہیں ملتی، خواہ آدمی نیک لوگوں میں یا نیکی والی جگہ پر ہی موجود کیوں نہ ہو، بندے میں تلملاہٹ اور غیر مستقل مزاجی در آتی ہے آپ ﷺ کا یہ خبر دینا یقیناً وحی الہی سے تھا اور رب تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے کا رشتہ اس کے ساتھ مضبوط ہو اور یہ مضبوطی اس وقت ہوتی ہے جب رب تعالیٰ کے گھر سے محبت ہو بندہ پانچ وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اپنے سر کو جھکا کے اس کی بندگی کا دم بھرتا رہے تنہائیوں میں اپنے گناہوں پر آنسو بہا کے اس سے معافی مانگتا رہے اور اس سے مدد و نصرت کا طلبگار رہے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ  
إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ فَكَانَ  
خَيْرًا لَهُ))<sup>①</sup>

”مومن کا بھی عجب حال ہے، اس کے ہر معاملے میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ بات سوائے مومن کے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر ادا کیا، تو اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اس کو نقصان پہنچا اور اس پر صبر کیا، تو اس میں بھی ثواب ہے۔“

جبکہ کافر اور فاسق کا معاملہ اس کے الٹ ہے اسے جب فراخی ملتی ہے تو طاقت کے نشہ میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور جب اس پر تنگی کا زمانہ آتا ہے وہ صبر کی بجائے رونا دھونا شروع کر دیتا ہے اور اللہ کا شکوہ کرتا ہے مومن آدمی تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں کامیاب ہے اور نافرمان و فاسق دونوں حالتوں میں ناکام ہے  
ظفر آدمی نہ اس کو جانے گا خواہ ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا  
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

① صحیح مسلم، کتاب الزہد و الرقائق، باب المومن امرہ کلہ خیر، رقم: ۲۹۹۹



عہد صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے بدنصیب ابولولو فیروز نے خودکشی کی تھی اس نے نماز کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اپنے دودھاری خنجر سے وار کیا اور انہیں شدید زخمی کرنے کے بعد بھاگا اور جب وہ پکڑا گیا تو اس نے دوران حراست اپنا گلا کاٹ لیا۔<sup>①</sup>

فیروز لولو بھی کافر تھا اب یہاں مسلمان اور فاسق و فاجر کا موازنہ کیجیے پہلا آدمی جس نے میدان جنگ میں زخموں کی شدت سے گھبرا کر خودکشی کی اور دوسرا یہ جس نے دوران حراست اپنی جان کا خاتمہ کر لیا ان دونوں پر ایک مشکل وقت آیا تھا جس میں انہوں نے خودکشی کے سوا اور کوئی راستہ نہ پایا سوچیے! کیا ایسا مشکل وقت صحابہ رضی اللہ عنہم پر کبھی نہیں آیا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کے ہاتھوں قید ہوئے تھے انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس کے باوجود انہوں نے دوران حراست نہ خود کو زخمی کیا اور نہ خودکشی کی کوشش کی بلکہ پھانسی کے روزانہ کی کیفیت یہ تھی کہ

تختہ دار پہ آئے تو اسے چوم لیا

ایسے بھی جی دار زمانے نے کم دیکھے ہیں

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو

جب پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا گیا تو انہوں نے موت سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کی

خواہش کا اظہار کیا اور پھر بہادری سے پھانسی کی طرف بڑھے اور یہ اشعار پڑھے۔

لَسْتُ أَبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلَى آيٍ شِقِيٍّ كَانَ لِلَّهِ مَصْرَعِي

وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَاءُ

يُبَارِكُ عَلَيَّ أَوْصَالٍ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

”اگر میں اسلام کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ میں

کس کروٹ پر گرتا ہوں اور یہ مرنا تو اس ذات کی خاطر ہے جو اگر چاہے تو

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان رضي الله عنه، رقم: ۳۷۰۰



میرے کٹ کے گرنے والے جوڑوں میں برکت ڈال دے۔“  
 یہ اسلام کے ساتھ ان کا مضبوط رشتہ تھا جس نے انہیں قید خانہ میں بھی ثابت قدم رکھا اور گزشتہ مثال میں دیکھئے! فاسق و فاجر آدمی کی کیفیت یہ ہے کہ میدان جہاد میں جب اسے زخم لگتے ہیں تو اپنی ہی تلوار سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتا ہے اور ادھر ایسی ہی صورتحال کا سامنا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی کرنا پڑا بلکہ ان کے زخم کی شدت درد اس فاسق کے زخموں سے کہیں زیادہ تھی مگر انہوں نے نہ بے صبری کا مظاہرہ کیا نہ خودکشی کی طرف بڑھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

أَصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ، لِيَعُوذَهُ مِنْ قَرِيبٍ، فَلَمْ يَرُعُهُمْ، وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ، إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا: يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ، مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ؟ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْدُو جُرْحُهُ دَمًا، فَمَاتَ فِيهَا. ①

جنگ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ہفت اندام کی رگ میں (تیرکا) زخم لگا تو نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تاکہ نزدیک سے ان کی عیادت کر لیا کریں اور مسجد میں بنو غفار کا خیمہ بھی تھا۔ اچانک ان کی طرف سے خون بہہ کر آنے لگا تو لوگ اس سے خوفزدہ ہوئے، کہنے لگے۔ اے خیمہ والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہمارے پاس آ رہا ہے۔ دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا آخر وہ اسی زخم سے فوت ہو گئے۔

یہاں ایمانی رشتے کے کمزور اور مضبوط ہونے کے فرق کو سمجھ لیجئے: فاسق آدمی زخم کی شدت کو چند لمحات بھی برداشت نہ کر سکا جبکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جن کا ایمان سے رشتہ مضبوط تھا انہوں نے زخم کے درد و الم کو کئی دنوں تک برداشت کیا لیکن صبر کا دامن ہاتھ

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الخيمة في المسجد للمرضى وغيرهم، رقم: ٤٦٣



سے نہیں چھوڑا مومن آدمی کی کیفیت یہ ہے کہ حالات کیسے بھی ہوں ان کا مقابلہ کرتا ہے اور فاسق حالات سے فرار کا راستہ ڈھونڈتا ہے مومن آزمائشوں سے لڑتا ہے اور فاسق آزمائشوں سے بھاگتا ہے اور رنج کی تو کیفیت ہی یہ ہے کہ جب بندہ ان چیزوں کا عادی ہو جائے تو یہ معمول کی چیزیں بن جاتی ہیں اور شدتِ غم اپنا اثر کھودیتی ہے بقول غالب۔

رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تکالیف کے کون سے پہاڑ نہیں توڑے گئے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی مالکہ ام انمار بھٹی سے دکھتی ہوئی لوہے کی سلاح نکال کے ان کے سر کو داغا کرتی تھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی سنگلاخ چٹانوں پر لٹا کے ان کے سینہ پر دھوپ سے تپتا ہوا زنی پتھر رکھ دیا جاتا پاؤں میں کانٹے دار شاخوں سے زخم لگائے جاتے کبھی گلے میں رسی ڈال کے بازاروں میں گھیٹا جاتا کیا یہ تو ہیں آمیز سلوک نہیں ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا:

أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلَا تَدْعُوا اللَّهَ لَنَا؟ قَالَ: ((كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيَجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِإِثْنَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمَشِّطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ، حَتَّى يَسِيرَ الرَّكِيبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتِ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ، أَوِ الذُّبَّ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ))<sup>①</sup>

آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں مانگتے اور اللہ سے ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: ”تم لوگوں سے قبل کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ ان کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا۔ پھر اس میں انہیں کھڑا کر دیا

① صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، رقم: ۳۶۱۲



جاتا۔ آرا لایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے لیکن اس قدر سختی ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہ کرتی تھی۔ پھر ان کے گوشت کے نیچے ہڈی اور پٹھوں پر لوہے کی کنگھیاں کھینچ دی جاتی تھیں لیکن یہ اذیت بھی انہیں ان کے دین سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ اللہ کی قسم! یہ دین ضرور کامل ہوگا۔ اس حد تک کہ اگر کوئی مسافر صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا تو اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا اور نہ کوئی اپنی بکریوں کیلئے بھیڑیے کا خوف کھائے گا مگر تم جلدی کرتے ہو۔“

نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں دو اعتبار سے حوصلہ دیا ایک تو یہ کہ تم کوئی پہلے لوگ نہیں ہو جن پر ظلم کیا جا رہا ہے جنہیں مصائب اور حقارت آمیز سلوک کا سامنا ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ اس سے بھی زیادہ مشکلات کا شکار رہے ان لوگوں کی مثال سامنے رکھو اور بہادروں کی طرح ان نامساعد حالات سے بچہ آزمائی کرتے رہو۔ اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے آنے والے اچھے وقت کی امید دلائی کہ اچھے دنوں کی امید رکھو یہ وقت گزر ہی جائے گا۔

آج ہمارے لئے ان دو باتوں میں بڑا سبق ہے کہ خودکشی کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے سابقہ جی دار لوگوں کی مثال کو سامنے رکھیں اور اچھے دنوں کی امید رکھیں انشاء اللہ کڑا وقت گزر ہی جائے گا بس ہم نے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا ہے حالات سے بھاگنا نہیں حرکت میں ہی زندگی ہے لوگوں کے سامنے شکوہ کرنے اور رونے میں وقت کی بربادی ہے نبی ﷺ کی زندگی مشقتیں جھیلنے گزر گئی انہوں نے کبھی شکوہ نہیں کیا بلکہ عمل کو جاری رکھا اور کامیابی تک پہنچے، دنیا میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے میں یہی دو اصول کامیابی کی ضمانت ہیں، یعنی ”حالات کا بہادری سے مقابلہ اور اچھے وقت کی امید۔“



## کیا غربت کا علاج خودکشی ہے؟

کسی بھی عقلمند آدمی سے پوچھ لیں وہ یہی بتائے گا خودکشی مسائل کا حل نہیں بلکہ مزید مسائل کو جنم دینے کا نام ہے خودکشی سے غربت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے بچے یتیم ہو جاتے ہیں دلہنوں کا سہاگ لٹ جاتا ہے بوڑھی ماں کا سہارا چھن جاتا ہے اور خاندان بھر کیلئے یہ عمل مستقل داغ رسوائی بن جاتا ہے غربت مقابلہ کرنے سے ختم ہوتی ہے غربت میں جینے کا سلیقہ کیا ہے اس ضمن میں صحیح بخاری کی ان دو روایات کا مطالعہ کیجئے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ  
 آخَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ  
 الرَّبِيعِ: إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا فَأَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي، وَانظُرْ أَيَّ  
 زَوْجَتِي هَوَيْتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا، فَإِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا، (قَالَ:) فَقَالَ  
 لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: لَا حَاجَةَ لِي فِي ذَلِكَ هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ:  
 سُوقٌ قَيْنِقَاعَ، (قَالَ:) فَغَدَا إِلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، فَأَتَى بِأَقِطٍ وَسَمْنٍ، ثُمَّ  
 تَابَعَ الْغُدُوَّ، فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَلَيْهِ أَثَرُ الصُّفْرَةِ، فَقَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((تَزَوَّجْتَ؟)) قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ((وَمَنْ؟)) قَالَ: إِمْرَأَةٌ  
 مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: ((كَمْ سَقَّتَ إِلَيْهَا؟)) قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ  
 نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَوْلِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ))<sup>①</sup>

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب ہم  
 مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان  
 بھائی چارہ قائم کروادیا۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: میں تمام

① صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی



انصار سے زیادہ مال دار ہوں، تمہیں اپنا نصف مال دیتا ہوں اور میری دونوں بیویوں کو دیکھ لو جس کو تم پسند کرو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں، یہاں کوئی بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، قیقاع ایک بازار ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ صبح کو روزانہ بغرض تجارت بازار جانے لگے، کچھ دن بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو ان کے لباس پر زرد خوشبو کا رنگ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”کیا تم نے نکاح کیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ”کس سے؟“ انہوں نے عرض کیا: ایک انصاری خاتون سے، آپ نے فرمایا: ”تم نے اسے کتنا مہر دیا۔“ انہوں نے عرض کیا: ایک گٹھلی برابر سونا دیا ہے یا یہ کہا کہ ایک سونے کی گٹھلی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ”ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سے ہو۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ بالکل بے سروسامانی کا عالم تھا یہاں تک کہ بعض کے جسم سے کپڑے بھی اتر والیے گئے تھے ان کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا کہ کاروبار شروع کر سکیں لیکن وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمانے کیلئے دو ہاتھ اور سوچنے کیلئے دماغ دیا ہے انہوں نے بغیر بیلنس کے زیرو پوائنٹ سے کام شروع کیا اور اپنی غربت کو دور کر لیا زندہ مثال مذکورہ روایت میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہے جب مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جب فوت ہوئے تو دولت مند صحابہ میں شمار تھا انہوں نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور ایاہج بن کے دوسرے کی دولت پر قبضہ کرنے کی سوچ کی حوصلہ شکنی کی پھر چپ ہو کے نہیں بیٹھ رہے بازار کا راستہ پوچھا اور عمل کا آغاز کر دیا وہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دولت پر قبضہ بھی جما سکتے تھے لیکن یہ بات خودداری کے خلاف ہوتی انہوں نے بازار کا راستہ پوچھا کہ جہاں سے تم



کما کے لاتے ہو میں بھی وہاں جاؤں گا میں خود ہاتھوں سے رزق کے دروازوں پر دستک دوں گا جب میری محنت ہوگی تو رب تعالیٰ کی رحمت بھی ہوگی، اگر مکہ میں سب مال و اسباب کھو گیا ہے تو کیا ہوا میری ہمتیں تو نہیں کھو گئیں۔

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم

مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا

کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کی طرف دیکھتے ہیں تو عمل کی طرف نہیں بڑھتے بلکہ

حسد کی طرف بڑھتے ہیں مایوسی اور شکوہ و شکایت کی طرف بڑھتے ہیں اور یہ چیزیں کبھی

حالات کو نہیں بدلتیں بلکہ مزید مسائل کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں چھوڑ دیجیے حسد جیسی گندی

بیماری کو، شکوہ و شکایت میں وقت کی بربادی کو، عمل کو طرف بڑھیے کیا ہمارے ارد گرد یہ مثالیں

موجود نہیں کہ کتنے غریب لوگ تھے جو دولت مند بن گئے محنت مزدوری سے پیٹ پالنے

والوں کے بچے ڈاکٹر اور انجینئر بنے یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف حالات کا مقابلہ کیا

بلکہ حالات کو بھی بدلا، آپ سوچ رہے ہوں گے غربت میں بندہ کس طرف نکلے اس کے تو

گھر کا جھگڑا ختم نہیں ہوتا وہ بچوں کو بھوک سے بلکتا دیکھتا ہے تو اس کا حوصلہ جواب دے جاتا

ہے ہمتیں دم توڑ دیتی ہیں اس کے جواب میں صحیح بخاری کی اس روایت کو ملاحظہ کیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ إِلَيْهِ

نِسَائِهِ، فَقُلْنَ: مَا مَعَنَا إِلَّا الْمَاءُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ يَضُمُّ أَوْ

يُضِيفُ هَذَا)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَا، فَاَنْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ،

فَقَالَ: أَكْرَمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ: مَا عِنْدَنَا إِلَّا قُوْتُ



صَبِيَانِي، فَقَالَ: هَيْبِي طَعَامِكَ، وَأَصْبِحِي سِرَاجَكَ، وَنَوِّمِي صَبِيَانِكَ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً، فَهَيَّاتُ طَعَامَهَا، وَأَصْبِحْتُ سِرَاجَهَا، وَنَوِّمْتُ صَبِيَانَهَا، ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ، فَجَعَلَ يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ، فَبَاتَا طَاوِئِينَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: ((ضَحِكَ اللَّهُ اللَّيْلَةَ، أَوْعَجِبَ، مِنْ فَعَالِكُمَا)) فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ، فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾<sup>①</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا آپ نے اپنی بیویوں کے پاس آدمی بھیجا (کہ کھانے کے لئے کچھ لائے) انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس تو پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کون ہے جو اس کو اپنے ساتھ لے جائے؟“ یا فرمایا کہ اس کی ضیافت کرے؟ ایک انصاری نے عرض کیا: میں اس کی مہمانی کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص اسے اپنے ساتھ لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خوب خاطر مدارت کرو۔ وہ کہنے لگی: ہمارے پاس تو اپنے بچوں کے کھانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انصاری نے کہا: تم کھانا تیار کر کے چراغ جلا دینا اور بچے جب کھانا مانگیں تو انہیں بہلا کر سلا دینا۔ چنانچہ اس نے کھانا تیار کر کے چراغ روشن کیا اور بچوں کو سلا دیا پھر اس طرح اٹھی جیسے چراغ درست کر رہی ہو لیکن اس کو گل کر دیا ان دونوں نے مہمان کو یہ باور کرایا جیسے میاں بیوی دونوں کھانا کھا رہے ہیں حالانکہ وہ بھوکے تھے۔ پھر جب صبح ہوئی وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا: ”آج

① صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول اللہ عزوجل ویؤترون علیٰ

انفسہم ولو کان بہم خصاصة، رقم: ۳۵۱۴



رات تم دونوں کے کام پر اللہ تعالیٰ ہنسا (یا فرمایا) تعجب کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں اور جنہیں نفس کے لالچ سے بچالیا گیا وہی کامیاب ہیں۔“

خودکشی کرنے والی ایسی عورتوں کے واقعات آئے دن اخبارات کی زینت بنے ہوتے ہیں، جو غربت سے تنگ آ کے زندگی سے پیچھا چھڑا لیتی ہیں اور مذکورہ حدیث کو دیکھنے: یہاں بھی تو ایک عورت ہے جو شوہر سے لڑنے کی بجائے بچوں کو جھوٹے دلا سے دے کر سلا رہی ہے اس کے جگر کے ٹکڑے بھوک سے تڑپ رہے ہیں اس کا اپنا جسم خوراک مانگتا ہے مگر جھگڑا نہیں کیا اس لئے کہ شوہر نے بیوی کے اندر قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا اگر تحمل، برداشت اور بہتر پالیسی کو اختیار کیا جائے تو غربت میں بھی محبتوں کے چراغ جلتے رہتے ہیں جن کی لو میں خوشیوں کا سفر جاری رہتا ہے ہمتیں اس وقت جواب دیتی ہیں جب مرد یا عورت اپنے گھر کے حالات سے مایوس ہو جائے ناامیدی میں محبتوں کے چراغ بجھ جایا کرتے ہیں پھر اندھیرے میں بندہ ٹھوکرے تو کھاتا ہے لیکن اسے زینہ نظر نہیں آتا مایوسی ایک ایسا جھگڑ ہے کہ جس کے چلنے سے گھر کا چمن خس و خاشاک میں بدل جاتا ہے اگر آپ حوصلوں میں تو انا کی چاہتے ہیں تو کبھی ناامید نہ ہوں۔

نہیں ہے اقبال ناامید اپنی کشت ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

یہ نرم طبیعت میں ہونا چاہیے یا یہ نم اپنے گھر کے گلشن میں پیدا کرنا چاہیے سوچنا چاہیے کہ وہی بیوی جسے میں بیاہ کے لایا ہوں کیا میں اپنی بہتر پالیسیوں سے اس میں قربانی کا جذبہ پیدا نہیں کر سکتا یا درکھیے! زنجیر کی مضبوطی کا اندازہ اس کی کمزور ترین کڑی سے ہوتا ہے اور آدمی کے کردار کی مضبوطی کا اندازہ اس کے کمزور ترین لمحات سے ہوتا ہے غربت میں کردار کو مضبوط رکھنا ہی اس کے بہادر ہونے کی دلیل ہے وہ محنت کو جاری رکھے اور خودکشی کی طرف دوڑنے کی بجائے رب تعالیٰ کی طرف دوڑے اس کے سامنے اپنے دامن کو



پھیلا کے آہ وزاری کرے سب بند راستوں کو کھولنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جب بندے کا رشتہ ایک طرف مسجد اور دوسری طرف محنت و کوشش سے جڑا ہو تو حوصلے پست نہیں ہوتے اور کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

### صبر و شکر پیدا کرنے والا نسخہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((انظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ

أَجْدَرُ أَنْ لَا تَذَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ))<sup>①</sup>

”اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم

سے اوپر ہے یہ زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی اس نعمت کو حقیر نہ جاننے لگ جاؤ جو تم

پر ہے۔“

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و شکر پیدا کرنے والا بڑا پیارا نسخہ بیان فرما دیا ہے کہ بندہ اپنی تنگدستی کو دیکھ کر خودکشی نہ کرے بلکہ اپنے سے کم تر کو دیکھے اور سوچے کہ مجھے تو صرف غربت لاحق ہے بعض کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں ہی نہیں دیں کتنے معذور پیدا کئے ہیں ان کی سرٹکوں پر مانگتے اور فٹ پاتھوں پہ سوتے زندگی گزر جاتی ہے وہ خودکشی نہیں کرتے جبکہ میں بیوی بچوں والا ہوں میرے اعضاء سلامت ہیں میں اندھا ہوں نہ بہرا، لنگڑا ہوں نہ کوڑھی اگر تنگدست ہے تو اپنے سے بڑھ کے تنگدست کو دیکھے جو قرض کے خوفناک بوجھ تلے دبا ہوا ہے ان لوگوں کے حال پر غور کرے گا تو اسے شکر و قناعت کی نعمت حاصل ہوگی اور اگر ان لوگوں کی طرف دیکھے گا جنہیں دنیا کی نعمتیں اس سے زیادہ دی گئیں ہیں تو ناشکری کے ساتھ ساتھ رنج و الم بھی بڑھے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کا شانہء نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے سرومانی اور روم و ایران کے بادشاہوں کی خوشحالی کو دیکھ کر رو پڑے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

① صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، رقم: ۲۹۶۳



فَرَفَعْتُ بَصْرِي فِي بَيْتِهِ فَوَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ  
 أَهْبَةِ ثَلَاثَةٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ فَلْيُوسِّعْ عَلَيَّ أُمَّتِكَ فَإِنَّ  
 فَارِسًا وَالرُّومَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَأَعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ،  
 فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ مُتَكِنًا فَقَالَ ((أَوْفِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ  
 إِنَّ أَوْلِيكَ قَوْمٌ عَجَلُوا طَيِّبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا)) فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 اسْتَغْفِرْ لِي. ①

میں نے آنکھ اٹھا کر آپ کے گھر کا سامان دیکھا تو اللہ کی قسم آپ کے گھر میں  
 کچھ سامان دکھائی ہی نہیں دیا جس پر نظر پڑھے تین کچی کھالیں تو البتہ پڑی  
 تھیں اس وقت میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا  
 فرمائیے وہ آپ کی امت کو فراغت دے دولت عطا فرمائے، دیکھیں ایران  
 اور روم کے کافر کیسے مالدار ہیں ان کو دنیا خوب ملی ہے حالانکہ وہ خالص اللہ  
 کی عبادت نہیں کرتے یہ سنتے ہی آپ تکیہ چھوڑ کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا:  
 ”خطاب کے بیٹے! ابھی تک تو اسی خیال میں گرفتار ہے کہ دنیا کی دولت اور  
 فراغت بہت عمدہ چیز ہے ایران اور روم کے کافروں کو تو اللہ نے جلدی سے  
 دنیا ہی کے مزے دے دیے ہیں۔“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے  
 لیے مغفرت دعا فرمائیے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے گھر میں پڑے سامان کا موازنہ روم و ایران کے  
 بادشاہوں سے کیا اس سے دو کیفیتیں پیدا ہوئیں ایک تو دل میں غم کی کیفیت اس لئے  
 آنکھوں میں آنسو آگئے اور دوسرا شکوہ کہ روم و ایران کے کافر خوشحال ہیں۔ نبی ﷺ نے  
 ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فوری اصلاح فرمائی کہ تم ان کا خیال چھوڑو اور یہ دیکھو کہ تم پر  
 اللہ تعالیٰ کے کتنے انعامات ہیں ان کیلئے عارضی فوائد ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے دولت  
 اسلام سے مالا مال کیا ہے، آخرت کی دائمی زندگی تمہارے لئے ہے۔

① صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها، رقم: ۵۱۹۱



## کیا بیماریوں کا علاج خودکشی ہے؟

آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ بیماری سے اکتا کر فلاں آدمی ٹرین کے آگے کود گیا فلاں نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی یقیناً بیماریاں بندے میں نفسیاتی تبدیلیاں بھی پیدا کرتی ہیں اس کے مزاج کو چڑچڑا بنا دیتی ہیں علالت کے طویل ایام سے وہ اکتا بھی جاتا ہے لیکن ان چیزوں کا علاج اپنی زندگی کا خاتمہ ہرگز نہیں ہے کوئی ڈاکٹر یا حکیم یہ نسخہ کبھی تجویز نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ اس کا علاج ہے ہی نہیں، ہمارے لئے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے ہر چیز کا علاج اسلام کے تناظر میں ہی دیکھنا ہے بعض حضرات بیماری کی کیفیت میں بھی گناہ ترک نہیں کرتے جیسے ہی انہیں ذرا توانائی ملتی ہے وہ گناہ کی طرف ضرور ہاتھ بڑھاتے ہیں ان کا یہی عمل ان کے ایمانی رشتہ کو کمزور کر دیتا ہے پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ روحانی حوصلہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے بندہ بیماری میں ثابت قدم رہتا ہے ایمان نور ہے اور ایمان سے بندہ جتنا دور ہوتا جائے اتنا ہی اندھیرا اور مایوسی بڑھتی جاتی ہے ایمان کا قرب ہو تو حوصلہ اور ہوش مندی برقرار رہتی ہے غور فرمائیے! نماز نہ سفر میں معاف ہے نہ جنگ میں اور نہ بیماری میں، اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ نازک ترین حالات میں بھی بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے قائم رہے یہی رشتہ اسے پھسلنے نہیں دے گا بیماری کے آخری دن اور آخری لمحے تک نماز معاف نہیں ہے اور جب وہ نماز چھوڑ دے گا شیطان دل میں وسوسہ اندازی شروع کر دے گا شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے اس کا یہ مقصد ہے کہ کوئی بندہ دنیا سے ایمان سلامت لے کر نہ جائے اور بیمار آدمی گویا اس کے نرغہ میں ہوتا ہے اسے وہ بیزاری، تلملاہٹ اور بے صبرے پن میں مبتلا کر کے کسی وقت بھی ڈگمگا سکتا ہے اور اگر ایمانی رشتہ مضبوط ہو تو شیطان کامیاب نہیں ہو پائے گا پھر اسلام نے تو پریشانیوں اور بیماریوں میں حوصلہ مند رہنے پر انعامات کا بھی اعلان کیا ہے۔



وہ اگر تکلیف پر صبر کرے جزع فزع نہ کرے اور نہ ہی شریعت کا دامن چھوڑے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے عوض اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بخار بھی گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صحیح بخاری کی چند روایات پیش کر رہے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يُوعَكُ فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعُكًا شَدِيدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَجَلُ إِنِّي أُوْعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ)) قَالَ: فَقُلْتُ: ذَلِكَ أَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((أَجَلُ)) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَامِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ آذَى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللَّهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا))<sup>①</sup>

”سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا آپ بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کو چھوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو شدید بخار میں مبتلا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے اس قدر بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے کہا پھر آپ کیلئے دوا جبر ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو تکلیف پہنچی (بیماری یا کوئی اور تکلیف) مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے گناہ گرا دیتا ہے۔ جیسے درخت اپنے سوکھے پتے گرا دیتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ بخار بندے کے گناہوں کو اس طرح سے جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ آدمی جزع فزع نہ کرے۔ اللہ کا شکوہ نہ کرے اور نہ ہی شدت مرض کی وجہ سے شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوڑے۔ مثلاً بخار میں بھی نمازوں کا پابند رہے خواہ لیٹ کے یا اشاروں سے ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ بخار کی وجہ سے اسے گناہوں سے پاک کر دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے گناہوں کو یوں دھو دیا جاتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دھو دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

① صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب ثواب المومنین فیما یصیبہ، رقم: ۲۵۷۱



حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمِّ الْمُسَيْبِ فَقَالَ: ((مَالِكِ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيْبِ تَزْفِرِينَ))  
قَالَتْ: الْحُمَّى لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيهَا، فَقَالَ: ((لَا تَسْبِي الْحُمَّى فَإِنَّهَا تَذْهَبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يَذْهَبُ الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ))<sup>①</sup>

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ ام السائب یا ام المسیب کے ہاں آئے۔ آپ نے پوچھا: اے ام السائب یا ام المسیب تجھے کیا ہوا تو لرز رہی ہے۔ وہ بولی بخار ہے اللہ اس کو برکت نہ دے۔ آپ نے فرمایا بخار کو مت برا کہہ، اس لئے کہ وہ آدم کے بیٹے کی خطاؤں کو یوں دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔“

صرف بخار ہی نہیں کوئی بھی تکلیف پہنچے اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں خواہ اسے کاٹا ہی چھ جائے اس کے عوض بھی گناہوں کی ایک مقدار ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما دونوں صحابی اس بارے میں نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ: ((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أذى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشُّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ))<sup>②</sup>

”نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کو کوئی دکھ پہنچے یا تکلیف آئے، رنج آئے، غم آئے یا کوئی صدمہ اور ایذا پہنچے یہاں تک کہ ایک کاٹا بھی چھ جائے تو ہر چیز کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کرتے جاتے ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ کاٹا چھنے پر اللہ تعالیٰ گناہ بھی دور کرتے ہیں اور درجات بھی

بڑھادیتے ہیں:

① صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب ثواب المومنین یصیب، رقم: ۲۵۷۵

② صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارة المرض، رقم: ۵۶۴۱



عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ شَوْكَةٍ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً أَوْ حُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ))<sup>①</sup>

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کو کانٹا لگے یا اس سے زیادہ کوئی دکھ پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور اس سے ایک گناہ بھی مٹا دیتے ہیں۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ بندے کا فعل نہیں، یہ دراصل بندے کو اللہ کی جانب سے گناہ پر بدلہ ملتا ہے اس سے گناہ دور ہو جاتے ہیں، ہاں اگر مصیبت اسکے گناہ سے بڑھ کے ہو تو گناہ تو خشک پتوں کی طرح جھڑتے ہی ہیں اس کے درجات بھی بہت بلند ہو جاتے ہیں اور یہ فضیلت و ثواب اس لئے بھی ہے کہ مصیبت ایک طرح سے بندے کا امتحان ہے اور امتحان میں کامیابی پر انعام ہوتا ہے اور ناکامی پر سزا بھی اور رسوائی بھی۔ جیسے امتحان میں کامیابی یہ ہے کہ بندہ صبر و ثبات کے ساتھ مصیبت کو جھیل لے نہ اللہ کا شکوہ کرے اور نہ مصیبت پر بے صبری سے واویلا کرے۔ اگر اس نے بہادریوں کی طرح خاموشی اور صبر سے یہ دن کاٹ لئے تو مصیبت تو ختم ہونے کیلئے ہی ہوتی ہے۔ جیسے ہی امتحان ختم ہوا اسے کامیابی پر انعام یہ ملے گا کہ گناہ دھل جائیں گے اور درجات بھی بلند ہوں گے لیکن اگر وہ ان حالات میں صابر و شاکر نہ رہا تو رونے دھونے سے مصیبت تو کبھی ختم نہیں ہوئی اسے مصیبت بھی جھیلنا پڑے گی اور گناہ کیا دھلنے ہیں گناہوں کا بوجھ مزید بڑھ جائے گا۔ رب کے ہاں بے صبر اور ناشکر الکھا جائے گا، انعام سزا میں بدل جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے محبوب حقیقی کی جانب سے پہنچے والی مصیبت پر محبوب کے اصول و قواعد یعنی شریعت کو بھلا دیا جبکہ محبت تو محبوب کی طرف سے پہنچنے والے زخموں میں بھی لذت محسوس کرتا ہے شکوہ و شکایت نہیں کرتا۔

① صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ، رقم: ۲۵۷۲



کچھ بیماریوں پر انعامات پیغمبر رحمت ﷺ کی زبان سے

بینائی جاتی رہے تو

جس آدمی کی بینائی جاتی رہے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عظیم اجر سے

نوازتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي

بِحَبِيبَتِيهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيدُ عَيْنِيهِ))<sup>①</sup>

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب

میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں کے ذریعے (یعنی آنکھوں سے

محروم کر کے) آزماؤں پس وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے بدلے اسے

جنت دوں گا۔“

آنکھوں کا نہ ہونا، دنیا میں بہت بڑی محرومی ہے۔ اس کیلئے دنیا اندھیر ہے وہ

پہاڑوں سمندروں، دریاؤں، جھیلوں آبشاروں اور قدرتی مناظر کو دیکھنے سے محروم رہتا ہے

حتیٰ کہ موسموں کی آمد پر چھانے والی رونقوں اور بیوی بچوں کے چہروں کو بھی نہیں دیکھ پاتا

اور اللہ تعالیٰ جزاء بھی بقدر مشقت عطا فرماتے ہیں۔ بینائی سے محرومی پر صبر بہت بڑا عمل

ہے جس کی جزاء جنت ہے۔ بشرطیکہ نابینا ایمان کی دولت سے مالا مال ہو۔

مرگی پر صبر کی جزاء

اس بارے میں بھی نبی ﷺ کی پیاری زبان سے مشک بھرا فرمان پڑھ لیں:

عَنْ عَطَاءِ ابْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَلَا أُرِيكَ إِمْرَأَةً

مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلَى قَالَ هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ آتَتْ النَّبِيَّ ﷺ

فَقَالَتْ إِنِّي أُصْرَعُ وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي قَالَ ”إِنْ شِئْتَ

① صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب فضل من ذهب بصره، رقم: ۵۶۵۳



صَبْرَتْ وَلَكَ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكَ)) فَقَالَتْ:  
أَصْبِرْ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ، فَدَعَاَهَا. ①

عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تجھے جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا، کیوں نہیں (ضرور دکھلائیے) انہوں نے فرمایا: کہ یہ کالی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس سے میں ننگی ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں (کہ اس بیماری سے نجات مل جائے) آپ نے فرمایا: ”اگر تو چاہے تو اس بیماری پر صبر کر اس کے بدلے تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تجھے اس بیماری سے عافیت دے۔“ اس نے کہا: میں صبر ہی اختیار کرتی ہوں۔ تاہم (دورے کے وقت) میرا پردہ نہیں رہتا۔ آپ اللہ سے یہ دعا فرمادیں کہ میں برہنہ نہ ہوا کروں۔ چنانچہ آپ نے اس کیلئے دعا فرمادی۔“

### جو طاعون کی بیماری سے فوت ہو جائے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَهَا ((أَنَّهُ كَانَ يَبْعَثُهُ تَعَالَى عَلَى مَنْ يَشَاءُ فَجَعَلَهُ اللَّهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمُوتُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَنْ يُصِيبَهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيدِ)) ②

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں بتایا: ”یہ عذاب تھا جس پر اللہ چاہتا ہے اسے نازل فرماتا ہے لیکن مومنوں کے لیے اللہ نے اسے رحمت بنا دیا ہے

① صحیح البخاری، کتاب المرضی باب فضل من یصرع من الريح، رقم: ۵۶۵۲

② صحیح البخاری، کتاب الطب، باب اجر الصابر فی الطاعون، رقم: ۵۷۳۴



پس جو بندہ طاعون (کی بیماری) میں مبتلا ہو جائے وہ اپنے (طاعون زدہ) شہر میں ہی صبر کرتا ہوا ٹھہرا رہے اسے یقین ہو کہ اسے وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے تو ایسے شخص کے لیے شہید کی مثل اجر ہے۔“

جس عورت کو بچوں کی وفات کے ساتھ آزما یا جائے

جس عورت کا بچہ فوت ہو جائے وہ اس کے لیے کمر توڑ دینے والا غم ہوتا ہے۔ اگر وہ دل کا ٹکڑا چھین جانے پر اللہ کا شکوہ کرنے کی بجائے صبر کرے تو اللہ فوت ہونے والے بچے کو اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنا دیں گے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النِّسَاءَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْ لَنَا يَوْمًا فَوَعَّظَهُنَّ فَقَالَ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَ لَهَا ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ كُنَّ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ)) فَقَالَتْ: امْرَأَةٌ وَائْتَانِ، قَالَ: ((وَائْتَانِ))<sup>①</sup>

عورتوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ایک دن ہمیں وعظ سنانے کا مقرر فرما دیجئے۔ (آپ نے مقرر فرما دیا) پس آپ ﷺ نے انہیں وعظ کیا تو فرمایا: ”جس عورت کے تین بچے مرجائیں وہ (قیامت کے دن) جہنم سے اس کے لیے آڑ بن جائیں گے۔“ ایک عورت نے عرض کیا اگر دو مرجائیں تو آپ نے فرمایا: ”دو کے لیے بھی (یہی اجر ہے۔)“

یہ چند بیماریاں تو نبی ﷺ نے بطور مثال کے ذکر کی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مومن آدمی کسی بھی بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے عوض اس کے گناہ معاف کرتے ہوئے اسے اجر و ثواب سے نوازتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ دعا ہے جو نبی ﷺ نے مریض کی عیادت کرنے والے کے لیے سکھائی جس میں تیمارداری کرنے والا رزقاً لوگنا ہوں کی معافی کا مشردہ سناتا ہے اور یہ دعا ہر بیمار کے لیے ہے خواہ بیماری کوئی سی

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد، رقم: ۱۲۴۹



بھی ہو، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُوذُهُ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ مَنْ يَعُوذُهُ  
قَالَ: ((لَا بَأْسَ طُهُورًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ))<sup>①</sup>

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ جس کی  
بھی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: لَا بَأْسَ طُهُورًا إِنْ شَاءَ  
اللَّهُ ”کوئی فکر نہیں اللہ نے چاہا تو یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔“

معلوم ہوا کہ ہر بیماری گناہوں کو دھونے والی ہے اس لیے بیماری میں رنجیدہ دل  
ہو کے رونے دھونے، نماز اور عبادت کو چھوڑنے کی بجائے صابر و شاکر بن کر خاموشی سے  
جرات مندوں کی طرح غم جھیل لینے میں کتنا ہی بڑا انعام پوشیدہ ہے کہ بیماری اسے گناہوں  
سے صاف کرتی ہوئی گزر جائیگی۔ دھوبی جب میلے کپڑے کو دھوتا ہے تو اسے گرم کھولتے  
ہوئے پانی میں ڈال کر شدت گرمی کی آنچ دیتا ہے۔ پھر دھوبی پٹرے سے اس کی دھنائی  
کرتا ہے، بار بار اسے پتھر پر پٹختا ہے تاکہ وہ میل کچیل سے صاف ہو جائے اور کپڑا ہے کہ  
خاموشی سے یہ چیزیں برداشت کر رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود سے داغ دھبوں اور میل کو اس  
امتحان کے بغیر صاف نہیں کر سکتا اور اگر وہ میل کچیل سے لتھڑا رہا تو کوئی اسے محبت سے  
زیب تن نہیں کرے گا اور محبوب کے بدن پہ وہ پوشاک بن کے سج نہیں سکے گا۔ غور کیجئے!  
اسی طرح گناہ بھی بندے کے جسم پر میل اور گندگی کے بدنامادھے ہیں ان کے ہوتے ہوئے  
کوئی اپنے محبوب رب کے ہاں تقرب کس طرح سے حاصل کر سکتا ہے.....؟ لیکن وہ رب  
بڑا رحیم و کریم ہے اور وہ اس بندے کو کپڑے کی طرح مصائب کی بھٹی میں ڈال کر گناہوں  
کے غبار سے دھو دیتا ہے تاکہ اسے آخرت کے غضبناک عذاب سے محفوظ رکھا جاسکے اور  
انعامات سے نوازا جاسکے۔ مگر جو بیماری میں پھسل گیا صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھا اس کی  
مثال اسی کپڑے جیسی ہے جسے جب پتھر پر پٹھا گیا تو وہ برداشت نہ کر سکا اور پھٹ گیا پھر وہ

① صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب عیادة الاعراب، رقم: ۵۶۵۶



پہلے سے بھی زیادہ عیب زدہ ہو کر نظروں سے گرا دیا گیا اور جس نے صبر کیا وہ ایوب علیہ السلام پر صبر کی وجہ سے انعامات کی بارش دیکھ لے۔

بیماری سے گھبرا کر خودکشی کر لینا بزدلی ہے اور مومن بزدل نہیں ہوتا، وہ پریشانیوں کے گرداب میں بھی اس بات کی تصویر ہوتا ہے کہ

لے چل آ منجھدار میں لے چل ساحل ساحل کیا چلنا

تو میری فکر ذرا نہ کر میں خوگر ہوں طوفانوں کا

کیا بیٹیوں کے مسائل خودکشی سے حل ہو سکتے ہیں؟

بیٹیوں کا زیادہ ہونا، انہیں مناسب رشتے نہ ملنا، ان کا اپنے گھر میں سکھیں نہ ہونا، انہیں طلاق ہو جانا یا ان کا بیوہ ہو جانا ایسے مسائل ہیں جو شروع سے چلے آ رہے ہیں، ان مسائل کا حل بھی خودکشی قطعاً نہیں ہے، اگر میں خودکشی کر لوں تو کیا میری بیٹی کے گھر میں خوشیوں کے پھول کھل اٹھیں گے یا یہ عمل میرے اور ان معصوم بیٹیوں کے دکھوں کا مداوا بن جائے گا یقیناً ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ بے سہارا ہو جائیں گی ان کی پریشانیوں اور دکھوں میں اضافہ ہوگا، عین ممکن ہے کہ میرا یہ عمل ان کے سکھ کو برباد کر دے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾<sup>①</sup>

”البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی حیات پاک) میں عمدہ نمونہ

ہے۔“

اگر ہم اپنی پریشانیوں میں نبی ﷺ کی سیرت کو دیکھیں کہ جب آپ پر کوئی ایسا موقع آیا تھا تو آپ نے کیا کیا تھا اور پھر آپ ﷺ کے اسی عمل کو اپنے لیے چراغِ زندگی بنالیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے لیکن ہم ایسا کرتے نہیں ہیں، ہمارے گھروں میں ہر

① الاحزاب: ۲۱



طرح کی کتاب پڑی ہوگی ناول ہوں گے ڈائجسٹ ہوں گے دنیا کے بڑے آدمیوں کی سوانح عمری پر کتابیں ہوں گی لیکن رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر مبنی کوئی کتاب نہیں ہوگی۔ صرف چند لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ پر مشتمل کوئی مکمل کتاب پڑھی ہوگی جب ہمیں آپ ﷺ کی زندگی کا پتہ ہی نہیں ہوگا تو ہم اس نمونہ پر عمل کیسے کر سکیں گے؟ آئیے بیٹیوں کے مسائل میں نبی ﷺ کا عمل دیکھئے، نبی ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں شادی شدہ تھیں، قریش نے آپ ﷺ کو تنگ کرنے کے لیے آپ کے تینوں دامادوں سے رابطہ کیا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ چنانچہ ابوالعاص نے تو انکار کر دیا لیکن آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما، ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتبہ کے نکاح میں تھیں انہوں نے اپنے باپ ابولہب کو خوش کرنے کے لیے طلاق دے دی آپ کی دونوں بیٹیاں گھر میں آگئیں گھر سے باہر آپ ﷺ کو تبلیغی میدان میں الگ مشکلات کا سامنا تھا اور گھر میں دونوں بیٹیاں بابل کی دہلیز پر آ بیٹھیں، لیکن آپ نے معمولی سی بھی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا اس لیے کہ گھبراہٹ میں اس مسئلے کا حل نہیں تھا، مسائل کے حل کے لیے ایسا علاج ڈھونڈا جاتا ہے جس سے وہ پریشانی ختم ہو جائے اور ایسے عمل سے گریز کیا جاتا ہے جس سے مزید مسائل جنم لیں، آپ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا جو نیکی، تقویٰ اور فرمانبرداری میں اپنی مثال آپ تھے، بیٹیوں کے اجرے گھروں کو نئے سرے سے آباد کرنا ہی اس مسئلہ کا حل تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت حمیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، شوہر کی وفات سے وہ بیوہ ہو گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس پریشانی سے گزرنا پڑا اور ان کے گھر کو نئے سرے سے آباد کرنے کے لئے انہوں نے جو کوششیں کیں اس کا مختصر حال امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

الْحَنَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: تَأَيَّمْتُ حَفْصَةَ بِنْتُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما مِنْ



خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، تُوفِّيَ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ عُمَرُ: فَلَقِيْتُ عُمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَعَرَّضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ، فَقُلْتُ: إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ، قَالَ: سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي، فَلَبِثْتُ لَيْالِي، فَقَالَ: قَدْ بَدَأَ لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا، قَالَ عُمَرُ: فَلَقِيْتُ أَبَا بَكْرٍ، فَقُلْتُ: إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ، فَصَمَتَ أَبُو بَكْرٍ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، فَكُنْتُ عَلَيْهِ أَوْجَدَ مِنِّي عَلَى عُمَانَ، فَلَبِثْتُ لَيْالِي ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ، فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلِيَّ حِينَ عَرَّضْتَ عَلِيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَّضْتَ، إِلَّا أَنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ ذَكَرَهَا، فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا لَقَبِلْتُهَا. ①

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے مرنے سے بیوہ ہوئیں۔ (یہ بدری صحابی تھے، مدینہ میں فوت ہوئے۔) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا اور کہا: اگر تمہاری مرضی ہو تو اپنی دختر حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس پر غور کروں گا، پھر میں کئی راتیں ٹھہرا رہا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابھی میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ان دنوں نکاح نہ کروں۔ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا: اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ مجھے ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ غصہ آیا۔ مگر میں

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائکة بدرا، رقم: ۴۰۰۵



چند راتیں ہی ٹھہرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح بھیجا جس پر میں نے فوراً ان کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے کہا: شاید تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو کیونکہ تم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا اور میں نے کچھ جواب نہ دیا تھا۔ میں نے کہا: ہاں، مجھے رنج تو ہوا تھا، انہوں نے فرمایا کہ دراصل بات یہ تھی کہ مجھے تمہاری پیشکش قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا، اور مجھے رسول اللہ ﷺ کا راز فاش کرنا منظور نہ تھا۔ ہاں اگر رسول اللہ ﷺ اپنا ارادہ ترک کر دیتے تو میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ضرور قبول کر لیتا۔

غور فرمائیے! دنیا کے بہترین لوگ اپنی بچیوں کے بیوہ ہو جانے یا انہیں طلاق سے ہوجانے پر روتے دھوتے نہیں بلکہ ان کا گھر آباد کرنے کے لیے نئے سرے سے محنت کرتے ہیں، خودکشی کر لینا بچی کے گھر کو کبھی آباد نہیں کر سکتا۔ نہ ہی یہ عمل اس کے زخم پر مرہم رکھ سکے گا نہ اس کے آنسوؤں کو خشک کر سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں دور کہیں جلنے والے امیدوں کے دیئے ہمیشہ کے لیے بجھ جائیں۔

### محبت میں ناکامی پر خودکشی

محبت میں ناکامی کو زندگی کا ایک حادثہ قرار دیا جاسکتا ہے، محبت مجازی، زندگی کا مقصد نہیں ہے، اگر کوئی ایسی صورتحال کا شکار ہو جائے تو اسے اس حادثہ کے بعد اپنا راستہ بدل لینا چاہیے وہ اپنی سوچ کی سمت بدل لے اور اپنا رخ ان کاموں کی طرف موڑ دے جہاں اسے ذہنی تسکین ملے ان کاموں سے مراد شراب کا جام یا بے خودی کی کیفیت نہیں بلکہ وہ کام جو اس کی زندگی کا مقصد ہیں وہ سوچے کیا اس کی ساری زندگی کا حاصل صرف یہی تھا کہ وہ ایک زلف تک رسائی پالے اور بس۔ اس کی تعلیم، اس کا مرتبہ، اس کی ملازمت اور اس سے



وابستہ والدین کی امیدیں، کیا اس سے یہی تقاضہ کرتی تھیں کہ وہ نکما اور ناکارہ کہلائے۔

عشق نے ہم کو نکما کر دیا غالب

ورنہ ہم بھی تھے آدمی کام کے

محبت میں ناکامی پر خودکشیاں جتنی موجودہ دور میں ہو رہی ہیں سابقہ ادوار میں اس کی مثال نہیں ملتی، دورِ حاضر میں اس کی شرح میں اضافہ کے کیا اسباب ہیں؟ غور کیا جائے تو اس میں سب سے بڑی وجہ بے پردگی نظر آئے گی، جب ایک آدمی اپنی جوان بیٹیوں کو بے پردہ کالج چھوڑنے جائے گا اور موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کے محلہ کی گلیوں اور بازاروں سے گزرے گا تو درحقیقت وہ یہ بتا دے گا کہ میرے گھر میں اس شکل و صورت کی مالک لڑکیاں ہیں، بے پردہ گھومنا اور ناز و ادا سے چلنا آج کی روشن خیالی اور فیشن ہے، پھر مخلوط تعلیم اور موبائل کا استعمال آپس میں ناجائز تعلقات کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہیں، والدین بیٹی کو کالج بھیج کے اس کے مستقبل کے سنہرے خوابوں میں کھو جاتے ہیں اس سے رابطہ کے لیے اسے موبائل لے کر دیتے ہیں اور رابطہ کسی اور سے استوار ہو جاتا ہے، مخلوط تعلیم میں آزادانہ ماحول ناجائز تعلقات کے راستے ہموار کر دیتا ہے۔ پھر مختلف پارٹیاں جیسے ویلنٹائن ڈے پر پھول جڑے محبت نامے پیش کرنا، اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، نیٹ کا آزادانہ استعمال اور وہ بھی الگ کمرہ میں جہاں تنہائی ہو، دراصل ہم اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہمارا بیٹا یا بیٹی موبائل فون اور نیٹ کا غلط استعمال کر ہی نہیں سکتا، ہم دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پارسا سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ بجا کہ موبائل اور نیٹ موجودہ دور کی ضرورت ہیں لیکن ہمیں اپنے بچوں پر گہری نظر رکھنی چاہیے کہ وہ ان چیزوں کا غلط استعمال نہ کریں، نیٹ کے استعمال کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں گھر کے افراد کا آنا جانا رہتا ہو اور خاص طور پر اپنی نظر کی حفاظت کریں اس لیے کہ محبت ایک ایسا تیر ہے جو نظر کے ذریعے دل پر اثر کرتا ہے اور عشقِ نفسانی ایک بیماری ہے جس کے جراثیم بھی نظر کے ذریعے ہی جسم میں داخل ہوتے ہیں، رب تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو نظروں کی حفاظت کا



حکم دیا ہے کہ وہ نظریں جھکا کے چلیں، آپ یوں سمجھیں کہ محبت میں ناکامی اور خودکشی کی سوچ آخری مرحلہ ہے اور اس کا آغاز نظر بازی ہے۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجیے  
ناحق خون پروانے کا ہوگا

### امتحان میں ناکامی پر خودکشی

امتحان میں ناکامی پر والدین کی ڈانٹ ڈپٹ سے دل برداشتہ ہو کر بعض نوجوان خودکشی کر لیتے ہیں اور ایسی جوان اور معصوم موتیں خاندان بھر کو ہلا کے رکھ دیتی ہیں، ایسی خودکشیوں کی ایک وجہ تو حد سے بڑھ کر ڈانٹ ڈپٹ اور تضحیک آمیز رویہ ہے جب کسی کو ٹھوکر لگے تو اسے سنبھالنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ گھسیٹنے کی، اور طالب علم تو ابھی بننے اور بگڑنے کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے اگر وہ دوڑ میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہے تو اسے سنبھالنے کی ضرورت ہے، اس کو اس انداز سے حوصلہ دیا جائے جس میں اسے سابقہ کوتاہیوں اور لغزشوں کا احساس بھی ہو کہ آئندہ وہ اپنی کوتاہیاں دور کر کے کامیاب لوگوں کی صف میں شامل ہو جائے اسے احساس ندامت بھی دیا جائے اور آگے بڑھنے کا ولولہ بھی، اکیلا تضحیک و تذلیل کا نشانہ بنانا اور طنزیہ جملے کہنا اسے مزید پست ہمت کر دے گا اور خودکشی کا بیج پست ہمتی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے

مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ایک مفکر کا قول ہے: ”دنیا میں جب بھی کسی کو کچھ ملتا ہے تو صلاحیت کی بنا پر ملتا ہے

اسی طرح جب بھی کسی سے کچھ چھنتا ہے تو خود اپنی کوتاہی کی بنا پر چھنتا ہے، اس دنیا میں اگر

کچھ لوگ محرومی کا شکار ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ دوسروں کی شکایت کرنے میں اپنا

وقت ضائع نہ کریں بلکہ خود اپنے اندر اس کے اسباب تلاش کریں اور اس کے مطابق اپنی



عملی جدوجہد کا نقشہ بنائیں۔“ طالب علم جب فیل ہوتا ہے یقیناً اس وقت والدین خون کے آنسو رو رہے ہوتے ہیں ان کی امیدوں کا تاج محل چکنا چور ہو چکا ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی سال بھر کی محنت اور سکول و کالج کے اخراجات سب رائیگاں گئے ایسے میں تلملا کے بچے کو گالیاں بھی دیتے ہیں، اس سے بول چال بند کر دیتے ہیں، بعض تو مار پیٹ کے گھر سے نکال دیتے ہیں، طالب علم کچے ذہن کا مالک ہوتا ہے، امتحان میں ناکامی سے وہ پہلے ہی حوصلہ شکن حالات سے گزر رہا ہوتا ہے اوپر سے والدین اور عزیز واقارب کا یہ رویہ اس کے آنسو پونچھنے کی بجائے اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا کام کرتا ہے، وہ سوچتا ہے

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح

کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی نغمگسار ہوتا

شفیق والدین کی بے رخی اور اپنوں کی نفرتیں اسے دنیا سے فرار کا راستہ دکھاتی ہیں اور وہ اسی جانب چل پڑتا ہے، پھر ذہن کو کاٹنے والی تلخ یادیں اور پچھتاوے رہ جاتے ہیں، دوسری طرف طالب علم کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے وقت کو ضائع نہ کرے، وقت انتہائی قیمتی چیز ہے جسے ضائع کرنے والا کبھی کامیابی کے اعلیٰ درجے پر نہیں پہنچ سکتا، نہ ہے بے کار آدمی کو آپ کبھی اعلیٰ انسان پائیں گے، کامیابی کوئی کٹی پتنگ نہیں ہے کہ جس کی جھولی میں چاہے آگرے، کامیابی ہمیشہ جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے اور بڑی کامیابی حاصل کرنے کیلئے بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی، کامیابی تک پہنچنے کیلئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے اور اگر کوئی اپنی کوتاہیوں اور غفلت کی وجہ سے ناکام ہو جائے تو ناکامی کے اسباب پر غور کرے اور نئے سرے سے محنت کا آغاز کر دے کامیابیوں کا سفر ناکامیوں کے فرش سے شروع ہوتا ہے، اس ضمن میں مولانا وحید الدین خان نے ایک بہت سبق آموز واقعہ نقل کیا ہے، افادہ کی غرض سے ان طلباء کے لیے درج کیا جا رہا ہے، جو ناکامی کے بعد حوصلہ بار دیتے ہیں اور زندگی سے بھاگنے کا سوچنے لگتے ہیں۔

راجستھان کا ایک طالب علم ہائی اسکول میں فیل ہو گیا۔ دوسرے سال اس نے پھر



امتحان دیا، مگر وہ دوبارہ فیل ہو گیا۔ اس کے بعد جب اس کا تیسرے سال کا نتیجہ آیا اور اس نے دیکھا کہ وہ اب بھی فیل ہے تو اس کو سخت دھچکا لگا۔ وہ اتنا بیزار ہوا کہ گھر سے بھاگ نکلا۔ چلتے چلتے وہ ایک گاؤں کے کنارے پہنچا، اس کو پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کنواں ہے جس پر کچھ عورتیں اور بچے پانی بھر رہے ہیں۔ وہ کنویں کے پاس پہنچا تاکہ اپنی پیاس بجھا سکے، مگر وہاں اس نے ایک منظر دیکھا۔ منظر بظاہر چھوٹا سا تھا مگر وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنی پیاس بھول گیا۔ اس کو اچانک محسوس ہوا کہ اس نے پانی سے زیادہ بڑی ایک چیز پالی ہے۔

اس نے دیکھا کہ گاؤں کے لوگ جو پانی بھرنے کے لیے کنویں پر آتے ہیں، عام طور پر ان کے ساتھ دو عدد مٹی کے گھڑے ہوتے ہیں۔ ایک گھڑے کو کنویں کے قریب ایک پتھر پر رکھ دیتے ہیں اور دوسرے گھڑے کو کنویں میں ڈال کر پانی نکالتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ جس پتھر پر گھڑا رکھا جاتا ہے وہ گھڑا رکھتے رکھتے گھس گیا ہے۔

اس نے سوچا گھڑا مٹی کی چیز ہے مگر جب وہ بار بار بہت دنوں تک ایک جگہ رکھا گیا تو اس کی رگڑ سے پتھر گھس گیا۔ استقلال کے ذریعہ مٹی نے پتھر کے اوپر فتح حاصل کر لی۔ مسلسل عمل نے کمزور کو طاقت ور کے اوپر غالب کر دیا۔ پھر اگر میں برابر محنت کروں تو کیا میں امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیا کوشش کے اضافہ سے میں اپنی کمی پر قابو نہیں پاسکتا؟

یہ سوچ کر بھاگے ہوئے طالب علم کے قدم رک گئے۔ وہ لوٹ کر اپنے گھر واپس آ گیا اور دوبارہ تعلیم میں اپنی محنت شروع کر دی۔ اگلے سال وہ چوتھی بار ہائی اسکول کے امتحان میں بیٹھا۔ اس بار نتیجہ حیرت انگیز طور پر مختلف تھا۔ اس کے پرچے اتنے اچھے ہوئے کہ وہ اول درجہ میں پاس ہو گیا۔ تین بار ناکام ہونے والے نے چوتھی کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پتھر کا یہ سبق نوجوان کی زندگی کے لیے اتنا اہم ثابت ہوا کہ اس کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ جو طالب علم ہائی اسکول میں مسلسل ناکام ہو کر بھاگا وہ اس کے بعد



مسلل فرسٹ آنے لگا۔ یہاں تک کہ ایم اے میں اس نے ٹاپ کیا۔ اس کے بعد وہ ایک اسکالرشپ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک میں گیا اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں جو صرف ایک گاؤں میں پیش آیا۔ درحقیقت ہر جگہ ایسے پتھر موجود ہیں جو آدمی کو زندگی کا سبق دے رہے ہیں۔ جو ناکامیوں میں سے کامیاب بن کر نکلنے کا اشارہ دیتے ہیں۔ اگر آدمی کے اندر نصیحت لینے کا مزاج ہو تو وہ اپنے قریب ہی ایسا ایک پتھر پالے گا جو خاموش زبان میں اس کو وہی پیغام دے رہا ہو جو مذکورہ نوجوان کو اس پتھر سے ملا تھا۔ (راز حیات از وحید الدین)

مشہور مغربی مصنف ڈیل کارنیگی نے لکھا ہے:

"The most important thing in life is not to capitalize on your gains. Any fool can do that. The really important thing is to profit from your losses. That requires intelligence; and it asks the difference between a man of sense and a fool."

”زندگی میں سب سے زیادہ اہم چیز کامیابیوں سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے، بے وقوف آدمی ایسا کر سکتا ہے، حقیقی معنوں میں اہم چیز یہ ہے کہ تم اپنے نقصانات سے فائدہ اٹھاؤ اس دوسرے کام کے لئے ذہانت درکار ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایک سمجھ دار اور بے وقوف کے درمیان فرق کرتی ہے۔“

خود کشیوں کا بڑھتا ہوا رجحان اور ہماری ذمہ داریاں

معاشرہ میں بڑھتی ہوئی خود کشیوں کے ذمہ دار وہ بے حس اگ بھی ہیں جن کے سامنے ان کا ہمسایہ کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے اس کے بچے بھوک سے ہلکے رہتے ہیں اور صاحب زر کے کان پر جوں تک نہیں رینگتے، پیٹ بھر کے سوتا ہے، فضول کاموں میں مال اڑاتا ہے مگر اپنے ہمسایہ کا حال تک نہیں پوچھتا خوشی اور غمی کے کسی



موقع پر اسے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کہ غریب کس حال میں تڑپ رہا ہے، ہم معاشرہ کے پسماندہ طبقہ کی خبر گیری سے خود کشی کے رجحانات کو کم کر سکتے ہیں، اپنے مال سے زکوٰۃ نکالیں اور سفید پوش غریب لوگوں تک پہنچائیں، وقتاً فوقتاً صدقہ و خیرات سے ان کی مدد کرتے رہیں، ویلفیئر تنظیمیں خصوصاً ایسے لوگوں کے لیے کدو کاوش کریں اگر ہم مالی مدد کی استطاعت نہیں رکھتے تو کم از کم ان کی خبر گیری تو کریں، انہیں حوصلہ و تسلی دیں تاکہ انہیں احساس ہو کہ وہ معاشرہ میں تنہا نہیں ہیں یاد رکھئے! بیمار زیادہ اذیت اس وقت محسوس کرتا ہے جب اس کی تیماری داری کی بجائے اسے یہ کہا جائے کہ یہ اپنے گناہوں میں گرفتار ہے، اس کو گناہوں کی سزا مل رہی ہے یا اسے نظر انداز کیا جائے اور اس سے حقارت آمیز سلوک کیا جائے۔ غریب کی تکلیف میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب اس کی انا اور خود داری کو مجروح کیا جائے، اس کی عزت نفس کو پامال کیا جائے، طلاق یافتہ عورت کو طعنہ دیا جائے۔ امتحان میں کم نمبرز لینے یا فیل ہو جانے والے کی حد سے بڑھ کر تذلیل کی جائے، کاروبار میں نقصان اٹھانے والے کا مذاق اڑایا جائے یہ اور ان سے ملتے جلتے سب کام بندے کو اندورنی طور پر توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ اسے ذہنی طور پر ٹارچ کرتے ہیں، ہم اگر کسی کی مالی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی عزت نفس کو مجروح کرنے سے تو گریز کر سکتے ہیں، اگر کسی کے زخموں پر مرہم نہیں لگا سکتے تو نمک چھڑکنے سے گریز تو کر سکتے ہیں، اپنے مال کو اگر غریبوں کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تو یہ تو کر سکتے ہیں کہ اس مال کو ظلم کے لیے استعمال نہ کریں، ذرا اس بات کا تصور کیجئے! بروز محشر رب تعالیٰ جب یہ پوچھیں گے اے ابن آدم تو نے میری تیمارداری نہیں کی، مجھے کھانا نہیں کھلایا تو کیا جواب ہوگا؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا بَنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي: قَالَ يَا رَبِّ! كَيْفَ أَعُوذُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدَّهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوْ جَدْتَنِي



عِنْدَهُ؟ يَا بَنَ آدَمَ اسْتَطَعْمَتِكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ  
 أَطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي  
 فَلَا تَطْعِمُهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوْ جَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي؟ يَا  
 بَنَ آدَمَ اسْتَقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ  
 الْعَالَمِينَ؟ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فَلَا تَسْقِيهِ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ  
 سَقَيْتَهُ لَوْ جَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي))<sup>①</sup>

”بے شک اللہ تعالیٰ روزِ قیامت فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو  
 نے میری عیادت نہیں کی، انسان کہے گا: اے میرے رب! میں کیسے تیری  
 عیادت کرتا جب کہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا  
 تجھے علم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی مزاج پرسی نہ کی، کیا  
 تجھے علم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی مزاج پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پالیتا (یعنی  
 میری رضا تجھے حاصل ہو جاتی) اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا  
 تھا لیکن تو نے مجھے کھلایا نہیں، وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کس طرح  
 کھانا کھلاتا جب کہ تو تمام جہانوں کا پالنہار ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا  
 تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پس تو نے  
 اسے کھانا نہیں کھلایا کیا تجھے علم نہیں تھا کہ اگر تو اُسے کھانا کھلاتا تو یقیناً (اس  
 کے اجر و ثواب کو) میرے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی  
 طلب کیا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا: اے میرے رب میں تجھے  
 کیسے پانی پلاتا تو تو تمام جہانوں کا رب ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھ سے  
 فلاں بندے نے پانی مانگا تھا مگر تو نے اسے پانی نہیں پلایا، کیا تو نے نہیں جانا  
 اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو یقیناً (اس کے اجر و ثواب کو) میرے پاس پاتا۔“

اس روایت سے پتہ چلا کہ بیمار کی عیادت کرنے پر اللہ کی رضا مندی حاصل ہوتی

① صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ باب فضل عیادة المریض، رقم: ۲۵۶۹



ہے اور بیماری کے وقت اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ جانے اور اس سے منہ موڑ لینے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ رب تعالیٰ نے بندے کی تیمارداری کو اپنی تیمارداری کہا بندے کو کھانا کھلانا خود کو کھانا کھلانے سے تعبیر کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان حاجات سے پاک ہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ لوگو! اگر تم مجھے ڈھونڈنا چاہتے ہو تو انسانیت کی خدمت میں ڈھونڈو۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو  
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: ((يَقُولُ مَنْ أَتَى أَخَاهُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشَى فِي خِرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ فَإِنْ كَانَ غُدُوَّةً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ كَانَ مَسَاءً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ))<sup>①</sup>

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کے لئے آتا ہے، تو اس کے ہاں پہنچنے تک مسلسل جنت کے راستے پر چلتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ بیٹھتا ہے تو رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر (عیادت کا وقت) صبح کا ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اگر شام کا وقت ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ اپنے بھائی کی تیمارداری کیلئے نکلنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے تبھی تو اس کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کیلئے دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد جس کی سلامتی کیلئے دعا کر رہی ہو اس کے کاروبار یا گھریلو برکات

① (صحیح) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عاد مریضا، رقم: ۱۴۴۲



میں اضافہ کیوں نہیں ہوگا، اسلام نے بحیثیت مسلمان ایک ایمان والے آدمی کو ترجیح ضرور دی ہے لیکن بحیثیت انسان تمام انسانیت سے محبت کا درس دیا ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَهُ: ((أَسْلِمَ)) فَنظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ: أَطِيعُ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ، فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ: ((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ))<sup>①</sup>

ایک یہودی لڑکانہ کا خدمت کیا کرتا تھا جب وہ بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کے سر ہانے بیٹھ کر فرمایا: ”تو مسلمان ہو جا۔“ تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس بیٹھا تھا، اس کے باپ نے کہا: ابو القاسم ﷺ کی اطاعت کرو۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ تب نبی ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لے آئے: ”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس لڑکے کو آگ سے بچالیا۔“

بندوں سے محبت کرنا سیکھیں یہ محبت انا کو ختم کر دیتی ہے انسانیت کی خدمت میں انا کابت ٹوٹتا ہے یہ انا پرستی ہے کہ بندہ اپنے رشتہ داروں کو بھوکا دیکھتا ہے اپنے بھائی کے بچوں کو غربت و مسکنت میں دیکھتا ہے لیکن مدد کیلئے اس لئے نہیں بڑھتا کہ شریک چلتا ہے وہ انہیں زمانے کی بے رحم ہواؤں کے تھیٹر کے کھانے کیلئے چھوڑ دیتا ہے کہ بیچ میں انا کابت حائل ہے اسلام نے اسی انا پرستی کو ختم کرنے کیلئے قرابت دار کو صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ قرابت دار کو صدقہ دینے کا اجر زیادہ ہے عام مساکین کو صدقہ دیں تو ایک اجر ہے اور قرابت دار کو صدقہ دیں تو اجر دو گنا ہے اس کی دلیل صحیح بخاری کی درج ذیل روایت ہے:

عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: انْطَلَقْتُ إِلَى

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ، رقم: ۱۳۵۶



النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَتْ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى الْبَابِ، حَاجَتُهَا مِثْلُ حَاجَتِي، فَمَرَّ عَلَيْنَا بِبَلَالٍ، فَقُلْنَا: سَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَجْزِي عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلَى زَوْجِي وَأَيْتَامٍ لِي فِي حَجْرِي؟ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: ((نَعَمْ، لَهَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ))<sup>①</sup>

حضرت زینب رضی اللہ عنہا زوجہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے پاس گئی تو میں نے دروازے پر ایک انصاری خاتون کو پایا جو میری طرح کی ضرورت لے کے آئی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب ہمارے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا کہ تم نبی ﷺ سے دریافت کرو کیا میرے لئے یہ کافی ہے کہ میں اپنا مال اپنے شوہر اور زیر کفالت یتیموں پر خرچ کر دوں۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا: ”ہاں وہ ایسا کر سکتی ہے اسے دو گنا ثواب ملے گا ایک قرابت داری کا اور دوسرا خیرات دینے کا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے کھجور کے باغات تھے۔ انہیں سب سے زیادہ پسند بیرحاء نامی باغ تھا جو مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا۔ وہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے اور اس کا خوشگوار پانی پیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”تم نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو“ تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو اور میرا سب سے محبوب مال ”بئر حاء“ ہے، لہذا وہ آج سے اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور میں اللہ کے ہاں اس کے ثواب اور آخرت میں اس کے ذخیرہ ہونے کا امیدوار ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ سے اللہ کے حکم کے مطابق مصرف میں لے آئیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الزکاة علی الزوج والایتام فی الحجر، رقم: ۱۴۶۶



”بہت خوب یہ تو بہت نفع بخش مال ہے، یہ تو واقعی نفع بخش مال ہے اور جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا، میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا، چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔<sup>①</sup>

کس قدر سنگدل ہے وہ آدمی جو خود تو گھی میں چڑی روٹیاں کھاتا ہے اپنے بچوں کو اچھے ہوٹلوں میں کھانے کھلاتا ہے لیکن اس کا سگا بھائی فاقوں مر رہا ہے اس کے بچے سوکھے ٹکڑوں کے انتظار میں بھوکے سو جاتے ہیں اور جب وہ فاقہ کشی سے تنگ آ کے خودکشی کر لیتا ہے تو یہی بھائی اس کے ہاں آنسو بہانے اور بین کرنے کیلئے جا پہنچتا ہے یہ منافقت اور دوغلہ پالیسی نہیں تو کیا ہے؟

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زور پشیمان کا پشیمان ہونا

دیگر رشتہ دار اب مرنے والے کا منہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب تک ہم پہنچ نہ جائیں اسے دفن نہ کیا جائے ہم اپنے پیارے کا آخری دیدار نہ کر سکے تو ہماری بد نصیبی ہوگی آہ! مرنے والا بستر مرگ پہ ایڑھیاں رگڑ رگڑ کے مرتا رہا اپنوں کے انتظار میں اس کی آنکھیں پتھرا گئیں ان کی بے رخی کا غم سینے میں لئے اس نے دنیا کو الوداع کہہ دیا اور اب رشتہ دار اس کی بربادی کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں یاد رکھیے! مرنے والے کا منہ دیکھنا کوئی ضروری نہیں اور نہ ہی منہ نہ دیکھنے سے کوئی گناہ ہوتا ہے اسلام نے تیمارداری و غم خواری کا حکم دیا ہے کہ جب وہ اپنوں کا منہ دیکھنا چاہتا تھا اسے ان کی تسلی کی ضرورت تھی اس وقت سب نے منہ چھپا لیا اور اب تو وہ تمہارے جھوٹے آنسوؤں اور ہمدردیوں سے بے نیاز ہو چکا ہے۔

لو آج ہم نے توڑ دیا رشتہ امید

لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم

① صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الاقارب، رقم: ۱۴۶۱



اب منہ چھپانے والے بھی منہ دیکھنے کیلئے اس لئے جمع ہیں کہ مرنے والا اب شکوہ و شکایت نہیں کر سکتا اپنے گھر میں ناچتی بھوک کا ذکر نہیں کر سکتا تو دستور دنیا نبھانے کیلئے رشتہ دار جمع ہو گئے ہیں یہ درست ہے کہ مرنے والے نے خودکشی کر کے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور انتہائی بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اس کے حالات جاننے کے باوجود بے حس بنے رہنے والوں نے بھی اس گناہ میں حصہ ڈالا ہے ان کی بے حسی بے رخی اور مردہ ضمیری نے خودکشی کے بیج کو سینچا ہے ایسے ہی لوگوں سے رب تعالیٰ قیامت کے دن یوں پوچھیں گے اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی کیوں نہ کی؟ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ دیا، میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے پانی نہ پلایا۔

قریب ہے یارو! روز محشر چھپے گا کشتوں کا خوں کیوں کر  
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

### حکمرانوں کی ذمہ داریاں

معاشرہ میں بڑھتی ہوئی خودکشیوں کے ذمہ دار حکمران بھی ہیں کہ جب ان کی غلط پالیسیوں اور مفاد پرستیوں سے مہنگائی کا بازار گرم ہو جائے تو غریب کیلئے زندگی بوجھ بن جاتی ہے یا عدل و انصاف میں عدم توازن ہو تو ظلم کا تازیانہ مظلوموں کی زندگی کو اجیرن کر دیتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی بھوک سے مر گیا تو عمر سے اس بات کا سوال ہوگا بکری کا بچہ تو جانور ہے اگر اشرف المخلوقات انسان اور وہ بھی ایک نہیں بلکہ ہزاروں انسان بھوک سے مر جائیں تو کیا حکمرانوں سے سوال نہیں ہوگا حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایک عورت کو جہنم میں دیکھا جس کو ایک بلی بچے مار رہی تھی میں نے اس کا جرم پوچھا تو فرشتوں نے بتایا:

((حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا لَا أَطْعَمْتُهَا وَلَا أَرْسَلْتُهَا تَأْكُلُ مِنْ



خَشَاشِ الْأَرْضِ))<sup>①</sup>

”اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی، نہ تو وہ اسے کھلاتی تھی اور نہ اسے کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ خود حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لے۔“

ایک بلی کو باندھ رکھنا کہ خوراک اس کے منہ تک نہ پہنچ سکے ایسا جرم ہے کہ جس نے اس عورت پر جہنم کی آگ کو تیز کر دیا، بلی تو ایک جانور ہے اگر انسانوں کی دسترس سے خوراک دور کر دی جائے خواہ مہنگائی کے ذریعہ سے یا وسائل کے کم کر دینے سے یا کسی بھی غلط پالیسی یا ذاتی مفاد کی وجہ سے جس میں غریب کا استحصال ہو اور وہ بھوکوں مرنے لگے تو یہ بھی جرم کم نہیں ہوگا اس کی سزا وہ لوگ بھگتیں گے جو اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

### غزباء کا حق، نواسے کے منہ سے چھین لیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتَى بِالْتَّمْرِ عِنْدَ صِرَامِ النَّخْلِ، فَيَجِيءُ هَذَا بِتَمْرِهِ وَهَذَا مِنْ تَمْرِهِ، حَتَّى يَصِيرَ عِنْدَهُ كَوْمًا مِنْ تَمْرٍ، فَجَعَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رضي الله عنهما يُلْعَبَانِ بِذَلِكَ التَّمْرِ، فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا تَمْرَةً فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجَهَا مِنْ فِيهِ، فَقَالَ: ((أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ آلَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْكُلُونَ الصَّدَقَةَ))<sup>②</sup>

رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس کھجوریں فصل کٹتے ہی آنے لگتیں اور ایسا ہوتا کہ ایک شخص اپنی کھجوریں لے آتا تو ادھر دوسرا شخص اپنی کھجوریں لے آتا اس طرح صدقہ کی کھجوروں کے ڈھیر لگ جاتے ایک روز حضرت حسن اور حضرت حسین رضي الله عنهما ان کھجوروں سے کھیلنے لگے اور ان میں سے کسی نے کھجوراٹھا

① صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول بعد التکبیر، رقم: ۷۴۵

② صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام النخل وهل یتربک الصبی فیمس

تمر الصدقۃ، رقم: ۱۴۸۵



کراپنے منہ میں ڈال لی جسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا تو آپ نے وہ کھجور اس کے منہ سے نکال کر فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آل محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے؟“

صدقہ کی کھجوروں کا ڈھیر غرباء و مساکین کا حق تھا نبی ﷺ نے اس میں کوتاہی برتنے پر نواسے کے لاڈ پیار کو ایک طرف رکھ دیا اور فوری منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکال لی اور سمجھایا کہ یہ ہمارا حق نہیں جن کا حق ہے ان تک پہنچنا چاہیے حالانکہ آپ ﷺ کو اپنے نواسوں سے بے انتہا محبت تھی مگر یہ محبت تربیت کے معاملے میں کبھی بھی آڑے نہیں آئی۔ اس میں حکمرانوں کے لیے درس ہے کہ نبی ﷺ نے غریبوں کے مال میں سے ایک کھجور کا آگے پیچھے ہونا بھی پسند نہیں کیا، فوراً اس کا نوٹس لیا اور اپنی اولاد کو سمجھایا جو بندہ اولاد کے منہ سے غریبوں کا لقمہ چھین لے اس کے ملازمین و متعلقین تو کبھی غرباء کے استحصال کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

### آل محمد ﷺ پر صدقہ حرام کیوں؟

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آل محمد ﷺ پر صدقہ حرام کیوں ہے بعض اسے مساوات کے منافی سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں کو بلند رکھا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں نبی ﷺ نے یہاں قربانی اور ایثار کا درس دیا ہے اور قربانی کا آغاز گھر سے کیا اگر اہل بیت پر صدقہ حلال ہوتا غرباء کے گھر میں دانہ تک نہ پہنچتا سارا صدقہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آجاتا لوگ ڈھونڈ کے آل علی اور آل فاطمہ رضی اللہ عنہما میں صدقہ بھیجتے اور یوں فقراء محروم رہ جاتے آپ ﷺ نے شروع سے ہی اس دروازے کو بند کر دیا کہ حقدار تک اس کا حق پہنچے آج اگر اربوں کے اثاثے رکھنے والے ایمانداری سے اپنی زکوٰۃ ہی نکال کے فقراء تک پہنچادیں تو ملک سے کم از کم تیس فیصد غربت ختم ہو جائے گی لیکن یہاں ہوس زر نے سرمایہ دار کو اس قدر عقل و ہوش سے بیگانہ کر دیا ہے کہ وہ بینکوں میں رکھی رقم سے زکوٰۃ کٹوتی ختم کروانے کیلئے خود کو مرزائی لکھوا لیتا ہے مگر زکوٰۃ نہیں دیتا جبکہ شریعت نے زکوٰۃ



کے علاوہ وقتاً فوقتاً صدقہ و خیرات کرتے رہنے کا بھی حکم دیا ہے جب حکمران طبقہ کا روزانہ کا سرکاری خرچ لاکھوں میں ہو اور ان کے ہاتھ روز کی تعمیر پر کروڑوں خرچ آئیں پھر ایثار کے جذبات کہاں ہوں گے۔

بڑی خونخوار ہے سرمایہ و محنت کی آویزش  
خداوندان سیم روز کی نادانی نہیں جاتی  
تمہاری باندیاں انبار میں ریشم کے تلتی ہیں  
ہماری بیٹیوں کے تن کی عریانی نہیں جاتی

نبی ﷺ نے صدقہ کو اس وقت استعمال کیا ہے جب وہ اپنی حالت بدل لے اور اس کی صورت یہ تھی کہ صدقہ جب مسکین تک پہنچ جاتا یعنی حقدار اپنا حق وصول کر لیتا پھر وہی مسکین اگر آپ ﷺ کو کوئی چیز ہدیہ بھیج دیتا یا دعوت پر بلا لیتا تو آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے اس لئے کہ پھر مسکین کی دعوت پر نہ جانا یا اس کے ہدیہ کو معمولی سمجھ کے رد کر دینا تکبر تھا آپ ﷺ نے حکمران ہونے کے باوجود مسکین تک ان کا حق پہنچانے اور ان میں گھل مل جانے اور ان سے نفرت کرنے کی بجائے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی ترغیب دی ہے آپ ﷺ نے بریرہ لونڈی سے تھوڑا سا گوشت لے کر کھایا تھا جو اس پر کسی نے صدقہ کے طور پر بھیجا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى بِلَحْمٍ، تُصَدِّقُ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ: ((هُوَ عَلَيَّهَا  
صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ))<sup>①</sup>

نبی ﷺ کے سامنے کچھ گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”بریرہ رضی اللہ عنہا کے لئے تو صدقہ تھا لیکن ہمارے لئے ہدیہ ہے۔“

اس میں آپ ﷺ کا یہ درس تھا کہ جب غریب تک اس کا حق پہنچ جائے پھر وہ اپنے

① صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب اذ تحولت الصدقة، رقم: ۱۴۹۵



دکتے چہرے سے اسی میں سے کچھ نکال کے مجھے دے تو میں محمد ﷺ بھی اسے کھاؤں گا اسلئے کہ یہ ایک انعام ہے کہ میرے سامنے غریب تک اس کا حق پہنچ گیا۔ کیا فائدہ ہے مرنے کے بعد اس کی قبر پہ گھی کے چراغ جلانے کا مرنے کے بعد اسے چیک دینے کا۔

مر جائے انساں تو بڑھ جاتی ہے اس کی قیمت

زندہ رہے تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا

ارباب اقتدار کو سوچنا چاہیے کہ لوگ بھوک سے خودکشیاں کیوں کر رہے ہیں؟ اپنے

بچوں کو کیوں بیچ رہے ہیں غریب کی عزت کیوں محفوظ نہیں ہے؟ تفکرات و مہموم کے بادل کیوں اٹتے چلے آ رہے ہیں۔

جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی

اس دور کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے

## خودکشی کرنے والے کی سزا

مضمون کے آخر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کو شریعت نے کس نظر سے دیکھا ہے خودکشی کبیرہ گناہ ہے اور خودکشی کرنے والا اپنے اوپر جہنم کی آگ کو تیز کر لیتا ہے ایسا حتمی قدم اٹھانے والے کو سوچنا چاہیے کہ اگر اس کی دنیا پریشانیوں میں کٹ رہی ہے تو کم از کم اپنی آخرت تو بچالے اگر دنیا ضائع ہوگئی ہے تو عاقبت کھوٹی نہ کرے دنیا تو جیسے تیسے کٹ ہی جائے گی آخرت کا عذاب بہت شدید ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

وَوُظِّلًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝﴾<sup>①</sup>

”تم اپنی جانوں کو مت قتل کرو، بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو ایسا ظلم اور

زیادتی کرے گا تو عنقریب ہم اُسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ تعالیٰ



پر آسان ہے۔“

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ، كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا، فَهُوَ كَمَا قَالَ: وَمَنْ

قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، عَذَبَ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ))<sup>①</sup>

”جو شخص اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی دانستہ قسم اٹھائے تو وہ ویسا ہی ہوگا

جیسا اس نے کہا ہے اور جو شخص تیز ہتھیار سے اپنے آپ کو مار ڈالے اس کو اسی

ہتھیار سے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔“

چند اور روایات اس ضمن میں ملاحظہ کیجئے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور لشکر چاہتے ہیں؟ (اس

قلعہ کے لیے کہا جو دوس کا تھا جاہلیت کے زمانے میں) آپ نے قبول نہ کیا اس وجہ سے کہ

اللہ تعالیٰ نے انصار کے حصے میں یہ بات لکھ دی تھی (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ان

کی حمایت اور حفاظت میں رہیں) پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو

طفیل بن عمرو نے بھی ہجرت کی اور ان کے ساتھ ساتھ ان کی قوم کے ایک شخص نے بھی

ہجرت کی پھر مدینہ کی ہوا انہیں موافق نہ آئی اور ان کے پیٹ میں عارضہ پیدا ہوا وہ شخص جو

طفیل کے ساتھ آیا تھا بیمار ہوا اور تکلیف کے مارے اس نے تیز دھار چیز سے اپنی انگلیوں

کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ اس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ پھر

طفیل بن عمرو نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اس کی حالت تو اچھی ہے لیکن وہ اپنے ہاتھوں کو

چھپائے ہوئے ہے۔ چنانچہ طفیل نے پوچھا: تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟

اس نے کہا: مجھے اس لیے بخش دیا کہ میں نے اس کے نبی کی طرف ہجرت کی تھی۔ طفیل رضی اللہ عنہ

نے کہا: میں تمہارے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے

① صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قاتل النفس، رقم: ۱۳۶۳



جواب دیا مجھے بتایا گیا کہ جسے تو نے خود بگاڑا ہے ہم اسے درست نہیں کریں گے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ جواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے دعا کی: ”اے اللہ! اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے۔“<sup>①</sup>

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ شَرِبَ سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا))<sup>②</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے قتل کرے تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ اپنے پیٹ میں گھسیڑتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا اور جو شخص زہر پی کر مر جائے تو وہ اسے جہنم کی آگ میں گھونٹ گھونٹ کر کے ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو خود کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر لے تو وہ مسلسل جہنم کی آگ میں یوں ہی گرتا رہے گا۔“

آدمی کی اس سے بڑھ کر بربادی اور ناکامی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی دنیا بھی جاتی رہے اور آخرت بھی برباد ہو جائے وہ نہ دنیا میں کوئی مقام پاسکے اور نہ آخرت کی کامیابی سمیٹ سکے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

بلا سوچے سمجھے بچوں کے لیے خواہشات کرنا

عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض والدین اپنے بچوں کے لیے ایسی خواہشات کرتے ہیں

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر، رقم: ۱۱۶

② صحیح البخاری، کتاب الطب باب شرب السم والدواء بہ وبما یخاف منه والنخیث، رقم: ۵۷۷۸



جوان کے دین و ایمان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں مثلاً کسی بھی صاحب وقار آدمی کو دیکھ کر بچے کے لیے اس جیسا بننے کی خواہش کرنا حالانکہ ممکن ہے کہ وہ آدمی غیر شرعی امور میں ملوث ہو لیکن ہمیں چونکہ اس کا ظاہری حسن اور عب داب نظر آتا ہے اس لیے ہم بلا سوچے سمجھے ایسی خواہشات کا اظہار کر دیتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَانَتْ امْرَأَةٌ تَرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُو شَارَةٍ فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ اجْعَلْ ابْنِي مِثْلَهُ فَتَرَكَ تَدْيَهَا وَأَقْبَلَ عَلَى الرَّاِكِبِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى تَدْيِهَا يَمُصُّهُ)) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُصُّ إِبْصَعَهُ ((ثُمَّ مَرَّ بِأَمَةٍ، فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ ابْنِي مِثْلَ هَذِهِ، فَتَرَكَ تَدْيَهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا فَقَالَتْ: لِمَ ذَاكَ؟ فَقَالَ: الرَّاِكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ وَهَذِهِ الْأَمَةُ يَقُولُونَ: سَرَقَتْ زَيْنَتٍ وَلَمْ تَفْعَلْ))<sup>①</sup>

”بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی تو ادھر سے ایک خوش وضع سوار گزرا، عورت اسے دیکھ کر کہنے لگی اے اللہ! میرے بچے کو بھی ایسا کر دے تو اس بچے نے ماں کا پستان چھوڑ کر سوار کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کرنا پھر وہ ماں کا پستان چوسنے لگا۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنی انگلی چوس کر دودھ پینے کی کیفیت بتا رہے ہیں۔ پھر ایک لونڈی ادھر سے گزری تو ماں نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ کرنا۔ بچے نے پھر پستان چھوڑ کر کہا یا اللہ! مجھے اس جیسا کر دے۔ اس کی ماں نے کہا بات کیا ہے؟ بچے نے کہا وہ سوار

① صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی کتاب مریم اذا تبتذت من



متکبرین میں سے ایک متکبر اور خود پسند تھا اور یہ لونڈی بے قصور ہے، لوگ اسے

کہتے ہیں تو نے چوری کی ہے تو نے زنا کیا ہے حالانکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔“

اگر بچوں کے نیک اور فرمانبردار بننے کی خواہش کی جائے تو سب اچھی خواہشات اس کے اندر سمٹ آتی ہیں پس لوگوں کو دیکھ کر ان جیسا بننے کی خواہش کرنے کی بجائے ایسی خواہشات کرنی چاہیں۔ جو بچوں کے دین و ایمان کی سلامتی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی وہ دعا کس قدر جامع ہے جس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((رَبَّنَا اتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ))<sup>①</sup>

”اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔“

اگر بچوں کے لیے دنیا و آخرت میں سر بلندی اور سلامتی کی دعا مانگی جائے تو اس دعا میں سب کامیا بیاں آ جاتی ہیں۔

① صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی ﷺ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة، رقم: ۴۵۲۲



وہ آرزوئیں  
جو کبھی پوری نہیں ہوں گی



اس باب میں ہم ان خواہشات کا ذکر کریں گے جو کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ ان میں سے بیشتر خواہشات کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ دنیا میں بندے کو آخرت کی تعمیر کے لیے بھیجا گیا ہے، دنیا کی مٹی میں جو بیج بویا جاتا ہے آخرت میں اس کی فصل کاٹی جائے گی، دنیا کی مٹی بہت اصول پسند ہے، اس میں اسی بیج کی فصل پکتی ہے جو بویا جاتا ہے۔ وہ بدنصیب لوگ جو یہاں کانٹوں کے بیج بوتے ہیں بروز محشر انہیں خاردار شاخیں سمیٹنا پڑیں گی جن میں الجھ کر وہ جہنم کے راستے پر جا پڑیں گے پھر وہاں ان کی ناکام حسرتیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں گی۔

### عذاب جہنم میں ایک دن کے لیے تخفیف کی خواہش

جہنم میں پڑے ہوئے لوگوں کو جب اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ اب یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ کاش انہیں ایک دن کے لیے اس عذاب سے دور کر دیا جائے تاکہ وہ چند لمحات سکون کر سکیں، لیکن وائے حسرت ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَازِنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۖ﴾<sup>①</sup>

”جہنم میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے داروغوں سے عرض کریں گے، اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں صرف ایک دن کے لیے ہی تخفیف کر دے۔ وہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس رسول واضح احکام لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ کہیں گے، ہاں! جہنم کے کارندے جو اب دیں گے پھر تم خود ہی دعا کرو اور (یاد رکھو) کافروں کی دعا تو اکارت ہی جانے والی ہے۔“

① المومن: ۴۹-۵۰



یہ ان لوگوں کی خواہش ہے جنہوں نے دنیا میں بہت سے دن غفلت میں گزار دیے تھے جنہیں لہو و لعب اور شراب و کباب کی زندگی سے اتنی فرصت نہ تھی کہ کبھی اپنے سیاہ اعمال پر غور کرتے ہوئے باری تعالیٰ کو یاد کرتے۔

## دنیا میں واپس جانے کی خواہش

دنیا ہمارے لیے اس اعتبار سے بہت قیمتی ہے کہ دنیا کا سامان بھی دنیا سے ملتا ہے اور آخرت کا سامان بھی دنیا سے ملتا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو دنیا کمانے کے ساتھ ساتھ یہاں سے آخرت بھی کما کر لے جائے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دنیا تو کما لیتے ہیں لیکن قبر و حشر کے لیے کچھ نہیں کماتے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو نہ دنیا کما پاتے ہیں اور نہ آخرت۔ یہ دونوں قسم کے لوگ آخرت میں بہت پچھتائیں گے کہ وہ گناہوں کی گٹھریاں اٹھائے خالی ہاتھ محشر کے میدان میں چلے آئے ہیں، پھر دنیا میں واپس جانے کی خواہش کریں گے کہ کچھ کمالائیں لیکن موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا اور حسرتیں بس حسرتیں ہی رہ جائیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝﴾<sup>①</sup>

”جس روز وہ انجام (آگ کا عذاب) سامنے آ گیا تو وہی لوگ جنہوں نے پہلے اسے نظر انداز کر دیا تھا کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، پھر کیا اب ہمیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہمارے حق میں سفارش کریں یا ہمیں دوبارہ واپس ہی بھیج دیا جائے تاکہ جو کچھ ہم پہلے کرتے تھے اس کے برعکس اچھے عمل کر کے دکھائیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے ان سے گم ہو گئے۔“

① الاعراف: ۵۳



یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں جہنم اور مر کے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین نہیں تھا، اس دن کہیں گے اب ہمیں یقین آ گیا ہے ہم دنیا میں نیک بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں اکڑی ہوئی گردنوں والے اور ندامت سے خالی چہرے اس دن شرم سے جھکے ہوئے اور اپنے اعمال پر آنسو بہا رہے ہوں گے:

﴿فَكَذَّبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۝ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۝ قَالُوا وَهْمٌ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمَجْرُمُونَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۝ وَلَا صِدِّيقٍ حَمِيمٍ ۝ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾<sup>(1)</sup>

”اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے گمراہ لوگ، ان کے معبود اور ابلیس کے سارے کے سارے لشکر، اس میں یہ سب آپس میں جھگڑا کریں گے اور گمراہ لوگ (اپنے معبودوں) سے کہیں گے، اللہ کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے جب تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ رہے تھے اور وہ لوگ واقعی مجرم تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے نہ کوئی سچا دوست، کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن بن کر رہیں۔“

یہی مضمون سورہ شعراء میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمَجْرُمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَبَعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَٰكِن حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ فَذُوقُوا بِمَنَسِيَّتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينَكُمُ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝﴾<sup>(2)</sup>

”کاش! تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑے

(2) سجدہ: ۱۲-۱۰

(1) شعراء: ۹۴-۱۰۲



ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب! ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اب ہمیں یقین آ گیا ہے (جواب میں ارشاد ہوگا) اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے مگر میری وہ بات پوری ہوگئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا پس اب مزہ چکھو اپنی اس حرکت کا کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا ہم نے بھی اب تمہیں فراموش کر دیا ہے اب اپنے کرتوتوں کی پاداش میں ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔“

سورۃ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۝  
وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الذَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۝ وَقَالَ  
الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَآهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝  
إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝﴾<sup>①</sup>

”تم دیکھو گے جب ظالم لوگ اپنے سامنے عذاب پائیں گے تو کہیں گے کیا اب (دنیا میں واپس) پلٹنے کی کوئی سبیل ہے۔ اور تم دیکھو گے جب یہ لوگ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور جہنم کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے (یعنی جہنم کو نظریں بھر کر دیکھنے کی ہمت نہیں کر پائیں گے) اس وقت اہل ایمان کہیں گے واقعی وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے آج قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو خسارے میں ڈال دیا۔ خبردار رہو! ظالم لوگ مستقل عذاب میں مبتلا رہیں گے۔“

دنیا بے وفا ہے اس کی خاطر لڑنے مرنے والے، اس کے ڈھیروں پر فخر کرنے

① شوریٰ: ۴۴-۴۵



والے، اللہ سے رشتہ توڑ کے دنیا کو گلے لگانے والے اصل میں دنیا سے اپنی وفاداری ظاہر کرتے ہیں لیکن اس دنیا نے ہر کسی سے بے وفائی کی یہاں کامیاب وہی ہے جو نظر بچا کے آخرت کا سامان ساتھ لے گیا ہے

بے وفا دنیا پر رکھ کے اعتبار  
تو اچانک موت کا ہو گا شکار  
تیری طاقت تیرا فن عہدہ تیرا  
کچھ نہ کام آئے گا سرمایہ تیرا  
دبدبہ دنیا ہی میں رہ جائے گا  
حسن تیرا خاک میں مل جائے گا

زندگی کے لمحات جو ہیروں کے بھاؤ ہیں انہیں کوڑیوں کی مانند ضائع کرنے والے جب جہنم میں چیخ چیخ کے نیک اعمال کی آرزوئیں کریں گے تو انہیں ایام رفتہ کی اہمیت کا احساس دلایا جائے قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۗ  
أَوَلَمْ نَعْتَبَكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۗ فَذُوقُوا فَمَا  
تُؤْمِنُونَ مِنَ نَصِيرٍ ۝﴾<sup>①</sup>

”کافر جہنم میں چیخ چیخ کر کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں ان اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے تھے (انہیں جواب میں کہا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو لے سکتا تھا اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا (پینچبر) بھی آچکا تھا اب مزا چکھو (اس عذاب کا) ظالموں کا یہاں کوئی مدد گار نہیں۔“



## روزِ محشر ایمان لانے کی خواہش

ایمان بالغیب کا مطلب ہے ان دیکھی چیزوں پر ایمان لانا جیسے دوبارہ زندہ ہونے، قیامت کے پاپا ہونے اور جہنم وغیرہ کے برحق ہونے پر ایمان لانا لیکن اگر ان چیزوں کو دیکھ ہی لیا تو ایمان بالغیب کا ہے۔۔۔؟ جب انسان کو جہنم کے دروازے پر کھڑا کر دیا گیا اور قیامت کے وقوع کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پھر تو ایمان بالغیب کا معاملہ ہی ختم ہو گیا یہ ساری چیزیں دیکھ لینے کے بعد کوئی آدمی کہے کہ میں اب ایمان لاتا ہوں یقینی بات ہے اب اس کا ایمان لانا بے فائدہ ہے قیامت کے دن جب عذاب کافروں کو گھیر لے گا تو وہ خواہش کریں گے کاش انہیں تھوڑی سی مہلت مل جائے تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور رسولوں کی دعوت قبول کر لیں لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی چنانچہ باری تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نَّجِبْ دَعْوَتِكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْ لَمْ تَكُونُوا أَتَسْبِتُمْ مِّن قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّن زَوَالٍ ۗ﴾<sup>①</sup>

”اے محمد! کافروں کو اس دن سے ڈراؤ جب عذاب انہیں آ لے گا اور یہ نام کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے (مگر انہیں صاف صاف جواب دے دیا جائے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں۔“

سورہ دخان میں یہ مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۚ أَلَيْسَ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۚ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۚ إِنَّا كَاشِفُو

① ابراہیم: ۴۴



العَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّكَ  
مُنْتَقِمُونَ ﴿١﴾

”اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب دور فرما دے ہم ایمان لاتے ہیں ان لوگوں کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول مبین آیا لیکن انہوں نے (اس سے بھی) منہ موڑ لیا اور کہا یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے اب اگر ہم کچھ عذاب ہٹا بھی دیں تو تم لوگ پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلے (دنیا میں) کر رہے تھے جس روز ہم تمہیں بری طرح پکڑیں گے اس روز خوب انتقام لیں گے۔“

سورۃ المؤمنون کی آیات ملاحظہ فرمائیے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝ قَالَ اخْسَعُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُون ۝ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذْتَهُمُ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿٢﴾﴾

”جہنمی کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی ہم واقعی گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب! اب ہمیں یہاں سے نکال دے دوبارہ ایسا تصور کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ”دور ہو جاؤ میرے سامنے سے، پڑے رہو، اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرو، تم وہی لوگ ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہمیں معاف فرما دے ہم پر رحم کر تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا یہاں تک کہ ان سے ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔“

② مؤمنون: ۱۰۶-۱۱۰

① دخان: ۱۲-۱۶



## پانی کی چند بوندیں

آج دنیا میں ٹھنڈا پانی پی کے اللہ کا شکر کرنے کی بجائے اس سے کفر کرنے والے اور حق سے منہ موڑ لینے والے جہنم کی آگ میں پانی کی چند بوندوں کو ترسیں گے اور خواہش کریں گے کہ کاش جنتی لوگ اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے تھوڑا سا رزق یا کچھ تھوڑا سا پانی ان کی طرف پھینک دیں لیکن یہ حسرت پوری نہ ہوگی باری تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۗ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَ لَعِبًا وَ غَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسُهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا ۖ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝﴾<sup>①</sup>

”جہنم والے جنت والوں کو پکاریں گے کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر یہ دونوں چیزیں حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی (کی رنگینیوں) نے دھوکے میں ڈالے رکھا پس اللہ فرماتا ہے کہ آج ہم بھی انہیں اسی طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔“

اے اللہ قیامت کبھی قائم نہ کرنا

مسند احمد کی ایک لمبی حدیث میں آتا ہے کافر سے قبر میں جو سوال ہوں گے وہ ان میں ناکام ہو جائے گا تب اس کے لیے جہنم سے ایک بستر بچھا دیا جائے گا اور اس کے لیے

① اعراف: ۵۰-۵۱



آگ کی طرف سے ایک دوازہ کھول دیا جائے گا تا کہ اس تک آگ کی گرمی اور بدبو پہنچتی رہے اب اسے یقین ہو جائے گا کہ قیامت کے دن اسے مزید غضب کا شکار ہونا پڑے گا چنانچہ وہ پکار پکار کے خواہش کرے گا اے اللہ قیامت قائم نہ کرنا لیکن قیامت کو تو قائم ہو کر ہی رہنا ہے۔ پس اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں نکلے، ہم قبر کے قریب پہنچے تو ابھی تک لحد تیار نہیں ہوئی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ گئے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کو کرید رہے تھے، پھر سر اٹھا کر فرمایا اللہ سے عذاب قبر سے بچنے کے لیے پناہ مانگو، دو تین مرتبہ فرمایا۔

پھر فرمایا کہ بندہ مومن جب دنیا سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے ”جن کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں“ آتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی حنوط ہوتی ہے، تا حدنگاہ وہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سر ہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل مچل، چنانچہ اس کی روح اس طرح بہہ کر نکل جاتی ہے جیسے مشکینزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہہ جاتا ہے، ملک الموت اسے پکڑ لیتے ہیں اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کی روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اس سے لے کر اسے اس کفن میں لپیٹ کر اس پر اپنی لائی ہوئی حنوط مل دیتے ہیں اور اس کے جسم سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے مشک کا ایک خوشگوار جھونکا جو زمین پر محسوس ہو سکے۔

پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کے جس گروہ پر بھی



اس کا گزر ہوتا ہے وہ گروہ پوچھتا ہے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ جواب میں اس کا وہ بہترین نام بتاتے ہیں جس سے دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازے کھلواتے ہیں، جب دروازہ کھلتا ہے تو ہر آسمان کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور اگلے آسمان تک اسے چھوڑ کر آتے ہیں اور اس طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نامہ اعمال ”علیین“ میں لکھ دو اور اسے واپس زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو زمین کی مٹی ہی سے پیدا کیا ہے، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ﷺ ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس پر آسمان سے ایک منادی کرنے والا پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور تا حدنگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے اور اس کے پاس ایک خوبصورت چہرے، خوبصورت لباس اور انتہائی عمدہ خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تمہیں خوشخبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ کہ تمہارا چہرہ ہی خیر کا پتہ دیتا ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں، اس پر وہ کہتا ہے کہ پروردگار! قیامت ابھی قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل خانہ اور مال میں واپس لوٹ جاؤں۔



اور جب کوئی کافر شخص دنیا سے رخصتی اور سفر آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اتر کر آتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ تاحدنگاہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اے نفس خبیثہ! اللہ کی ناراضگی اور غصے کی طرف چل، یہ سن کر اس کی روح جسم میں دوڑنے لگتی ہے اور ملک الموت اسے جسم سے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گیلی اون سے سیخ کھینچی جاتی ہے اور اسے پکڑ لیتے ہیں، فرشتے ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی اسے ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے اور اسے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے مردار کی بدبو جیسا ایک ناخوشگوار اور بدبودار جھونکا آتا ہے۔

پھر وہ اسے لے کر اوپر چڑھتے ہیں، فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے وہی گروہ کہتا ہے کہ یہ کیسی خبیث روح ہے؟ وہ اس کا دنیا میں لیا جانے والا بدترین نام بتاتے ہیں، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں، دروازہ کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے تا وقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے“ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا نامہ اعمال ”سجین“ میں سب سے نچلی زمین میں لکھ دو، چنانچہ اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ”جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیں یا ہوا سے دور دراز کی جگہ میں لے جا ڈالے۔“

پھر اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس! مجھے کچھ پتہ نہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر وہ وہی جواب دیتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ پھر وہی جواب دیتا ہے اور آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو اور



جہنم کا ایک دروازہ اس کے لیے کھول دو۔ چنانچہ وہاں کی گرمی اور لو اسے پہنچنے لگتی ہے اور اس پر قبر تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے پاس ایک بد صورت آدمی گندے کپڑے پہن کر آتا ہے جس سے بدبو آ رہی ہوتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھے خوشخبری مبارک ہو، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ کہ تیرے چہرے ہی سے شر کی خبر معلوم ہوتی ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں، تو اللہ کی اطاعت کے کاموں میں سست اور اس کی نافرمانی کے کاموں میں چست تھا، لہذا اللہ نے تجھے برابر دیا، پھر اس پر ایک ایسے فرشتے کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو اندھا، گونگا اور بہرا ہو۔ اس کے ہاتھ میں اتنا بڑا گرز ہوتا ہے کہ اگر کسی پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے اور اس گرز سے اسے ایک ضرب لگاتا ہے اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، پھر اللہ اسے پہلے والی حالت پر لوٹا دیتا ہے، پھر وہ اسے ایک اور ضرب لگاتا ہے جس سے وہ اتنی زور سے چیخ مارتا ہے کہ جن وانس کے علاوہ ساری مخلوق اسے سنتی ہے، پھر اس کے لیے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور آگ کا فرش بچھا دیا جاتا ہے۔“<sup>①</sup>

① (صحیح) مسند احمد ۱۸۵۳۴، الایمان لابن مندہ، باب ذکر وجوب الایمان ۲/۹۶۴، رقم:



## مصادر و مراجع

- ۱- القرآن الحكيم
- ۲- "المعجم الكبير"، سليمان احمد بن ايوب ابوالقاسم الطبراني، الناشر: مكتبة العلوم والحكم الموصل تحقيق حمدي بن عبدالمجيد السلفي
- ۳- "المعجم الاوسط"، ابوالقاسم سليمان بن احمد الطبراني، الناشر: دارالحرمين، القاہرہ
- ۴- "المعجم الصغير، الطبراني"، سليمان بن احمد بن ايوب ابوالقاسم الطبراني، الناشر: المكتب الاسلامي، دار عمار بيروت لبنان، الطبعة الاولى ۱۴۰۵
- ۵- "المستدرک علی الصحیحین"، محمد بن عبدالله ابو عبدالله الحاكم نيسابوري، دارالمكتب العلمي، بيروت
- ۶- "المنتقى لابن جارود"، عبدالله بن علي بن الجارود ابو محمد النيسابوري، الناشر: مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت، تحقيق عبدالله عمر الباروي، عدد الاجزاء: ۱، الطبعة الاولى ۱۴۰۸-۱۹۸۸ء
- ۷- المنتقى من منهاج في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال"، ابو عبدالله محمد بن عثمان الذهبي (۵۶۷۳-۵۷۴۸) تحقيق محب الدين الخطيب-
- ۸- "التيسير بشرح الجامع الصغير"، الامام الحافظ زين الدين عبدالرؤوف المناوي، دارالنشر: مكتبة الامام الشافعي، الرياض ۱۴۰۸-۱۹۸۸ء
- ۹- "الطبقات الكبرى"، محمد بن سعد بن منيع أبو عبدالله البصري الزهري، الناشر: دارصادر، بيروت-
- ۱۰- "الجامع الصغير وزيادته"، محمد ناصر الدين الالباني، الناشر: المكتب الاسلامي-
- ۱۱- "احكام الجنائز"، محمد ناصر الدين الالباني (المتوفى: ۱۴۲۰هـ)، الناشر:



مکتبۃ المعارف الرياض، الطبعة الثالثة ۱۴۱۰ھ

- ۱۲- "الجمع بين الصحيحين البخاري و مهلم"، محمد بن فتوح الحميدى، عدد الاجزاء: ۴، دارالنشر: دار ابن حزم لبنان، بيروت ۱۴۲۳-۲۰۰۲ء، الطبعة الثانية، تحقيق: على حسين البواب
- ۱۳- الخلاصة في بيان رأى شيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله بالرافضة"، جمعه وعلق عليه و فهرسه الباحث في القرآن والسنة: على بن نايف الشحود
- ۱۴- "إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل"، محمد ناصر الدين الالبانى، الناشر: المكتب الاسلامى، بيروت- الطبعة الثانية ۱۴۰۵-۱۹۸۵ء
- ۱۵- "السلسلة الصحيحة"، محمد ناصر الدين الالبانى، الناشر: مکتبۃ المعارف الرياض-
- ۱۶- "الترغيب والترهيب"، عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت
- ۱۷- "الفتح الكبير في ضم الزيادة إلى الجامع الصغير"، جلال الدين عبدالرحمن بن ابى بكر السيوطى، دارالفكر، بيروت، لبنان-
- ۱۸- "المسند المستخرج على صحيح المسلم"، ابو نعيم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق بن موسى الهرانى الاصبهاني، دارالنشر: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان
- ۱۹- "اطراف المسند المتعلق بأطراف المسند الحنبلى"، ابو الفضل احمد بن على بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانى (المتوفى: ۸۵۲هـ) الناشر: دارابن كثير، دارالكلم الطيب، دمشق، بيروت-
- ۲۰- "الايمان"، محمد بن اسحاق بن يحيى بن منده، الناشر: مؤسسة الرسالة
- ۲۱- "السنن الكبرى"، ابوبكر احمد بن حسين بن على بن عبدالله بن موسى (۳۸۴-۵۴۵هـ)، مکتبۃ دارالباز
- ۲۲- "التمهيد لما في المؤطا من المعانى والأسانيد"، ابو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر القرطبي (المتوفى ۴۶۳هـ) الناشر: مؤسسة القرطبه-



- ۲۳۔ ”اتحاف الجماعة لما جاء في الفتن والملاحم“، حمود بن عبدالله التويجری (المتوفى ۱۳۱۴ھ)، موقع الرسالة الاسلام
- ۲۴۔ ”الؤلؤ والمرجان فيما اتفق عليه الشيخان“، محمد فؤاد عبدالباقي، دارالنشر: دارالفکر، بیروت
- ۲۵۔ ”الزهد“، هناد بن السرى الكوفى، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ، عدد الاجزاء ۲، الناشر: دارالخلفاء للكتاب الاسلامى، الكويت
- ۲۶۔ ”الاسماء والصفات البيهقي“، ابوبكر احمد بن حسين بن على بن عبدالله (۳۸۴-۵۴۵ھ)، الناشر: مكتبة السوادى، جده
- ۲۷۔ ”الاستذكار الجامع المذاهب فقهاء الامصار“، ابو عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر القرطبي (المتوفى ۴۶۳ھ) الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت
- ۲۸۔ ”الجامع لاحكام القرآن“، ابو عبدالله محمد بن احمد بن أبى بكر بن فرح الانصارى الخزرجى شمس الدين القرطبي، الناشر: دارعالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية (الطبعة ۱۴۲۳-۲۰۰۳)
- ۲۹۔ ”البدر المنير فى تخريج الأحاديث والآثار الواقعة فى الشرح الكبير“، ابن الملقن سراج الدين ابو حفص عمر بن على بن احمد الشافعى المصرى (المتوفى ۵۸۰ھ)، الناشر: دارالهجرة للنشر والتوزيع الرياض، السعوديه۔
- ۳۰۔ ”اضواء البيان فى ايضاح القرآن بالقرآن“، محمد الامين بن المختار بن عبدالقادر الشنقيطى (المتوفى ۱۳۹۳ھ) الناشر: دارالفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان
- ۳۱۔ ”الاحاد والمثانى“ احمد بن عمرو بن الضحاک ابوبكر الشيبانى، الناشر: دارالرايه، الرياض
- ۳۲۔ ”السيرة النبويه لابن هشام“، عبدالملك بن هشام بن أيوب الحميرى والمعافرى، الناشر: دارالجبل بيروت، سنة النشر ۱۴۱۱ھ
- ۳۳۔ ”اشراط الساعة“، عبدالله بن سليمان الغفيلى، الناشر: وزارة الشؤون الاسلاميه والاقواف والدعوة والارشاد المملكة العربية السعودية



- ۳۴۔ ”بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث بن ابی اسامہ“، المؤلف: نور الدین الھیثمی، الناشر: مرکز خدمة السنة والسیرة النبویة المدینة المنوره
- ۳۵۔ ”تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی“، محمد بن عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبار کفوری، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، عدد الاجزاء: ۱۰
- ۳۶۔ ”تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف“، جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن (المتوفی ۵۷۴۲ھ)، المکتب الاسلامی والدار القیمہ۔
- ۳۷۔ ”تاریخ بغداد“، احمد بن علی ابوبکر الخطیب البغدادی، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، عدد الاجزاء: ۱۴
- ۳۸۔ ”جامع ترمذی“، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک (المتوفی ۵۲۹۷ھ)، الناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
- ۳۹۔ ”جامع الاصول فی احادیث الرسول“، مجدّد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری ابن الاثیر (المتوفی ۵۶۰۶ھ)، تحقیق عبدالقادر الارنؤوط، مکتبة الحلوانی، مکتبه دارالبيان
- ۴۰۔ ”دلائل النبوة لابی نعیم الاصبهانی“، ابونعیم احمد بن عبدالله بن احمد الاصبهانی (المتوفی ۵۴۳۰ھ)، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان
- ۴۱۔ ”ریاض الصالحین“، أبو زکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی ۵۶۷۶ھ)، الناشر: المکتب الاسلامی، بیروت
- ۴۲۔ ”سنن أبی داؤد“، سلیمان بن اشعث سجستانی (المتوفی ۵۲۷۵ھ)، الناشر: داراحیاء التراث العربی، دارالکتب العلمیة، المکتبة العصریة، بیروت۔
- ۴۳۔ ”سنن ابن ماجه“، ابو عبدالله محمد بن یزید قزوینی (المتوفی ۵۲۷۵ھ) الناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت (سنة النشر ۱۹۸۴ء)
- ۴۴۔ ”سنن نسائی“، احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر (المتوفی ۵۳۰۳ھ) الناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
- ۴۵۔ ”سنن دارمی“، عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل بن بهرام بن عبدالصمد (المتوفی ۵۲۵۵ھ) دارالکتب العربی، بیروت



- ۴۶۔ ”شعب الایمان“، ابوبکر احمد بن حسین البیهقی، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الاولى، ۱۰ ۴۱ ۵، تحقیق محمد السعید بسیونی زغلول، عدد الاجزاء: ۷
- ۴۷۔ ”شرح الزرقانی علی موطا امام مالک“، محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، عدد الاجزاء: ۴
- ۴۸۔ ”شرح السنة للامام البغوی“، الحسین بن مسعود البغوی، دارالنشر: المكتب الاسلامی، دمشق، بیروت، ۳ ۴۰ ۵-۱۹۸۳ء، تحقیق شعیب الارناؤوط، محمد زہیر الشاویش، الطبعة الثانية، عدد الاجزاء: ۱۵
- ۴۹۔ ”شرح صحیح البخاری۔ لابن بطل“، ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطل البکری القرطبی، دارالنشر: مكتبة الرشد، السعودیہ، الرياض (۲۰۰۳-۵۱۴۲۳) الطبعة الثانية، تحقیق ابوتمیم یاسر بن ابراہیم، عدد الاجزاء: ۱۰
- ۵۰۔ ”شرح صحیح البخاری ابن حجر“، احمد بن علی بن حجر أبو الفضل العسقلانی، الناشر: دارالمعرفة، بیروت، ۹ ۳۷ ۵-۱۳۷۹ء، عدد الاجزاء: ۱۳
- ۵۱۔ ”شرح معانی الآثار“، احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک بن سلمة ابو جعفر الطحاوی (المتوفی ۳۲۱ ۵) تحقیق محمد زہری النجار، دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۵۲۔ ”شرح قصیدہ ابن القیم“، احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ، الناشر: المكتب الاسلامی، بیروت، الطبعة الثالثة ۶ ۴۰ ۵-۱۴۰۶ء، عدد الاجزاء: ۲
- ۵۳۔ ”صحیح البخاری“، ابو عبدالله محمد اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴-۲۰۶ ۵) الناشر: دارالقلم، بیروت، سنة النشر: ۱۹۸۷ء
- ۵۴۔ ”صحیح مسلم“، مسلم بن الحجاج قشیری (المتوفی ۲۶۱ ۵) الناشر: داراحیاء التراث العربی، سنة النشر ۲ ۹۷ ۱۹۷۲ء، بیروت
- ۵۵۔ ”صحیح ابن حبان“، محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد (المتوفی: ۳۵۴ ۵) الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت



- ۵۶۔ ”صحيح و ضعيف الجامع الصغير“، تحقيق محمد ناصر الدين الالبانى، الناشر: مركز نور الاسلام لبحاث القرآن والسنة، بالاسكندرية
- ۵۷۔ ”صفة الصفوة“، ابن جوزى، عبدالرحمن بن على بن محمد، الناشر: دارالمعرفة، بيروت، الطبعة الثانية (۱۳۹۹-۱۹۷۹ء)
- ۵۸۔ ”غرائب القرآن و رغائب الفرقان“، نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين النيسابورى، دارالنشر: دارالكتب العلميه، بيروت، لبنان
- ۵۹۔ ”فيض التقدير“، شرح الجامع الصغير المناوى، الناشر: دارالكتب العلميه، بيروت، لبنان، الطبعة الاولى ۱۴۱۵-۱۹۹۴ء
- ۶۰۔ ”كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال“، علاؤ الدين على بن حسام الدين المتقى الهندى/صفوة السقا، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الخامسة ۱۴۰۱
- ۶۱۔ ”مسند الحميدى“، عبدالله بن الزبير ابوبكر الحميدى، الناشر: دارالكتب العلميه، مكتبة المتنبى، بيروت، القاہرہ، تحقيق حبيب الرحمن الاعظمى
- ۶۲۔ ”مسند ابو عوانه“، الامام أبى عوانه يعقوب بن اسحاق الاسفرائنى، الناشر: دارالمعرفة، بيروت
- ۶۳۔ ”مصنف عبدالرزاق“، ابوبكر عبدالرزاق بن همام الصنعانى، الناشر: المكتب الاسلامى، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ
- ۶۴۔ ”مسند احمد“ احمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن اسد (المتوفى ۲۴۱ھ) الناشر: دارالمعارف، مصر
- ۶۵۔ ”مسند ابى يعلى“، احمد بن على بن المثنى ابو يعلى الموصلى التميمى، الناشر: دارالمامون للتراث، دمشق
- ۶۶۔ ”مسند الطيالسى“، سليمان بن داؤد الفارسى البصرى الطيالسى (المتوفى ۲۰۴ھ) دارالمعرفة، بيروت
- ۶۷۔ ”مشكاة المصابيح“، محمد بن عبدالله الخطيب التبريزى، تحقيق محمد ناصر الدين الالبانى، الناشر: المكتب الاسلامى، بيروت، الطبعة الثانية
- ۶۸۔ ”معارج القبول بشرح سلم الوصول إلى علم الاصول“، حافظ بن احمد



حکمی، الناشر: دار ابن القيم، الدمام، الطبعة الاولى ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰ء)

۶۹- ”منهاج السنة النبوية“، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الناشر: مؤسسة قرطبة

الطبعة الاولى، عدد الاجزاء: ۸

۷۰- ”مؤطا امام مالك رواية يحيى الليثي“، امام مالك بن انس بن مالك بن أبي

عامر اصبحي (۹۳-۱۷۹ھ) دار احیاء التراث العربی، مصر

۷۱- ”معالم التنزيل“، محي السنة ابو محمد الحسين بن مسعود البغوي، الناشر:

دار طيبة للنشر والتوزيع، الطبعة الرابعة ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء

۷۲- ”مجمع الزوائد-الهيثمي“، نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، الناشر: دار الفكر،

بيروت-

